دیا نرائن نگم

کے

رسالہ زمانہ کانپور (۱۹۰۳ء-۱۹۴۲ء) سے انتخاب

۷

تاریخِ ہند

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

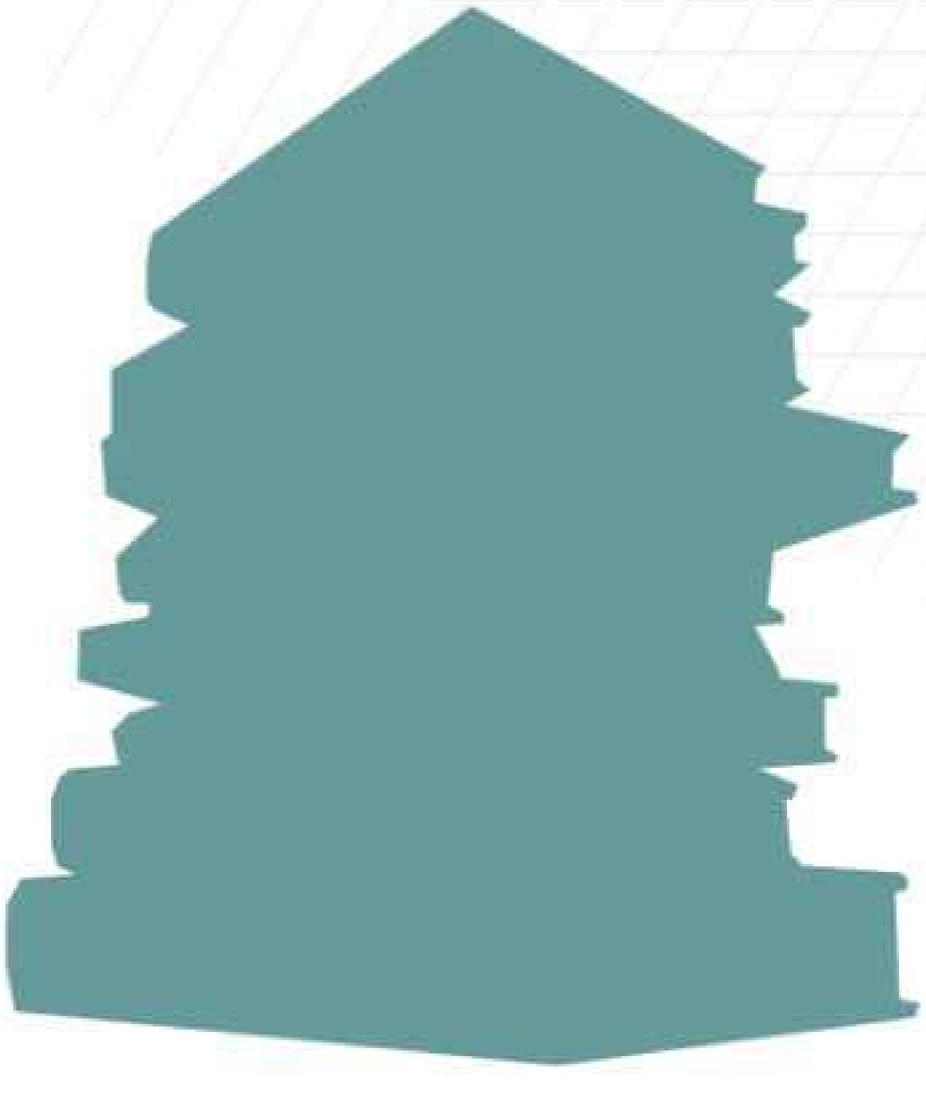

Marfat.com

Marfat.com

دیا نرائن نگم

کے

رسالہ زمانہ کانپور (۱۹۰۳ء۔۱۹۴۲ء) سے انتخاب

نام نیکِ رفتگاں ضائع مکن

۷

تاریخِ ہند

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

Marfat.com

13/314

تقسیم کار:

صدر دفتر:

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ــــ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ــــ ۱۱۰۰۰۶
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، بمبئی ــــ ۴۰۰۰۰۳
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ــــ ۲۰۲۰۰۲

۱۹۹۴ء

قیمت : ساٹھ روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) نئی دہلی میں طبع ہوا

Marfat.com

حرفِ چند

یہ اردو کے اہم رسالہ زمانہ (کانپور) کے ۳۹ برسوں کے فائل کا انتخاب ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اردو والے کیسے بڑے موضوعات پر کتنا اہم ذخیرہ آنے والوں کے لیے کیسی تیزی سے جمع کرتے جا رہے تھے۔ شاید انھیں یہ کشف ہوگیا تھا کہ اب اُن کے بعد ۴۰، ۵۰ سال اردو پر بونوں کا راج ہوگا اس لیے جلدی جلدی بارے کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو۔ اور پھر آگے کے ۴۰، ۵۰ سال بعد جو نئی نسل بونوں کی جانشین ہو، وہ پھر اپنے قد کو پا لے۔

رسالہ زمانہ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۴۲ء تک کانپور سے دیا نرائن نگم کی ادارت و ملکیت میں ہر ماہ مستعدی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے صاحبزادہ سری نرائن نگم کی ادارت میں جون ۱۹۴۹ء تک چلتا رہا۔ زمانہ بجا طور سے اردو کے بڑے رسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ دیا نرائن نگم اعلیٰ درجہ کا ادبی علمی ذوق رکھتے تھے۔ نگم مرحوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اچھے لکھنے والے تو تھے ہی، بہت اچھے ایڈیٹر بھی تھے۔ زمانہ میں مختلف موضوعات پر اتنا اچھا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے کہ کم ہی کسی دوسرے رسالے میں ہوگا۔

۱۹۰۳ء کے نومبر تک شیو برت لال ورمن کی ادارت، پھر دیا نرائن نگم کا ان کی جگہ سنبھالنا، اور ایک طویل عرصے تک دیوان راج بہادر کی طرف سے بڑی بہادری اور شرافت کے ساتھ زمانہ کی مالی پشت پناہی ——— یہ سب تفصیل کسی اور موقع پر۔ فی الحال صرف اتنا کہ زمانہ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۴۹ء تک تسلسل کے ساتھ نکلا، نصف صدی کے قریب۔ ایسی طویل عمر کسی دوسرے اردو رسالہ کو نصیب نہیں ہوئی (استثنا 'معارف')۔ اور جس شان سے نکلتا رہا، مضامین کا تنوع، چوٹی کے ادیبوں اور شاعروں کا تعاون، اردو کے ملے جلے کلچر کی نمائندگی، یہ سب زمانہ کے سوا کہیں نظر نہیں آتا۔ اور آج بھی جب علم اور ادب چھلانگیں لگا چکے ہیں، یہ بات زمانہ کی عظمت کا مزید اعتراف کراتی ہے کہ آج بھی اس کے مشتملات پر نظر ڈالی جائے تو اس کے منتخبات بیس پچیس جلدوں سے کم میں نہیں سمائیں گے، یہ بھی اس وقت جب آپ شاعروں کو نظر انداز کر دیں!

زمانہ کا یہ انتخاب عملاً دیا نرائن نگم کے عہد کا انتخاب ہے، ۱۹۰۳ء تا ۱۹۴۲ء؛ زمانہ جون ۱۹۴۹ء تک نکلتا رہا، مگر رفتہ رفتہ مولوی مدن والی بات کم ہوتی چلی گئی، اور بالآخر بیٹے، جو باپ کی یادگار سات سال تک

Marfat.com

چلاتے رہے، تھک کے بیٹھ گئے۔

لیکن بڑے باپ کے بیٹے تھے یاد رکھا انھیں، اور ۱۸۸۲ء کی پیدائش منشی دیا نرائن نگم کو ۱۹۸۲ء میں صدی کے موقع سے بڑی شان سے یاد کیا گیا۔ سری نرائن نگم اور ان کے چھوٹے بھائی برج نرائن نگم نے ایک بہت اچھا یادگاری مجلّہ ۳۰۲ صفحات پر مشتمل شائع کیا، جس میں زمانہ کے فائلوں سے چودہ پندرہ مضامین کے علاوہ کچھ منتخب افسانے، نظمیں اور غزلیں شامل کی گئیں۔

خدابخش لائبریری کے منصوبوں میں یہ بھی شامل رہا ہے کہ اہم رسائل سے مفید تحریروں کا انتخاب کرلیا جائے۔

اسی منصوبے کے تحت زمانہ سے یہ انتخاب پیش خدمت ہے اس سے قبل مولانا آزاد کا ہفتہ وار پیغام (مکمل فائل) رسالہ ہندستانی (الہ آباد) کا انتخاب (۷ جلدوں میں)، العصر (لکھنؤ)، ادیب (الہ آباد) صبح امید (لکھنؤ)، قاضی عبدالودود کا رسالہ 'معیار' اور زبان (گجرات) ایک ایک جلد میں پیش کیا جا چکا ہے۔

زمانہ سے انتخاب کا کام شروع ہوا تو اسمیں شامل تحریروں کے تنوع اور عصری اہمیت وافادیت نے دامن دل کو بار بار بڑی دل آویزی کے ساتھ کھینچا مگر دامن کشاں اس مجمع خوباں سے نکل کے ہم آپکے حضور صرف بامعنی تنوع اور عصری افادیت والی ضروری تحریریں لے آئے ہیں۔ پہلے مرحلے میں انتخاب کی گیارہ جلدیں پیش ہیں۔ چار جلدیں ہندستان سے اُبھے دھرموں پر ہیں (تین ہندومت پر اور چوتھی بدھ/ **جین** / سکھ/ **رادھا سوامی** متوں پر) پانچویں جلد **ہندو مسلم مسئلہ**، چھٹی جلد **اسلامیان ہند**، ساتویں جلد **تاریخ ہند**۔ اسطرح یہ سات جلدیں ہندو مسلم تاریخ وتہذیب کے اہم دھاروں کا تعارف کرادیتی ہیں۔ پھر ہندو مسلم گنگا جمنی تہذیب کے ملن کے ایک اہم نمونہ **پریم چند** آجاتے ہیں جو ساری عمر ہندو اور مسلمان میں انسان تلاش کرتے رہے، انسانیت کو ابھارتے اور اجالتے رہے۔ چار جلدوں میں **پریم چند** کی تحریروں کے ابتدائی نقوش جو اب صرف **زمانہ** ہی میں مل سکتے ہیں یکجا کر دیئے گئے ہیں، سب نہیں صرف وہ جو ضروری تھے۔

امید ہے **زمانہ** کا یہ بھرپور انتخاب اپنی رنگارنگی اور عصری اہمیت کے لیے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

——— ع ر ب

Marfat.com

تصحیحات و تصریحات

ہندو مت (حصہ اول)

○ ۱۴۹/۱۵۴ پر غلطی سے ایک افسانوی مضمون "خوابگاہِ راون" آگیا تھا، جو سنجیدہ مضمون ہونے کے بجائے افسانویت لیے ہوئے تھا۔ اسلیے اخیر وقت میں اسے خارج کر دیا گیا۔ اب صفحات کی گنتی کے وقت یہ خیال رہے کہ ۱۴۸ کے بعد ۱۵۵ درست ہے۔

○○ "نصائح جہانگیر"، باب دہم کے بعد تسلسل کے پرچہ میں "نصائح جہانگیر" کے عنوان سے ۱۸-۱۹-۲۰ اندراجات ملے جو، جوں کے توں شامل کر دیے گئے ہیں۔

○○○ مالک رام صاحب مرحوم کے دو مضامین بھی اس انتخاب میں شامل ہیں۔ زمانہ میں ایک مضمون پر بالک رام چھپا ہے، ایک پر مالک رام۔ انھیں ہم نے جوں کا توں رہنے دیا، لیکن فہرست میں صحیح نشاندہی کر دی ہے۔ ابتدائی عہد کی تحریریں ہونے کے سبب اہم ہیں۔

○○○○ فہرست مشتملات میں مذکور آخری چار مضامین کے صفحات نمبر، دو کے بقدر زیادہ لکھے گئے ہیں، انھیں اسطرح پڑھا جائے:
"منوسمرتی" ۲۱۴ کے بجائے ۲۱۲، "بھاگوت کے فارسی تراجم" ۲۲۴ کے بجائے ۲۲۲، "کوٹلیہ ارتھ شاستر" ۲۲۹ کے بجائے ۲۲۷، "نصائح جہانگیر" ۲۳۶ کے بجائے ۲۳۴۔

●●

تصحیحات و تصریحات

ہندو مت (حصہ سوم)

○ کچھ الفاظ چھپنے سے رہ گئے وہ اس طرح ہیں: ص ۲۵۲/۱ دوسرے تمام مذاہب اور شائستگیاں، ۲۵۲/۲ اسے بڑا سوامی دیانند کے، ۲۵۳/۲ دعوے کی، ۲۵۴/۱ نینوا، یونان، ۲۵۵/۱ دور دراز جگہوں پر، ۲۵۶/۱ جواب ایک، ۲۵۷/۱ یہ سب کچھ پیدا کیا۔

○○ حوالوں میں کہیں کہیں تین جلدوں کا حوالہ محض بطور جلد کے آیا ہے، ان کے ماہ و سال اس طرح ہیں: جلد ۱۸ جنوری تا جون ۱۹۱۲ء، جلد ۱۹ جولائی تا دسمبر ۱۹۱۲ء، جلد ۲۰ جنوری تا جون ۱۹۱۳ء۔

●●

تصحیحات و تصریحات

ہندستان سے لائے دیگر دھرم

○ فہرست میں، ص ۳۶ پر تعلیمات بدھ "از سی۔ ایف۔ اینڈریوز کے مترجم کا نام ضیاء الدین احمد برنی، اور یہ کہ دربار صاحب کی تصویر ص ۱۱۱ پر ہے، اندراج ہونے سے رہ گیا ہے، اضافہ کر لیں۔

●●

تصحیحات و تصریحات

ہندو مسلم مسئلہ

○ "مندر مسجد" اکتوبر ۲۳ء کی بجائے اکتوبر ۲۲ء پڑھا جائے۔

○○ فہرست میں "ہندستان" ص ۱۴۳ کے بجائے ص ۱۴۲، "مشرقی اور مغربی تصوف اور سنت مت" ص ۱۴۳ کے بجائے ص ۱۴۴ اور اکتوبر ۱۹۲۵ء کے بجائے نومبر ۲۵ء اور "ہندو مسلم مسئلہ" ص ۱۶۳ کے بجائے ص ۱۶۲ پڑھا جائے۔

●●

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ ہند

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	چندر گپت اعظم	ٹھاکر جے۔ آر۔ رائے نومبر ۱۹۳۲ء	۱
۲	اشوک	دیوان چند اگست ۱۹۰۸ء	۱۲
۳	ٹکسلا	لطافت حسین خاں نومبر و دسمبر ۱۹۲۰ء	۲۳
۴	قاتلان محمد بن سام	سید امداد اللہ قادری اگست ۱۹۳۴ء	۴۴
۵	اکبر کی تمدنی اصلاحیں	عبدالحق نومبر ۱۹۰۶ء	۵۱
۶	اکبر کی دو آنکھیں (منظوم)	سید محمد فاروق 〃 〃	۸۱
۷	جلال الدین اکبر	مدیر زمانہ اگست و ستمبر ۱۹۰۹ء	۸۳
۸	شہنشاہ اکبر اور موبدان مجوس	سید شمس اللہ قادری اگست و ستمبر ۱۹۱۳ء	۹۳
۹	راجہ بیربر	سید احمد مارہروی جولائی ۱۹۱۰ء	۱۰۳
۱۰	شمرو کی بیگم	سید محمد ارتضیٰ ـ واحدی دہلوی مئی و جون ۱۹۱۹	۱۰۹
۱۱	بیگم شمرو	سید محمد حفیظ نومبر ۱۹۲۸ء	۱۱۷
۱۲	بیگم شمرو	شہنشاہ حسین رضوی ستمبر ۱۹۳۳ء	۱۲۱
۱۳	〃	پیارے لال شاکر میرٹھی دسمبر ۱۹۳۷ء	۱۲۶
۱۴	شیواجی: خاندانی اور ابتدائی حالات	پربھو لال جنوری ۱۹۰۸ء	۱۴۲
۱۵	شیواجی: مشہور کارنامے و دیگر واقعات	〃 مارچ ۱۹۰۸ء	۱۵۶
۱۶	شیواجی: انتظام سلطنت و اسباب عروج قوم مرہٹہ	〃 اپریل ۱۹۰۸ء	۱۶۵
۱۷	شیواجی مع تصویر	قطب الدین خاں راقی جنوری ۱۹۱۴ء	۱۷۸
۱۸	شیواجی و سوامی رام داس (رفتار زمانہ)	ادارہ زمانہ جنوری ۱۹۰۸ء	۱۹۷

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار		صفحہ نمبر
۱۹	سلاطینِ مغلیہ کے دار الضرب	سید شمس اللہ قادری	اکتوبر ۱۹۲۸ء	۱۹۹
۲۰	آثار اودھ مع تصویر	نوبت رائے نظر	ستمبر ۱۹۱۲ء	۲۲۲
۲۱	لکھنؤ کے پرانے سین	"	مارچ ۱۹۱۲ء	۲۴۷
۲۲	حسین آباد	محمد عبد الرؤف عشرت	اپریل ۱۹۱۰ء	۲۵۶
۲۳	ملکہ کشور صاحبہ	شیخ تصدق حسین	اکتوبر ۱۹۳۲ء	۲۶۳
۲۴	کانپور	رام اگیان دویدی	دسمبر ۱۹۲۵ء	۲۷۳
۲۵	الہ آباد	سید محمد فاروق	اگست ۱۹۱۴ء	۲۸۱
۲۶	سری نگر	محمد صادق علی خاں	فروری ۱۹۰۵ء	۲۹۱
۲۷	کشمیر اور سوئزرلینڈ	پنڈت شیو نرائن شمیم	جون ۱۹۲۸ء	۳۰۰
۲۸	دیال باغ	ایک واقف حال کے قلم سے	اگست ۱۹۲۷ء	۳۰۳
۲۹	سیرام پور مع تصویر	شمیم	فروری ۱۹۱۰ء	۳۱۲
۳۰	تحفۃ المجاہدین (مالابار کے مسلمانوں کی تاریخ)	سید احمد اللہ قادری	جنوری ۱۹۳۲ء	۳۱۵

Marfat.com

چندر گپت اعظم

(از ٹھاکر جے۔ آر۔ رائے صاحب جرنلسٹ۔ لاہور)

موریہ خاندان کا بانی چندر گپت اعظم نہ صرف ہند قدیم ہی کا سب سے بڑا تاجدار فاتح ہے۔ بلکہ زمانہ قدیم کا کوئی حکمران اس کی ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا جس معیار سے دنیا نے بڑے بڑے فاتحوں اور فرمانرواؤں کے معیار زندگی کے رو سے چندر گپت اعظم کے کمالات پر نگاہ ڈالی ہے۔ وہ دنیا کے تمام حکمرانوں میں سب سے بڑا شمار ہونے کے قابل ہے۔ اس نے قدیم زمانے کی سب سے بڑی سلطنت اپنی قوت بازو سے قائم کی تھی اور اس کا ایسا جامع اور اعلیٰ نظام حکمرانی وضع کیا تھا کہ زمانہ حال کی ترقی یافتہ قومیں اپنی اعلیٰ تمدنی ترقیوں کے باوجود اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکی ہیں۔

چندر گپت کا حسب نسب مغربی ماہرین تاریخ چندر گپت کی ابتدا بہت ادنیٰ قرار دیتے ہیں جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ وساکھ دت کے ناٹک مدرا راکشش کا جو ساتویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے تتبع کرتے ہیں بعض اسے مگدھ کے دلاور حکمران مہاپدم نند کا سپہ سالار اور نزدیکی رشتہ دار گمان کرتے ہیں۔ ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ اسے پنجاب کے کسی راجہ کا بیٹا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن زمانہ قدیم کے بودھ اور جینی گرنتھوں کی جانچ پڑتال سے ظاہر ہوتا ہے کہ چندر گپت کے باپ دادا مہاتما بدھ کی قوم شاکیہ کی ایک شاخ سے تھے۔ اس کی کیفیت یوں مذکور ہے کہ راجہ بیڑودھب نے جب شاکیہ قوم پر حملہ کیا تو اس کے چند آدمی نقل مکان کر کے چلے گئے۔ وہ ہمالہ کے دامن میں ایک ایسے خطہ میں جا نکلے جو کئی سڑکوں کا مرکز تھا۔ بڑا پر فضا اور شاداب تھا جنگل میں بیشمار مور تھے وہاں پر انہوں نے بستی بنائی، مکانات کی وضع مور ایسی مرتب کی۔ ہوتے ہوتے یہ مقام موری نگر مشہور ہو گیا۔ آریہ ورت کے لوگ اس خطہ کے لوگوں کو موریہ پکارنے لگے۔ اسی قوم کا بہادر راجہ چندر گپت کا باپ تھا جو اپنی قوم کے دشمنوں سے لڑتا ہوا کام آیا۔ بیوہ رانی کا بھائی اسے پشپ پور لے گیا جہاں پر باپ کی وفات کے چند ہفتے بعد چندر گپت پیدا ہوا تھا، مگر ماں بھی جلد ہی عالم بالا میں اپنے بلند ہمت شوہر سے جا ملی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رانی مرتے وقت اسے کسی گوالے کی عورت کے حوالہ کر گئی تھی۔ بہر حال یہ بات قرین قیاس ہے کہ چندر گپت کی نانا اور ماموں کے ہاں پرورش ہوئی۔ اسے سب جنگی ہنر اور علوم سکھائے گئے۔

Marfat.com

وہ بڑا ہی ذہین اور نڈر اور ہر ہنر میں یکتا تھا۔ ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی دور کے تاجدار نے ایک راجہ کے ہاں بہت بڑا شیر پنجرے کے اندر بند کر کے بھیجا اور یہ شرط پیش کی کہ پنجرہ کا دروازہ کھولے بغیر اسے بھگا دیا جائے، سب درباری ہار گئے اتفاق سے چندر گپت وہاں پر جا نکلا اُس وقت وہ پندرہ سولہ سال کا لڑکا تھا جب اُس نے شیر کا ماجرا سنا تو پنجرے کے پاس جا کر خوفناک شیر کو غور سے دیکھا پھر سلائیں اور آگ منگائی، جب سلاخیں گرم ہو گئیں تو شیر کے بدن میں بھونک دیں۔ چند ہی منٹ میں شیر پانی بن کر بہ نکلا۔ دراصل وہ شیر موم اور مصالح سے بڑی ہنر مندی سے بنایا گیا تھا۔ اوروں کی آنکھ خطا کر گئی، مگر چندر گپت اصلیت کو بھانپ گیا جس سے اس کی غیر معمولی تیز فہمی اور ذہانت عیاں ہے۔

چندر گپت کی ولادت سے بہت پہلے دیگر پہاڑی قوموں کے ساتھ موری قوم بھی والیٔ مگدھ کی مطیع ہو چکی تھی۔ وہ بڑا ظالم اور سفلہ حکمران تھا۔ جب چندر گپت جوان ہوا تو پہاڑی سرداروں نے مگدھ سے آزاد ہونے کی ٹھانی، بہت سے جوان بھرتی کر کے فوج تیار کی گئی اور چونکہ چندر گپت کی بیباکی دلاوری اور ہوشیاری پر سب کو بھروسہ تھا اس لئے اسے اس کا کمانڈر بنایا گیا۔ چانک جو نندا کو نیست و نابود کرنے کا حلف اُٹھا چکا تھا چندر گپت کا نام سُنکر اس کے پاس چلا گیا اور اس منصوبہ میں شامل ہو گیا۔ چندر گپت میدان میں اُترا اور نندا کی سپاہ کو پے در پے شکست دیکر برباد کر دیا۔ مگر جب خاصے کے لشکر سے پالا پڑا تو چندر گپت کی کچھ پیش نہ گئی، اگر وطن کو لوٹ کر جاتا تو شاہی لشکروں سے دامن چھڑانا محال تھا۔ اس لئے غالباً چانک کے حسب ایما چند وفاداروں کے ساتھ پنجاب کی طرف چلا آیا۔ یونانی لکھتے ہیں کہ جب چندر گپت لڑکا ہی تھا تو وہ سکندر سے ملنے کو آیا تھا۔ مگر سکندر اس کی بے تکلفانہ بات چیت سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اس لئے اس کا سر قلم کئے جانے کا حکم دیا۔ مگر چندر گپت بڑی عجلت اور دلاوری سے سکندر کے ڈیرے سے نکل بھاگا۔ ایک درجن یونانی شہسواروں نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ اُس وقت سکندر کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہی بیباک لڑکا ایک دو سال کے اندر اندر میری سلطنت پنجاب و سندھ کے تمام نشانات مٹا دیگا۔ سکندر کے ظالمانہ برتاؤ سے چندر گپت پر یہ روشن ہو گیا کہ یونانی حملہ آور آپ ہی سفاک اور سفلہ ہے جیسا کہ نند ظلم دوست اور بے رحم ہے، اس وجہ سے اس نے دونوں کو ٹھکانے لگانے کی ٹھانی۔ یونانی کہتے ہیں کہ چندر گپت سکندر کو مگدھ پر لشکر کشی کرنے کی ترغیب دینے کو گیا تھا اور یہ قرین عقل ہے۔ نند کے جور و ستم سے سبھی نالاں تھے۔ اس وجہ سے یہ حیرت کی بات نہیں کہ چندر گپت سکندر کو شہ دینے گیا تھا۔ اگر پنجاب کے سرداروں سے لڑتے لڑتے یونانی سردار اور ان کے سپاہی دل شکستہ نہ ہو گئے ہوتے تو سکندر ضرور تاجدار مگدھ سے مقابلہ کرنے

Marfat.com

کومیدان گنگا میں اُترا جس کے پاس دو لاکھ پیدل بیس ہزار رسالہ نو ہزار جنگی ہاتھی اور چھ ہزار رتھ تھے گو نندا بڑا ظالم تھا مگر بڑا دلاور اور کارواں سپاہی اور بلند پایہ مدبر تھا۔ سکندر نے فقط لشکر کثیر سے بارہ چودہ گھنٹے کی سخت معرکہ آرائی کے بعد پورو کو زیر کیا تھا۔ دارا ثالث شاہ ایران عیاش بزدل اور ہیٹا حکمران تھا۔ اس وجہ سے سکندر کامیاب ہوگیا تھا مگر نندا کا راج ہمالہ کی ترائی سے بندھیاچل تک اور برہمپتر سے الہ آباد تک پھیلا ہوا تھا اسے سکندر شکست دینے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔

چندر گپت کے کارنامے

اکتوبر ۳۲۶ ق م میں سکندر جہلم کے راستہ سے سندھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ نومبر ۳۲۵ ق م میں وہ پٹالہ سے براستہ مکران ایران کے صدر پرسی پولس کو چلا گیا جہلم سے روانہ ہونے سے پہلے سکندر نے دو وائسرائے اور کئی گورنر مقرر کئے۔ ان کے زیر کمان کافی یونانی فوج تھی۔ راجہ ٹکشلہ کی سپاہ بھی ان کے ساتھ شراکت عمل کو آمادہ تھی۔ اسی طرح سندھ کا بھی وائسرائے اور گورنر مامور کیا تھا۔ پنجاب سے سکندر کی روانگی کے بعد چندر گپت نے سرداران پنجاب کو سمجھا بجھا کر ایک جتھا بنایا جس کی تکمیل میں یونانی گورنر تو اس کے ایما سے پورو کے مارے جانے سے بہت جلدی کامیابی ہوگئی۔ جب سکندر سندھ سے چلا گیا تو چندر گپت نے یونانی گورنروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ٹکشلہ کی سپاہ اس کے علاوہ تھی جو اقبال سکندری قائم رکھنے کو تلی ہوئی تھی۔ معرکے شروع ہوئے ہر جگہ سکندر کے گورنر اور کمانیر شکست کھاتے رہے۔ دو سال سے کچھ کم عرصہ میں بیاس سے سوات چترال تک اور پشاور سے سندھ تک تمام ملک یونانیوں سے خالی کرا لیا۔ یونانی گورنر اور لشکر تحس نحس ہوگئے۔ اس کا بہت مستقل اور وسیع اثر ہوا۔ اس وجہ سے یہ کارنامہ بہت شاندار ہے۔ مغربی ماہر اس جنگ آزادی کو "بغاوت" کے نا ملائم لفظ سے یاد کرتے ہیں جس کا سرغنہ چندر گپت قرار دیا گیا ہے۔ یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ چندر گپت نے سرحدی لٹیروں کی جمعیت فراہم کر کے یونانی سپاہ کو شکست دی تھی۔ اگر پورو کی تربیت یافتہ سپاہ یونانی فوجوں کو مغلوب نہ کر سکی تو کیا لٹیروں کی ان گھڑ جمعیت ناقابل تسخیر یونانی جرنیلوں اور ان کی آزمودہ کار سپاہ کو زیر کرنے کی امید کر سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ یونانی بیانات بے سروپا اور مہمل ہیں۔ مغربی ماہر اس لاثانی فاتح تاجدار کے کمالات سے دانستہ چشم پوشی کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں اس کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اس نے یونانی سلطنت کے قدم نہ جمنے دیئے اس وجہ سے قصداً اس کے کارناموں پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔

یونانی لشکروں اور ان کے کمانیروں کو ملیامیٹ کرنے کے بعد چندر گپت اس ملک کا فرماں روا بن گیا۔ اس نے بہت جلد آئین و قوانین وضع کئے۔ اس کام میں چانک کی دانائی سے اُسے بڑی مدد ملی پھر اس نے سپاہ اور سامان مہیا کر کے ستلج اور گنگا کے درمیانی حکمرانوں کو گانٹھ کر نندا کی سرکوبی کی ٹھانی نندا چندر گپت کی فوج کشی سے بے خبر تھا اس لئے اس نے سرحد کے کمانیروں کو حملہ آور کی مزاحمت کی سخت

Marfat.com

تاکید کردی، مگر سپاہ اور رعایا سبھی نند کے مظالم سے نالاں تھے۔ نند کے سرحدی کمانیر حملہ آور لشکروں کی روک تھام میں سخت ناکام رہے۔ آخر کار وہ خاصے کی سپاہ کے ساتھ خود میدان میں اترا اور اپنے حسب منشا ایک موزوں مقام پر چھاؤنی ڈال کر مورچہ بندی کرلی۔ وہاں وہ ٹوک گھمسان کا رن پڑا۔ نند کی کاروانی اور حکمت چندر گپت کے اقبال کے سامنے خاک میں مل گئی۔ اس کی سپاہ کو شکست فاش ہوئی۔ وہ خود بھی میدان میں کام آیا۔ اس طرح چندر گپت نند کی بے قیاس دولت، سامانوں اور لشکروں پر قابض ہوگیا۔ ایک ہی معرکہ سے دریائے برہمپتر سے لیکر گنگا جمنا کے سنگم تک کا ملک اس کے قبضہ میں آگیا۔ چنانچہ اول مرتبہ آریہ ورت ایک وسیع عظیم الشان سلطنت کی بنیاد پڑی جو برہمپتر سے پشاور تک اور سوات سے سندھ تک پھیل گئی۔ اس وقت چندر گپت کی عمر چوبیس پچیس برس کی تھی۔ اس نے چانک کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرکے نظام حکومت وضع کیا جسکی جامعیت اور حکمت کے سامنے زمانۂ حال کے اچھے سے اچھے آئین کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ غالباً اسی زمانہ میں اس کی شادی راجکماری دُھرداسے ہوئی جو اُس کے بڑے ماموں کی بیٹی تھی۔ اُس دُور افتادہ زمانہ میں ماموں کی بیٹی سے شادی کا رواج تھا جیسا کہ اب دکن میں بھی پایا جاتا ہے۔ ۳۲۱ھ ق م میں چندر گپت کی رسم تاجپوشی ادا ہوئی۔ ملکی انتظامات سے فارغ ہو کر چندر گپت نے مالوے اور سوراشٹر (کاٹھیاواڑ اور گجرات) پر چڑھائی کی۔ اور ان زرخیز و شاداب ملکوں کے تاجداروں کو مغلوب کیا۔ پھر راجدھانی کی طرف فتحمندانہ نشان اڑاتا ہوا لوٹ آیا۔ بعد ازاں چندر گپت نے کوہستان بندھیاچل طے کرکے دکن کی طرف چڑھائی کی ان ممالک کے راجاؤں کو مطیع کیا جہاں اب ممالک متوسط۔ برار۔ ریاست حیدر آباد۔ خاندیس۔ مہاراشٹر۔ ریاست میسور۔ احاطہ مدراس کے وسطی اور شمالی اضلاع (شمالی سرکار) واقع ہیں۔ غرض ۳۱۰ھ ق م سے پہلے پہلے سارا آریہ ورت اور دکن فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

چندر گپت کا سب سے بڑا شاندار جنگی کارنامہ سلیوکس ظفرمند کی شکست فاش ہے جس سے نہایت وسیع اور مستقل نتائج مرتب ہوئے۔ سکندر کے مرتے ہی اس کے جنرل اس کی سلطنت کے مختلف حصوں پر قابض ہو بیٹھے مگر سلیوکس اور انطگناس اپنے کو سب سے زبردست اور ہوشیار سمجھتے تھے اس وجہ سے وہ اپنے کو اس کے جانشین گمان کرتے تھے۔ دونوں میں معرکے شروع ہوگئے جو دس بارہ برس تک رہے۔ آخر کار سلیوکس نے ۳۱۲ھ ق م میں اپنے حریف کو مغلوب کرکے اپنے کو ایشیائی مقبوضات کا شہنشاہ قرار دیا۔ اور ظفرمند کا لقب اختیار کرلیا۔ پھر جھٹ پٹ اس نے پنجاب اور سندھ از سرنو فتح کرلینے کے مقصد کا

ملہ چندر گپت اعظم کی تاجپوشی کے سال کی بابت ماہروں میں اختلاف رائے ہے۔ اکثر ۳۲۱ھ ق م میں تسلیم کرتے ہیں۔ چینی روایت کی رو سے ۳۱۶ھ ق م ہے بعض ماہرین کو ان دونوں بیانوں سے اختلاف ہے۔

Marfat.com

اعلان کر دیا۔ اپنے مطیع حکمرانوں کو حکم دیا کہ سپاہ اور سامان لے کر ملک ہند پر چڑھائی کرنے کو آمادہ رہیں۔ چنانچہ کئی سال کی تیاریوں کے بعد سلیوکس بے شمار سپاہ اور سامان لے کر ملک ہند پر چڑھ آیا۔ ادھر اب کے تین اضلاع کے مالک پورو کی بجائے چندر گپت اعظم تھا جس کا سارے ملک ہند میں ڈنکا بج رہا تھا۔ اس نے سلیوکس کے حملہ کی خبر پا کر شاندار تیاریاں کیں۔ چھ لاکھ سپاہ لے کر جہلم کے کنارے پر حملہ آور کی پیشوائی کو تیار ہو گیا۔ سلیوکس اپنے آقائے نامدار سکندر کی طرح شاندار فتح حاصل کر کے شمالی ہند کو قبضہ میں لانے کے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔ چندر گپت نے اسے مصلحتاً سرحد اور اٹک سے بے روک ٹوک اتر آنے دیا۔ اس کا منشا غالباً یہ تھا کہ سلیوکس کو اس بیباکی اور رعونت کا مزا چکھائے ۳۰۲ ق م میں جانبین کا خونی معرکہ شروع ہوا۔ پہلے ہلہ کے انجام سے حملہ آور کو سخت مایوسی ہوئی۔ یونانی یہ گمان کرتے تھے کہ ہندو ہمارے نام ہی سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوں گے مگر اس کے بجائے وہ ڈٹ کر ٹھہرے رہے۔ یونانی رسالے بگٹٹ حملے کرتے تھے اور ہاتھیوں کی سد سکندری سے ٹکرا کر لوٹ جاتے تھے۔ پھر جب موریہ تیر اندازوں نے تیروں کی بارش کی تو یونانی پیدل اور گھڑ چڑھے گھونگھٹ کھا کر سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے کیونکہ استرابو لکھتا ہے کہ ہندو سپاہیوں کے پاس قد آدم کمانیں تھیں تین تین گز لمبے تیر تیزی سے کمانوں سے نکلتے تھے کہ ان کی زد سے نہ ڈھال اور نہ چار آئینہ جسم کو محفوظ رکھ سکتا تھا۔ قصہ کوتاہ ہفتوں کی معرکہ آرائیوں کے بعد سلیوکس پر یہ روشن ہو گیا کہ ہندو حلوائے بے دود نہیں بلکہ لوہے کے چنے ہیں۔ اس نے صلح کی درخواست کی۔ چندر گپت نے رضامندی ظاہر کی، شرائط صلح یہ طے ہوئے کہ سلیوکس افغانستان اور بلوچستان چندر گپت اعظم کی نذر کرے اور چندر گپت فقط پانچ سو ہاتھی اسے دے۔ سلیوکس نے اپنی بیٹی بھی چندر گپت کے الواس میں داخل کی۔ اور یہ قرار پایا کہ دربار پاٹلی پتر میں سلیوکس کا سفیر رہے۔ یہ معاہدہ ۳۰۳ ق م میں طے ہوا تھا۔ اس سے سلطنت ہند کی سرحد ہندو کش کی جنوبی ڈھلوانوں سے جا ملی۔ ادھر مغرب میں ہرات سیستان اور مکران سے جا ملی۔ انگریز ماہر وی۔ اے اسمتھ لکھتا ہے کہ سلیوکس پر فتح پانے کا یہ انجام ہوا کہ سلطنت موریہ کو وہ فطری سرحد حاصل ہو گئی جو مغلوں کو تھوڑی سی مگر انگریزوں کو ذرا بھی نصیب نہ ہو سکی۔ سلیوکس کی شکست فاش کو تسلیم کرنے سے مغربی ماہروں کو صاف انکار ہے۔۔ پرنسپل ای بی ہیول (ہے ول) نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف آرین رول ان انڈیا میں یہ تسلیم کیا ہے کہ سلیوکس نے سخت شکست کھائی۔ جس کی وجہ سے نہ صرف وہ جلدی سے پسپا ہی ہو گیا بلکہ یہ ذلت آمیز عہد نامہ لکھنے کو مجبور ہوا تھا جس کی رو سے اس نے اپنی بیٹی چندر گپت کے محل میں داخل کی۔ اور جہیز میں افغانستان اور بلوچستان کے صوبے اس کے نذر کر دیے۔ اور آپ صرف سو ہاتھی لینے پر اکتفا کی۔ وی۔ اے۔ اسمتھ نے بھی کچھ اسی قسم کی رائے ظاہر کی ہے۔ مگر باقی قریب قریب سب ماہرین

لہ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۲۴ بمود ۱۹۲۴ء

Marfat.com

اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ای۔ ڈبلیو۔ ٹامس کا قول ملاحظہ ہو۔" سلیوکس کے لئے یہ مہم بے حد بھاری ثابت ہوئی، وہ اٹک سے اترا یا لیکن یا تو کوئی لڑائی ہوئی نہیں، اگر ہوئی تو فیصلہ کن نہ تھی۔ بہر حال سلیوکس کو چندر گپت کے مقابلہ میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس وجہ سے اس نے معاہدہ کیا، جس کی رو سے اسے بے روک ٹوک پسپا ہو جانے کی اجازت مل گئی۔ یونانی مقبوضات جو وادی کابل تک تھے چندر گپت کی نذر کر کے پانچسو ہاتھی حاصل کئے۔" یہ ماہر سلیوکس کی بیٹی کے چندر گپت اعظم کے محل میں داخل ہونے کے واقعہ کو مشکوک کہتے ہیں، یہی حال اوروں کا ہے۔ کئی سال کی تیاریوں کے بعد سلیوکس بڑے سامان اور کروفر کے ساتھ چندر گپت اعظم کے ملک پر حملہ کرتا ہے۔ حملہ آور کو مصلحتاً چندر گپت اندرون ملک میں گھس آنے دیتا ہے تاکہ اُسے ایسی شکست دی جائے کہ وہ سلامتی کے ساتھ اپنی سلطنت میں واپس نہ جانے پائے۔ اُس وقت غالباً پشاور سے آگے تک چندر گپت کا راج تھا اس وجہ سے سلیوکس ڈیڑھ سو میل بے روک ٹوک سلطنت موریہ کے اندر گھسا چلا آیا، آخر کار سخت معرکے ہوئے جن میں حملہ آور کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی سلطنت کے مشرقی صوبے چندر گپت اعظم کے حوالہ کرنے کو مجبور ہو گیا اور اپنی بیٹی بھی اس کے نذر کی۔

مغربی مورخین جہلم کے دوسرے معرکہ کی اہمیت کو دانستہ نظر انداز کرتے ہیں جس کی رو سے پورو کی شکست اور بعد کو اس کی پر دغا ہلاکت کا قرار واقعی انتقام لیا گیا۔ اور ملک ہند کی عظمت و حرمت سارے جہان میں بڑھ گئی۔ کیونکہ اُس وقت مغرب میں سلیوکس کے سوا اور کوئی بڑا تاجدار نہ تھا۔ اس نے اپنی رعونت سے شکست کھائی اور اس کی پاداش میں دو تین لاکھ مربع میل رقبہ کھو دیا اور اپنے ہمچشموں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوا۔ سلطنت ہند ہرات سے آسام تک اور سوات چترال سے مدراس کے آگے تک پھیل گئی جس کا ہر ایک پہلو بائیس سو میل سے زائد تھا۔ سن عیسوی سے اُدھر اتنی عظیم الشان سلطنت کسی حکمران کو کبھی نصیب نہ ہوئی تھی جہلم کے کنارے پر سلیوکس کو جو شکست عظیم ہوئی تھی اس سے ملک ہند سارے جہان کا سرتاج بن گیا۔ مہاراجہ ادھ راج چندر گپت اعظم کی کاردانی، شجاعت اور تدبر کا تمام دنیا میں ڈنکا بج گیا۔ بات یہ ہے کہ اگر مغربی ماہر چندر گپت اعظم کے لاثانی کارنامے تسلیم کر لیں تو ان کے سب سے بڑے ہیرو سکندر کی ہیٹی ہوتی ہے جسے وہ سلف کا سب سے بڑا سپاہی قرار دیتے ہیں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ چندر گپت ہندو اور ایشیائی ہے، سکندر یورپ کا پہلا فاتح ہے جس نے ایران کا چراغ گل کر کے ملک ہند کا شمالی حصہ زیر کر کے گوروں کی شوکت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ سیوکس

لے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" جلد اول صد ۴۷۳ مطبوعہ ۱۹۲۲ء

بھی گورہ تھا جس نے چندر گپت اعظم کے ہاتھوں ایسی بھاری شکست کھائی۔ کہ سارے جہان میں رسوائی ہو گئی، مگر تاریخ کے اعتبار سے معرکہ جہلم دنیا کے عظیم ترین دو ٹوک معرکوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اس سے ملک ہند اور نیز دنیا کے لئے پولیٹیکل اور اقتصادی دونوں قسم کے مستقل نتائج مرتب ہوئے۔

سلطنت موریہ کی لاثانی وسعت

چندر گپت اعظم کی سلطنت کی وسعت کی نسبت بھی مورخین میں بڑا اختلاف رائے ہے۔ ونسنٹ اسمتھ لکھتا ہے "اٹھارہ سال کے عرصے میں چندر گپت نے پنجاب اور سندھ سے یونانی حکومت کے نشانات مٹا دیئے، سلیوکس ظفر مند کو پسپا اور خوار کیا، اور شمالی ہند اور اریانہ کے بڑے حصے کا اپنے کو سب سے بڑا حکمران قرار دیا۔ ان کارناموں کی وجہ سے وہ تاریخ دنیا کے نہایت بڑے بڑے اور کامیاب تاجداروں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔" کئی ماہروں کا یہ خیال ہے کہ چندر گپت کا راج کوہستان بندھیاچل کے آگے دکن میں نہ تھا جن کی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ کافی ثبوت نہیں ملتا۔ مگر ہیول لکھتا ہے کہ فتح دکن کے بعد چندر گپت اور اس کا وزیر اعظم سلطنت کے استحکام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اس نے عالمگیر سلطنت قائم کرنے کی کوشش نہ کی۔" پلوٹارک لکھتا ہے "چندر گپت نے چھ لاکھ سپاہ لیکر سارے ملک ہند کو تاراج کر کے مطیع ومحکوم کیا تھا۔" جسٹن لکھتا ہے "چندر گپت سارے ہندوستان پر قابض تھا۔ مدراس کے نامی گرامی محقق راؤ بہادر ڈاکٹر کرشن سوامی آئنگر اپنی مشہور تاریخ جنوبی ہند میں یہ لکھتے ہیں کہ تامل زبان کے سب سے مشہور مصنف مامل نار نے کئی مرتبہ اپنی ایک قابل قدر تصنیف میں یہ ذکر کیا ہے کہ پرانے زمانے میں آریہ لشکروں نے جنوبی ہند پر حملہ کیا اور مارتے مارتے کوہ پوڈیل واقع ضلع تناولی تک جا پہونچے۔ ان لشکروں کا ہراول دستہ کوشل قوم کے جوانوں کا بتایا جاتا ہے۔ تامل زبان کے دو اور بڑے بڑے مصنفوں کی کتابوں سے بھی مامل نار کے بیان[1] کی تائید ہوتی ہے۔

ڈاکٹر بی۔ ایس۔ رائس ریاست میسور کے محکمہ اثریات کے مہتمم اعلیٰ نے عرصہ تک تحقیقات کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ چندر گپت کا راج ریاست میسور کے وسط تک پھیلا ہوا تھا جس سے یہ ظاہر ہے کہ موجودہ شہر مدراس سے سیدھے خط میں موریہ راج منگلور تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر تامل زبان کی کہنہ سال تصنیفات کے بیان سے چشم پوشی کی جائے تو رائس کا بیان کلیۃً قابل اعتبار ٹھہرتا ہے۔ وی۔ اے۔ اسمتھ نے بھی موریہ سلطنت کی جنوبی حد اسی خط سے ملتی جلتی قائم کی ہے

[1] پولیٹیکل ہسٹری آف انشنٹ انڈیا" صفحہ ۱۶۷

Marfat.com

دو باتیں غور طلب ہیں۔ برہمپترا اور دہانہ گنگا سے لیکر کاٹھیاواڑ گجرات اور سندھ تک سارا ملک زیر کرنے کے بعد چندر گپت دکن کی طرف کیوں نہ بڑھ سکا؟ کیا وہاں پر کوئی بڑا تاجدار ایسا تھا کہ جس سے چندر گپت خائف تھا؟ یہ گمان سراسر بے معنی ہے۔ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سارے بھارت ورش کو زیر کر کے ایک چھتر تلے لانے کا متمنی تھا۔ اس سے پہلے کے تاجداروں کو چکرورتی راج نصیب نہ ہوا تھا۔ بہرحال چندر گپت جنوبی ہند کو فتح کرنے سے کسی صورت میں باز نہ رہ سکتا تھا۔ اس نے دکن فتح کیا اور غالباً مدراس سے آگے تک گیا تھا جیسا کہ مامل نار وغیرہ کا بیان ہے۔ اخیر میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جین روایت کی رو سے جسے ونسنٹ اسمتھ معتبر سمجھتا ہے۔ چندر گپت اعظم اسی زمانہ کے سب سے بڑے جینی مہاتما بھدر باہو سوامی کا معتقد بن گیا اور تاج اپنے بیٹے بندسار کے حوالے کر کے دکن کو چلا گیا۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار اور جینی جاتری بھی شمالی ہند سے گئے تھے۔ کیا کوئی تاجدار اتنے بڑے قافلہ کو اپنے ملک میں گھسنے دیتا۔ ریاست میسور کے جنوبی حصے میں جینی تیرتھ شرون گولہ ہے جہاں چندر گری پہاڑی ہے۔ جینی روایت کی رو سے چندر گپت نے بارہ برس تک اسی جگہ تپسیا کر کے جان دی تھی۔ کیا چندر گپت اعظم جس کا سکہ آسام سے ہرات اور مکران تک مروج تھا کبھی یہ بات گوارا کر سکتا تھا کہ اپنی وسیع سلطنت کے باہر کسی اور تاجدار کے ملک میں جا کر تپسیا کرتا اور جان دیتا؛ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے مان لیں کہ چندر گپت اعظم کا راج بندھیاچل کے آگے دکن میں نہ تھا؟

اگر زمانۂ حال کے برہما اور آسام کو خارج کر دیا جائے، پھر نیپال اور افغانستان اور بلوچستان کو سلطنت ہند کے موجودہ رقبہ میں شامل کر دیا جائے تو چندر گپت کی سلطنت کا رقبہ انیس لاکھ مربع میل کے قریب ظاہر ہوتا ہے۔ رہی آبادی اس کی بابت ہمارا یہ تخمینہ ہے کہ یہ بیس پچیس کروڑ نفوس کے مابین ہوگی۔ سلطنت رومہ کی انتہائی عروج کے زمانے میں بارہ کروڑ سے زائد مردم شماری نہ تھی۔ یونانیوں کا بیان ہے کہ پورو کے راج میں (۷۰۰۰) دیہات قصبات تھے جن میں تین سو شہر ایسے تھے جن کی آبادی پانچ پانچ ہزار آدمیوں کی تھی۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ پنجاب کی شمال مغرب کی سرحد کا جو علاقہ سلطنت ایران میں ملحق تھا اس کی آبادی سب سے زیادہ گنجان تھی۔ چندر گپت سے پہلے فقط سلطنت ایران وسعت کے اعتبار سے سلطنتوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی جس کا رقبہ بارہ چودہ لاکھ مربع میل کے مابین تھا۔ چندر گپت کے تین سو برس بعد مذہب مسیحی کے بانی کی وفات کے وقت قیصر آگسٹس کی سلطنت یورپ ایشیا اور افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی جس کا رقبہ سلطنت موریہ سے

۱؎ بعض مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ الا باغ سے لیکر سندھ تک دارا شتاسپ نے فتح کیا تھا جہاں سے ۱۵۹ من سونا خراج میں جاتا تھا۔ پروفیسر ولیم جیکسن کا یہ بیان کہ ریاس تک ملک پنجاب دارا کے زیر نگیں تھا بے معنی ہے۔

Marfat.com

کم تھا۔ البتہ شہنشاہ ٹراجن کی سلطنت کی وسعت اس سے بڑھکر تھی۔ گذشتہ دو سو سال میں چین۔ روس اور برطانیہ کی سلطنتوں کی مساحت سلطنت موریہ سے کہیں بڑھکر پائی گئی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ سن عیسوی سے پہلے دو تین ہزار برس کی تاریخ سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ کسی تاجدار نے چندر گپت اعظم سے زیادہ بڑی سلطنت قائم کی تھی۔ سن عیسوی کے بعد بھی تقریباً اٹھارہ سو برس تک کسی حکمران نے اتنے بڑے رقبہ پر حکومت نہ کی تھی جتنا چندر گپت کے زیر نگیں تھا

چندر گپت اعظم کا نظام سلطنت

چندر گپت اعظم کی بڑائی محض ملک گیری اور جنگی کارناموں کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بڑا عالی دماغ مدبر بھی تھا۔ اس نے اپنی وسیع وعظیم سلطنت کے حسن انتظام کی واسطے جو آئین حکومت جاری کیا تھا زمانۂ حال کی بڑی بڑی متمدن قوموں کے لئے بھی ایک نمونہ ہے۔ بڑے بڑے مدبر چندر گپت اعظم کے اصول اور ان کا تتبع کرتے ہیں فی زمانہ مغرب کی کئی بڑی حکومتوں کے ہاں کمیٹی کا رواج تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی وزیر اکیلا کچھ نہیں کر سکتا بلکہ چند ماہروں کے مشورہ کے مطابق کارروائی کرتا ہے۔ برطانیہ کا صیغہ تجربات کا وزیر اور بورڈ ہے۔ امریکہ میں محکمۂ خارجہ کے وزیر کے ساتھ ایک خاص کمیٹی بھی مقرر ہے۔ مگر چندر گپت اعظم نے اب سے بائیس سو برس پیشتر اپنے ہر ایک وزیر کے ساتھ ماہروں کی کمیٹیاں شامل کر رکھی تھیں جس کا ذکر سلیوکس کے سفیر میگستھنیز نے اپنی قابل قدر کتاب میں قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب ضائع ہو چکی ہے مگر اس کے اقتباسات اور یونانی کتابوں میں ملتے ہیں۔ وزیر جنگ کے ساتھ تیس ماہروں کی چھ کمیٹیاں شریک کار تھیں، ایک پیدل سپاہ کی۔ ایک رسالوں کی ایک جنگی ہاتھیوں کی۔ ایک رتھوں کی۔ ایک باربرداری اور کمسریٹ کی اور ایک بحری معاملات کی ذمہ دار تھی۔

یہی حال صیغہ مالیات کا تھا۔ پاٹلی پتر، اجودھیا، کوشام بمبئی، اجین، ٹکشلہ وغیرہ کی میونسپل کمیٹیاں چھ چھ چھوٹی کمیٹیوں میں منقسم تھیں۔ ان میں سے ایک کمیٹی اموات وپیدائش کا اندراج کرنے کی ذمہ دار تھی۔ اہل شہر کے مکانات مع تفصیلات دربارہ حیثیت درج رجسٹر کراتی اور مردم شماری کا اہتمام کراتی تھی۔ دوسری کمیٹی پاٹلی پتر میں پردیسی مسافروں، سوداگروں، سفیروں وغیرہ کی خاطر تواضع کرنے پر مامور تھی۔ چندر گپت نے اپنے مطیع حکمرانوں اور کئی جمہوری قوموں کو مقامی معاملات کا اختیار عطا کر رکھا تھا۔ ٹکشلہ، اجین اور دکن میں وائسرائے تعینات کر رکھے تھے۔ ایک انگریز ماہر راوی ہے کہ چندر گپت کا دفتر شاہی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔

فی زمانہ نہروں اور سڑکوں کا ذکر خیر کیا جاتا ہے مگر ان کا بانی یہی چندر گپت اعظم تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ زراعت کی خوشحالی نہروں سے ہے اس وجہ سے دریاؤں تالابوں اور بندوں سے پانی مہیا کر کے کاشتکاروں سے آبیانہ وصول کرتا تھا۔ گرنار (جوناگڈھ) میں جھیل سدرشن بنائی گئی تھی۔ سلطنت کے اندر چاروں طرف سڑکیں تھیں جس کا

Marfat.com

اتصال دکن اور ماوے سندھ، پنجاب اور اودھ کی سڑکوں سے ہوتا تھا۔ کو شام ممبئی سے ایک سڑک زمانۂ حال کی جھانسی، اجین سے گجرات کاٹھیاواڑ، سندھ اور مگران کو جاتی تھی۔ دوسری ہستناپور، کروکشیتر سے ٹکسلہ، پشاور، کابل، قندھار اور ہرات کو جاتی تھی، تیسری دکن کی طرف جاتی تھی۔ سڑکوں پر مسافر خانے اور پیاؤ بنے ہوئے تھے۔ چوراہوں پر ایسے تختے لگے ہوئے تھے جن پر مختلف مقامات کے فاصلے اور نام مندرج تھے۔ سڑکوں پر کوسوں کے پتھر نصب تھے، جابجا پولیس کے تھانے اور ڈاک خانے تھے خفیہ پولیس تھی، اور اخبار نگاری کا خاص محکمہ تھا جسے مسلمان بادشاہوں نے اپنے زمانہ میں بڑی توسیع دی چندر گپت نے شمار و اعداد کا بھی ایک محکمہ قائم کیا تھا۔ مغربی قوموں نے اپاہجوں اور بڈھوں کی پرورش حال ہی میں اپنی حکومت کے ذمہ لگائی ہے مگر چندر گپت کے زمانہ میں غریب خانے (آشرم) تھے جہاں کنگال لاوارث بڈھے اپاہج سرکاری خرچ سے پرورش پاتے تھے۔ اگر مال مسروقہ پولیس کی کوشش سے برآمد نہ ہوتا تو ہرجانہ سرکار کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ چندر گپت کو رعایا کی بہتری کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس کے لئے وہ انواع و اقسام کی تجاویز اختیار کرتا رہتا تھا۔ ایک نرالا دستور سماج کا تھا جس کی رو سے عوام کی تفریح طبع کے سامان مہیا کئے جاتے، فوجی کرتب اور جنگی کھیل تماشے دکھا کر لوگوں کے اندر جنگجوئی کا حوصلہ پیدا کیا جاتا تھا۔ ناٹک گھر اور اکھاڑے بھی ہر جگہ سرکار کی طرف سے بنے ہوئے تھے جہاں دل بہلاؤ کے واسطے کھیل تماشے دکھائے جاتے تھے۔

بہرحال اگر ایچ جی ویلز کے خیال کی رو سے کسی فاتح تاجدار کے کارناموں کا اس امر سے اندازہ کیا جائے کہ اس نے بنی آدم یا ابنائے ملک کو کیا فائدہ پہونچایا تو چندر گپت اعظم اپنے پوتے اشوک کے سوا تمام دنیا کے تاجداروں کا سرتاج ہے۔ اگر ملک و قوم کی اقبال مندی اور شوکت آسمان پر پہونچانے والا انسان وطن پرست کہلانے کا مستحق ہے تو چندر گپت سب سے بڑا قوم پرست ثابت ہوتا ہے اس نے ملک ہند میں جگہ جگہ دھرتی راج قائم کر کے اتحاد و یگانگت قائم کر دی۔ خانہ جنگیاں موقوف کر کے امن و سکون قائم کیا جس سے ابنائے ملک کی تمدنی ترقی ہوتی ہے۔ بھارت ورش کے مختلف حصوں اور نسلوں کی باہمی مغائرت دور کر کے باہمی موافقت اور یکرنگی پیدا کر دی۔ چندر گپت سے پہلے دنیا کی نگاہوں میں ملک ہند فقط ایک جغرافیائی نام تھا جس کی نسبت بے سرو پا افسانے رائج تھے۔ مگر اس کی بدولت اس ملک کی عظمت و شوکت ساتویں آسمان پر جا پہونچی۔ ملک ہند کے بین الاقوامی تعلقات بہت خوشگوار تھے جس سے تجارت اور صنعت چمک گئی۔ اغیار ملک ہند کو تجارت اور سیاحت اور نیز پولیٹیکل اغراض سے آنے لگے۔ غیر طاقتوں نے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ مارش مین کے بیان کے مطابق چندر گپت اعظم ہی کے زمانے میں ہندوؤں نے جاوا سماٹرا ملایا اور ہند چینی میں بستیاں آباد کی تھیں جو کئی سو برس بعد تمدن کا گہوارہ اور شاندار سلطنتوں کا مبدا و مرجع بن گئیں۔ چندر گپت کو اپنی رعایا کی خوشحالی کا بڑا خیال تھا۔ اس وجہ سے

Marfat.com

نہریں کھدوائیں تاکہ کھیتی ترقی کرے، مسافروں اور سوداگروں اور جاتریوں کی آمد و رفت کے لئے چاروں طرف سڑکیں بنوائیں اور ان کی آسائش کے لئے مسافر خانے اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ نظام حکومت نہایت عمدہ تھا جس سے جان و مال محفوظ تھا۔ رعایا کی تفریح طبع کے لئے سماج جاری کیا۔

چندر گپت نے اپنی ہمت، حکمت، کاردانی، عالی حوصلگی اور قوت بازو سے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی جس کی ثانی سن عیسوی سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے وہ دنیا کے تمام بڑے بڑے فاتح حکمرانوں میں سب سے بڑا شمار ہونے کے قابل ہے۔ نتائج کے اعتبار سے اس کے کارنامے مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی قائم کی ہوئی سلطنت ۱۳۷ برس رہی۔ اگر اس کا پوتا اشوک اس کے نقش قدم پر چلتا تو سلطنت موریہ کی عظمت و شوکت صدہا سال تک رہتی اور ملک ہند کی مابعد کی تاریخ نہایت شاندار ہوتی۔ اشوک کی پالیسی سے ہندو عظمت برباد ہو گئی جس سے پانچ سو برس تک آریہ ورت غیر ملکی حملہ آوروں کا تختۂ مشق اور ہندو حکمرانوں کی خانہ جنگی کا اکھاڑہ بنا رہا حتیٰ کہ سلطنت گپتا کے تاجداروں نے پھر سے ملک ہند کو اغیار سے آزاد کرا کے ہندو حکومتی شوکت بحال کر دی۔

چندر گپت ہر بات میں سکندر اعظم سے بہتر تھا۔ اخلاق میں سکندر چندر گپت کا پاسنگ بھی نہیں۔ ملک گیری میں چندر گپت سکندر سے کئی درجے اعلیٰ جرنیل اور کماندار تھا۔ تدبر میں وہ یکتا تھا۔ سکندر نے ایران کے پرانے حکومتی نظام کو برقرار رکھا جس سے ظاہر ہے کہ وہ ملک داری میں قاصر تھا۔ چندر گپت اعظم کا نظام حکومت زمانۂ حال کے مدبروں کے لئے نمونہ کا کام دیتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ ملک گیری اور ملک داری دونوں میں چندر گپت لاثانی تھا۔

چندر گپت اعظم نے چوبیس سال تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ پھر پرانے دستور کے مطابق تاج اپنے بیٹے بندسار کے حوالہ کر کے تارک الدنیا ہو گیا۔ یہ ۲۹۷ ق م کا واقعہ ہے۔ جینی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ چندر گپت اعظم نے مسلسل سولہ خواب دیکھے تھے جن سے اس کی طبیعت پریشان تھی۔ جوتشی اور دانشمند اس کی دل جمعی نہ کر سکے۔ اتنے میں جینی مہاتما بھدر باہو سوامی پاٹلی پتر میں وارد ہو گئے۔ چندر گپت کے خوابوں کی تعبیر کر کے ان کی دل جمعی کر دی، اس پر وہ ان کا مرید ہو گیا۔ پھر بارہ ہزار جاتریوں کو ساتھ لے کر دکن چلا گیا۔ چندر گری واقع شروان گولہ جسن، ریاست میسور میں جا کر تپسیا کرنے لگا۔ بارہ سال بعد ۲۸۵ ق م میں اسی جگہ جان دی۔ وہاں پر اسکی یاد میں ایک مندر بنایا گیا تھا جسے چندر گپت بستی پکارتے ہیں۔ چندر گپت اعظم لاثانی آدمی تھا جس پر اہل ہند جتنا فخر کریں کم ہے۔ اسکی شرافت اس بات سے ظاہر ہے کہ اس نے ملک ہند کی حدود کے باہر جا کر اندر کوش کو ش کرانیا مام نہ بنایا حالانکہ اسکے پاس سات لاکھ سپاہ تھی جس سے وہ ایران اور مغربی ایشیا فتح کر کے عالمگیر سلطنت قائم کر سکتا تھا۔ مگر اس نے اپنے ہم جنسوں کو دکھ دینا گوارا نہ کیا جس سے اُن کی تہذیب و شرافت نفسی اور نیکدلی ظاہر ہے۔

Marfat.com

اشوک

اکثر شاہی خاندان اپنا اپنا نشان مقرر کرتے ہین۔ یہ نشان عموماً کوئی جانور یا قدرت کی طاقت ہوتا ہی مسلمانون مین ہلال عام طور پر مروج ہے۔ پراچین آریون مین بھی چاند اور سورج شاہی خاندانون کے نشان مقرر تھے۔ اور وہ سورج بنسی اور چندر بنسی کہلاتے ہین۔ موجودہ دولت فرانس عقاب کو روس ریچھ کو گورنمنٹ ہند شیر کو نشان کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ اشوک کو جس خاندان شاہی سے تعلق تھا اسکا نشان مور تھا۔ اور اس لئے اسے موریا خاندان کہتے ہین۔ اِس خاندان کی ابتدا چندر گپت سے ہوئی جس نے بعض علاقے تو ابتدائے سلطنت ہی مین حاصل کئے۔ اور کئی صوبے بعد مین اپنے علاقے مین شامل کئے۔ اشوک چندر گپت کا پوتا تھا۔ چندر گپت کے بیٹے بندوسار نے بھی بہت عرصہ تک حکومت کی لیکن اسکے عہد سلطنت کے متعلق کوئی تواریخی واقعات موجود نہین۔ ممکن ہے اس کی حکومت امن و امان سے گذری ہو۔ اور کسی خاص قسم کی ترقی کے لئے قابل ذکر نہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زمانہ نے اسکا کوئی نشان نہ چھوڑا ہو۔ جو اسکی یادگار رہتا۔

Marfat.com

یونانیون نے جو نام اسکا رکھا ہے وہ اِتر گھات (دشمنون کو مارنیوالا) سے بگڑا ہوا ہے۔ اسکے معنے یا تو یہ ہین کہ اپنے وقت مین ایک حیثیت تک فرمانروا تھا۔ یا یہ کہ جیسے اسوقت بھی ہندوستان کے معمولی راجہ اپنے کو راجۂ راجگان اور مہاراجہ ادھراج کہتے ہین اسیطرح ہمارے پُرانے بزرگ بھی بڑے بڑے اور بیحیثیت تک القاب ناموں کے ساتھ لگا کر دل خوش کرلیا کرتے تھے۔ بہرحال اِسوقت جتنی تحقیقات ہو چکی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ موریا خاندان کا تیسرا راجہ اشوک سارے خاندان کا روشن ستارہ تھا۔ یہی نہین بلکہ مورخ تو اُسے ہندوستان قدیم کے تمام راجون مہاراجون کا سرتاج مانتے ہین اور اُسے دنیا کے معروف چند دتون مین شمار کرتے ہین۔

رامائن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان قدیم کے راجہ اپنے لڑکون کو ملکی کام کی عملی تعلیم دینا ضروری سمجھتے تھے۔ موریا خاندان مین یہ بھی رواج تھا۔ بندوسار کے عہد حکومت مین جو علاقے دار الخلافہ سے زیادہ دور تھے۔ اِن کے انتظام کے لئے شاہزادے والیسرائے کا کام کرتے تھے۔ اشوک کے متعلق یہ امر یقینی ہے کہ اِس نے دو صوبون مین باپ کی زندگی مین نائب السلطنت کی حیثیت سے کام کیا۔ ایک شمالی مغربی صوبے مین اور دوسرے مغربی ہندوستان کے صوبے مین۔ شمالی مغربی صوبے مین پنجاب۔ کشمیر۔ سندھ۔ سارا بلوچستان اور افغانستان کا ایک بڑا حصہ شامل تھا اور اِس صوبے کا دار الخلافہ ٹیکسلا تھا۔ جو شہر راولپنڈی کے قریب واقع تھا بعض محقق کہتے ہین کہ راولپنڈی کے پاس جہان چھوٹا سا گاؤن سرائے کالا اِس وقت تک بستا ہے۔ وہان پُرانا ٹیکسلا آباد تھا۔ ٹیکسلا فقط صوبے کی راجدھانی نہین بلکہ تعلیمی مرکز بھی تھا۔ جیسے اِسوقت تمام پنجاب سے میڈیکل۔ قانونی۔ اور اعلیٰ یونیورسٹی تعلیم کے لئے طالب علم لاہور مین کھنچے چلے آتے ہین۔ ویسے اشوک اور بندوسار کے زمانے مین ٹیکسلا کو تمام علوم وفنون کا گھر جان کر دور دور سے شائقین علم آتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ اس وقت ٹیکسلا کی حیثیت شمال مغربی صوبے مین وہ تھی جو آجکل انگلستان مین آکسفورڈ یا کیمبرج کی ہے۔ کیونکہ ٹیکسلا مین غیر صوبجات سے بھی طالب علم آتے تھے۔ دوسرے مغربی ہند کے صوبے کی راجدھانی اجین مین تھی یہان بھی اشوک نے ویسرائے کی حیثیت سے کام کیا۔ جب بندوسار کی وفات ہوئی

Marfat.com

تو اسوقت اشوک اجین مین تھا۔ وہان سے پاٹلی پتر مین آیا۔ اور تخت پر قبضہ کیا۔ تخت حاصل کرنے کے لئے جو جد وجہد کرنی پڑی اس کے متعلق اتفاق رائے نہین بعض مورخون کا خیال ہے کہ اس جد وجہد مین بہت سا کشت وخون ہوا۔ اور منجملہ اور آدمیون کے اشوک کا بڑا بھائی جو اسوقت ٹیکسلا کا وائسرائے تھا۔ کام آیا۔ بعض کہتے ہین کہ اشوک کے بہت سے بھائی مارے گئے۔ کئی مورخ یہی خیال کرتے ہین۔ کہ تخت تک پہونچنے کے لئے اشوک کو خون کی ندی سے گذرنا نہین پڑا۔ مجھے یہ آخری خیال غلط معلوم ہوتا ہی۔ کیونکہ ہندوستان قدیم مین اور تمام مشرق مین بھی بڑے بھائی کی موجودگی مین چھوٹے بھائی کا بادشاہ ہوجانا کبھی آسان کام نہین ہوا۔ اگر کسی خاص وجہ سے چھوٹا بھائی تخت نشین ہوگیا تو بھی بڑے بھائی کی اولاد اپنے آپ کو تخت وتاج کا جائز وارث سمجھتی رہے۔ مہابھارت کی جنگ کی تہ مین یہی اصول کام کرتا تھا۔ کورو بڑے بھائی کے بیٹے تھے۔ اور پانڈؤن کا باپ ایک خاص سبب سے تخت کا مالک ہوچکا تھا۔ اس لئے اغلب یہ ہے کہ اشوک کی تخت نشینی کے لئے کشت وخون ہوا ہوگا۔ لیکن دوسری طرف یہ بیان بھی باور نہین ہوسکتا۔ کہ اشوک کے سو بھائیون مین سے ۹۹ اس معرکہ مین کام آئے۔

۲۷۲ قبل مسیح مین اشوک تخت پر بیٹھا۔ لیکن تاجپوشی کی رسم اس کے تین چار سال بعد ادا ہوئی۔ تخت نشینی اور تاجپوشی کے وقتون کے درمیان تفاوت کا ہونا غیر معمولی بات نہین۔ ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی حالت مین بھی ایسا ہی وقفہ ہوچکا ہی۔ کتبون مین جو تاریخین لکھی ہین۔ وہ تاجپوشی کی رسم کے سال سے شمار ہوئی ہین۔ تاجپوشی کے بعد نوین سال مین اشوک نے کالنگا پر جو اس وقت خود مختار صوبہ تھا۔ حملہ کیا۔ یہ صوبہ خلیج بنگالہ کی ساحل کے ساتھ ساتھ مہاندی سے گوداوری تک پھیلتا تھا۔ اس مہم مین اشوک کو پوری کامیابی ہوئی اور کالنگا موریہ خاندان کے علاقے مین شامل کیا گیا۔ اس فتح سے اشوک کا علاقہ موجودہ برٹش ہندوستان۔ کشمیر نیپال۔ بلوچستان اور قریبًا تمام افغانستان ہوگیا۔ لیکن کالنگا کی جنگ مین بے حساب کشت وخون ہوا۔ اشوک خود افسوس سے لکھتا ہے۔ کہ اس لڑائی مین ڈیڑھ لاکھ آدمی قید کیئے گئے۔ ایک لاکھ میدان مین کام آئے۔ اور لاکھون قحط وبا اور دیگر

Marfat.com

مصیبتون کے جو ایسی جنگون کا لازمی نتیجہ ہوتی ہین شکار ہوئے۔ اس نظارہ کا اشوک کے دل پر بہت گہرا اور دیرپا اثر ہوا۔

اُس نے محسوس کیا۔ کہ اگر وہ ایک آزاد صوبہ کو آزادی کی برکتون سے محروم کرنے کی کوشش نہ کرتا تو یہ مصیبت خلق خدا پر نہ آتی۔ کالنگا تو موریا خاندان کے ماتحت ہو گیا لیکن اشوک نے اسوقت سے عہد کر لیا۔ کہ آئندہ عمر بھر وہ کسی لڑائی مین پیش دستی نہین کرے گا۔ اور وہ اِس ارادے پر کاربند رہا۔

اُسوقت جو مذہب ہندوستان مین رائج تھے۔ اِن مین بُدھ مذہب بھی ایک تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اُس وقت اِس مذہب کی طاقت کتنی تھی۔ ڈاکٹر ڈیوڈسن کے خیال مین بودھ مذہب اُسوقت ایک زبردست طاقت بن چکا تھا۔ اور غالبًا اشوک نے مصلحت ملکی اسی مین دیکھی۔ کہ وہ اِس مذہب کو قبول کرے۔ اور کئی مورخ اِس سے اتفاق نہین کرتے۔ مثلاً اسمتھ کا خیال ہے۔ کہ بودھ مذہب دوسرے چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقون کی طرح مُلک مین موجود تھا۔ بُدھ مذہب کی طاقت کو اشوک کی مذہبی تبدیلی کا سبب بیان کرنا علت اور معلول کو اُلٹا سمجھنا ہے۔ بُدھ مذہب طاقتور بنا کیونکہ اشوک اِس کے متقدون مین شامل ہو گیا نہ یہ کہ بُدھ مذہب کی طاقت کے سامنے شہنشاہ ہند نے پولٹیکل پالیسی کی وجہ سے سر جھکایا۔ یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ جس سال کالنگا کی مہم ہوئی اسی سال اشوک نے بُدھ مذہب کی طرف توجہ کی۔ یہ ممکن ہے کہ جس بیحساب کشت و خون نے اشوک کو افسردہ خاطر کیا ہو۔ اُسنے بُدھ مذہب کے پیرؤن کو بھی افسردہ خاطر کیا ہو۔ اور ان کے غصہ فرو کرنے اور اپنی طاقت قائم رکھنے کا ایک یہی طریقہ اشوک کو سوجھا ہو۔ اور وہ بُدھ مذہب کا پیرو بن گیا ہو لیکن گمان غالب یہ ہے کہ خود اشوک کے دل پر میدان جنگ کے دردناک نظارون نے اثر کیا۔ اور چونکہ بُدھ مذہب مین اہنسا کا اصول باقی سارے اُصولون سے زیادہ مقدس سمجھا جاتا تھا۔ بُدھ مذہب کے پیرؤن اور پرچارکون نے اس موقع کو غنیمت جانا اور بادشاہ کو اپنے فرقے مین شامل کرنیکی کوشش کی۔ اگر بُدھ مذہب کی طاقت اتنی زبردست تھی۔ کہ اشوک جیسے بادشاہ کے لئے ایک خونریز لڑائی کے بعد مذہب

Marfat.com

کی تبدیلی سے لوگونکو خوش کرنا ضروری ہوگیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہو کہ ایسے وقت مین اسکی رعایا نے ایسی لڑائی کو روکنے کی کوشش کیون نہ کی؟ کیا وہ لوگ ہی تھے جنھون نے خلق خدا کا اتنا خون بہا کر کالنگا کا علاقہ فتح کیا؟ دوسری قسم کی رائے رکھنے والے کہہ سکتے ہین کہ لڑائیان لڑنے والے اور جیتنے والے سپاہی ہوتے ہین نہ کہ عام رعایا۔ اور نیز ایک زبردست گورنمنٹ کم از کم کچھ عرصے کے لئے پبلک رائے کو پائون تلے روند سکتی ہے۔

بہرحال اسی سال اشوک بدھ مذہب کا ایک اپاسک بن گیا۔ دو سال بعد وہ بھکشو بنا اور دو سال اور گذرنے کے بعد باقاعدہ سنگھ مین داخل ہوگیا۔ اسوقت سے لیکر مرتے دم تک اسمین بدھ مذہب کی اشاعت کا جوش بنا رہا۔ ہندوستان کے مختلف حصونمین جو اس کے ماتحت تھے۔ اور دیگر ان حصونمین جو زیر حفاظت ریاستین تھین مشنری بھیجے۔ خودمختار حصونمین بھی پرچارک گئے۔ اور اُس دھرم کی بشارت جسے اشوک ہر جگہ میرا دھرم کہتا ہو۔ لوگون کو دی۔ یہی نہین بلکہ خود اشوک کے کتبون مین ایشیا یورپ اور افریقہ کے بعض ممالک کا ذکر ہے۔ جنمین اشوک کے مشنری گئے۔ اشوک کہتا ہے کہ وہ مشن کامیاب ہوئی۔ ڈاکٹر ڈیوڈسن کا خیال ہے کہ یورپ کے ممالک (یونان وغیرہ) کا نام کام کو بڑا ظاہر کرنے اور دل خوش کرنے کے لیا گیا ہے۔ اصل مین نہ مشن بھیجی گئی نہ کامیاب ہوئی۔ کیونکہ یونانی ایک نہایت ہی متکبر قوم تھے۔ اور تمام غیر یونانیون کو جاہل اور وحشی کہتے تھے۔ یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ کہ اُنھون نے کسی غیر مہذب ایشیائی کے الفاظ سُنے ہون یا اُسے اپنی تعلیم دینے کے قابل سمجھا ہو۔ اسمین شک نہین کہ یونانی اپنے آپ کو ایک لاثانی قوم سمجھتے تھے اور تمام غیر یونانی قومون کو جاہل اور وحشی کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن یہ بھی امر واقع ہے۔ کہ پرانے آریہ لوگ بھی قومی غرور مین اُن سے کم نہ تھے۔ اور غیر آریہ لوگون کو ملیچھ ہی سمجھتے تھے۔ اسلیئے مقابلہ دو برابر کی متکبر قومون کے درمیان تھا۔ علاوہ اِس کے یونانیون نے جو رائے قدیم آریون کے کیریکٹر کے متعلق ظاہر کی ہو اُس سے پتہ لگتا ہو کہ اہل ہند انکی نظرون مین وحشی اور تعلیم دینے کے ناقابل نہین تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مذہب کے معاملے مین تہذیب یافتہ اور غیر تہذیب یافتہ

Marfat.com

کی تیز کچھ بہت معنی نہین رکھتی۔ دُنیا کے بڑے بڑے مذہبی اُستاد دماغی لیاقت مین معمولی تھے۔ لیکن انکا کیریکٹر مقناطیسی اثر کرتا تھا۔ مذہبی فتوحات کے لئے دماغ پر نہین بلکہ دل پر حملہ کیا جاتا ہے۔ یونانی دماغی لیاقت کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن وہ مردہ دل بھی نہین تھے۔ اشوک کے کتبہ کو اس طرح اسکی بیہودہ خود ستائی قرار دینا زبردستی ہے۔

جس طرح اس وقت ایک ایک صوبے کا بشپ ہے۔ اور اس کے ماتحت کئی پادری سرکاری ملازمون کی حیثیت مین کام کرتے ہین۔ ویسا ہی انتظام اشوک نے بھی کیا تھا۔ بدھ مذہب اُس کے عہد مین شاہی مذہب تھا۔ نیپال کے پاس جو ٹیلے ہین۔ انہین سے کچھ برتن نکلے ہین۔ اُن برتنون مین بعض لوگون کی آستیان نکلی ہین۔ اور اُن پر ان لوگون کے نام بھی لکھے ہین۔ مثلاً ایک برتن پر کسب گوت کا نام ہے۔ جسے تمام علاقہ ہمالیہ (نیپال یا تبت) کا پرچارک بتایا گیا ہے۔

ایک کتبہ مین اشوک بیان کرتا ہے[لہ] کہ اپنے دھرم کے پرچار کے لئے اُسنے مفصلہ ذیل وسائل اختیار کئے۔

(ا) ضلعون اور صوبون مین لوگون کی تعلیم کے لئے پرچارک مقرر کئے۔

(ب) مختلف جگہون پر کتبے کندہ کرائے ہین۔ اور دربار مین خاص سکرٹری دھرم پرچار کا انتظام کرنیکے لئے مقرر کئے گئے۔

(ج) سڑکون پر سایہ دار درخت لگوائے گئے۔ اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کنوئین کھُدوائے گئے۔

(د) گرہستیون اور بھکشوؤن کو جو دان دیا جاتا ہے۔ اس کے انتظام کے لئے خاص مشیر مقرر کئے بدھ مذہب اور دیگر مذہبی فرقون کے معاملات کا انتظام کرنے کے لئے بھی خاص مشیر تھے۔

(لہ) ملکہ اور شہزادون کی طرف سے جو خیرات ہوتی تھی۔ اُس کا انتظام کرنیکے لیے بھی مشیر مقرر کئے گئے۔

اِن انتظامات کا ذکر کرتے ہوئے اشوک کہتا ہے۔ کہ اِن سے بڑھکر وہ کام

[لہ] اس بات کے متعلق اتفاق رائے ہے۔ کہ کتبے خود اشوک کے ہین۔ اِنکی عبارت اور مذہبی جوش اس قسم کا ہے۔ جو کسی سکرٹری سے امید نہین کیا جا سکتا۔ بعض جگہ بادشاہ افسوس ظاہر کرتا ہے۔ یا اپنے آپکو ملامت کرتا ہے

یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ ان اخلاقی احکام مین پر ماتما۔ انسانی روح بُدھ اور بُدھ مذہب کے متعلق ایک لفظ تک نہین ہے۔ اور نہ انکی عبارت ہی ایسی ہو جس سے ظاہر ہو۔ کہ کسی خاص تعلیم کی تردید کی گئی ہو۔ یا کسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہو۔ اسکا سبب کیا ہو؟ بعضون کا خیال ہو۔ کہ بُدھ مذہب اِس وقت ملک مین ایک زبردست طاقت بن چکا تھا اور اعتراضات اور مباحثون کا زمانہ گذر چکا تھا مجھے یہ خیال درست نہین معلوم ہوتا۔ یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہین کہ بُدھ کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کوئی نئی تعلیم تھی۔ بُدھ کی تعلیم اِس وقت سے پہلے شاسترون مین موجود تھی۔ اور لوگ اِس سے واقف تھے۔ فقط اِس کے علاوہ اور بعض باتین ہی شامل ہوگئی تھین بُدھ نے زیادہ زور اِس بات پر دیا۔ کہ رسوم ادا کرنے اور جسم کو ایذا پہونچانے (تپ) کی جگھ نیک اعمال اور خود ضبطی دھرم کے ضروری اجزا سمجھنا چاہیئے۔

یگیون مین جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ اِس ظلم کے برخلاف اِس نے اپنی آواز بلند کی۔ بُدھ ہندو مذہب کا دشمن نہین تھا۔ بلکہ ہندو ازم کا ریفارمر تھا ہندو ازم کی عام تعلیم مین سے اپنے بعض باتین چن لین اور ان پر زور دیا۔ اشوک کے اخلاقی احکام مین بُدھ اور بُدھ مذہب کا ذکر نہین۔ کیونکہ یہ اخلاقی احکام ہندوؤن کی پورانی مذہبی کتابون مین بھی موجود تھے۔ اور اشوک کو یقین تھا کہ اسکی اِس تعلیم سے کسی کو اختلاف نہوگا جس شخص نے قدیم آریون کا لٹریچر پڑھا ہے وہ مندرجہ بالا احکام مین سے ہر ایک کو اِس لٹریچر مین دیکھ سکتا ہے۔

اشوک کا بُدھ مذہب

اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کہ اشوک مین ایک پکے مشنری کا جوش تھا۔ اِس جوش کے ساتھ ایک زبردست بادشاہ کی طاقت ملی ہوئی تھی۔ اِس لئے باوجود تحمل اور برداشت کے اصول کے بعض اوقات وہ ناواجب حرکات کر گذرتا تھا۔ بُدھ مذہب مین اہنسا کا اصول بڑا مقدس اصول سمجھا جاتا تھا۔ خود اشوک کے دل پر کشت وخون کے نظارے نے گہرا اثر کیا تھا۔ اِس لئے اہنسا کے پرچار مین اشوک نے ساری طاقت خرچ کی شاہی جلسون مین تو گوشت کی ممانعت ہی تھی۔ عام لوگون کے لئے بھی خاص خاص دنون مین گوشت کا کھانا حکماً بند کیا گیا۔ اگر کوئی شخص اِس حکم کی خلاف ورزی کرتا تو اُسے موت کی سزا بھی دیجاتی تھی۔ موت کی سزا انسانون کو اشوک کے

Marfat.com

سارے عہد حکومت مین ملتی رہی۔

اگرچہ اشوک نے چندر گپت کے قانون مین اتنی تبدیلی کر دی کہ ہر ایک مجرم کو تین دن کی مہلت موت کی تیاری کرنے کے لئے دی جاتی تھی۔ انسانون کا مارنا اتنا معیوب نہین سمجھا جاتا تھا۔ جتنا حیوانون کا مارنا۔ اور یہ فقط اشوک ہی پر منحصر نہین دیگر بادشاہون نے بھی اہنسا کے لئے اتنا کام کیا۔ کہ جُون مارنے کے جرم مین لوگون کو پھانسی دیدی۔

اشوک نے بُدھ مذہب کو ہندوستان کے ایک مذہبی فرقے سے دنیا کا ایک زبردست مذہب بنا دیا۔ لیکن خود ہندوستان مین غالباً بُدھ مذہب کی اشاعت مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہو گئی۔ اشوک نے یہ محسوس نہ کیا کہ جب ایک گورنمنٹ اپنی ساری طاقت ایک مذہب کی اشاعت مین خرچ کرتی ہے۔ تو اس مذہب کی کامیابی آسان نہین ہو جاتی۔ مذہبی تبدیلی دل کی تبدیلی ہو۔ اور دل پر گورنمنٹون کا قابو نہین ہوتا۔ ڈر کے سبب سے اقوال اور اعمال بدل سکتے ہین۔ لیکن ایمان اور عقیدہ نہین بدل سکتا۔ اشوک کے وقت مین بُدھ مذہب کا زور ہو گیا۔ لیکن جب موریہ خاندان کا زوال ہوا وہ زور قائم نہ رہا۔ کیونکہ اس عمارت کی بنیاد دلی اعتقاد پر نہ تھی۔

آج قریباً ویسا ہی نظارہ پھر ہندوستان مین دکھائی دیتا ہو۔ گورنمنٹ ہند عیسائی مذہب کی باقاعدہ اشاعت نہین کرتی۔ لیکن انگلستان کے وزیر اعظم اور کئی مدبر کہہ چکے ہین کہ ہندوستان مین عیسائی مذہب کا پرچار کرنا انکے لئے فرض ہی نہین۔ بلکہ پولیٹکل نگاہ سے ضروری ہو۔ گورنمنٹ کی طرف سے عیسائیونکو خاصی امداد ملتی ہو۔ عیسائی مذہب کے پرچار کے راستے مین بیا ایک بڑی رُکاوٹ ہو۔ اور جو شخص ہند مین عیسائی مذہب کی ترقی کو روکنا اپنا فرض سمجھتے ہین۔ وہ موجودہ حالت کو غنیمت جانتے ہین۔ ایک گاؤن مین ایک مشن سکول کے مقابلے پر دوسرا ہندوؤن کا اسکول کھُلتا ہو۔ امریکن پادری کبھی تو اُنکو دھمکی دیتے ہین کہ انسپکٹر سے سکول منظور نہین ہونے دین گے۔ کبھی ڈراتے ہین کہ صاحب ضلع سے کہکر دوسرے سکول کے بانیون کی ضمانتین کرا دین گے۔ کبھی کسی پولیس کے افسر سے کہہ سُنکر دو چار شخصونکو بُرا بھلا کہلوا دیتے ہین۔ ان ذریعون سے ممکن ہو کہ ہندوؤنکے اسکول کو نقصان پہونچ جائے۔ لیکن یقیناً ان لوگون کو پتہ لگجاتا ہو کہ یہ صاحب کیسے دھرم کے پرچارک ہین۔ عیسائی

مذہب کے لئے اس گرد و نواح مین کوئی گنجائش نہین رہتی۔ تعلیمی مرکزون مین جہان عیسائیون کے کالج ہین۔ اِن لوگون کے متعلق پبلک مین خیال یہ تو ہوتا ہے کہ وہ یونیورسٹی مین با اقتدار ہین لیکن کوئی شخص ان کے دہارمک جیون اور اعلیٰ کیریکٹر کو قابل ذکر نہین سمجھتا۔ مشنری انگریزی حکام کی طرح رہتے ہین۔ اُنکے دوست ہین ان کا رُعب و داب اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرتے ہین۔ اور اس طرح اپنے مشن کی ناکامیابی کا انتظام کرتے ہین۔

اشوک کے اخلاقی احکام جو ادھر دیئے گئے ہین۔ اِن کے بعد اِس کے کیریکٹر کے متعلق کہنے کی ضرورت نہین کیونکہ اشوک خود کہتا ہے۔ کہ سب سے بڑھکر اعلیٰ رعایا پر اسکی اپنی مثال کا اثر ہوتا ہے۔ ایک لڑائی کے بعد اِس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ کے لئے کوئی لڑائی محض علاقہ بڑھانے کے لئے نہین کرے گا۔ اور حالانکہ اتنا زبردست بادشاہ تھا۔ اِس ارادے پر مستقل رہا۔ کام کرنے کی طاقت اُسمین غضب کی تھی۔ اور وہ اِس طاقت کا پورا استعمال کرتا تھا۔ رعایا کی دُنیاوی بہبودی کا ہی اُسے خیال نہ تھا بلکہ روحانی اور اخلاقی بہتری کی فکر کرنا بھی وہ ضروری سمجھتا تھا۔ دوسرون کے مذہبی خیالات کا اُسے پاس تھا آج یوروپ کے بعض بادشاہ اپنی رعایا کے مذہبی اور دنیاوی معاملات مین افسر اعلیٰ ہین۔ لیکن اشوک صاف لفظون مین بادشاہ اور بڑا پادری تھا۔

اِس وقت بھی تمام دُنیا مین بُدھ مذہب پیروان کی تعداد کے لحاظ سے دُنیا کے مذاہب مین اول درجے پر ہے۔ یہ حالت اشوک کی محنتون کا ثمرہ ہے۔ اور اِس پہلو سے دُنیا کے مذہبی خیالات کو تبدیل کرنیوالے متعدد اور برگزیدہ اشخاص کی فہرست خواہ کتنی ہی مختصر ہو مگر اسمین اشوک کا نام ضرور ہوگا۔

دیوان چند

131314

Marfat.com

ٹکسلا[1]

کہتے ہین کہ قدیم زمانے مین شمالی ہند کی ایک وادی پر فضا مین ایک شہر آباد تھا۔ مینو سواد و مبارک بنیاد۔ جسکے اونچے اونچے محل و مینارے آسمان سے باتین کرتے تھے۔ جسکے خوبصورت مندرون و دیوان کے کلس روشنی مین جگمگاتے تھے۔ جسکے بارونق بازارون مین عجب چہل پہل رہتی تھی۔ جسکے عالیشان دار العلوم و خانقاہون کا شہرہ چار دانگ عالم مین پھیلا ہوا تھا۔ اور انکے علوم و فنون کی شعاعین دور دور از ملکون پر اپنا پرتو ڈالتی تھی۔

جس طرف دیکھو اُس شہر مین آسودگی و راحت کے سامان نظر آتے۔ سب باشندے خوش باش و فارغ البال۔ زمین سرسبز و زرخیز۔ اور دھن دولت کی یہ کثرت کہ گویا ہر جگہ دھن برس رہا ہو۔

بھون چار دیش بھو ر بھاری ✤ سکرت میگھ برسین سُکھ باری۔ (تلسی داس)

افسوس کہ انقلاب زمانے نے اس مامن علم و ہنر اس نازش آریا ورت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اب نہ وہ محل ہین۔ نہ وہ درسگاہین۔ ہان انکی جگہ چند کھنڈرات نظر آتے ہین سو وہ بھی مٹی کے تودون کے نیچے دبے پڑے ہین اور دیکھنے والے کے سامنے ایک عجب عبرت انگیز نظارہ پیش کرتے ہین۔

۵

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ ✤ آثار پدید است صنا دید عجم را

یہ ایک ایسا سین ہے جس سے یاد رفتگان تازہ ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے بوسیدہ ہڈیون مین جان پڑ جاتی ہے۔ اور پرانے جاہ و جلال کی جیتی جاگتی تصویرین تخیل کے سامنے پھرنے لگتی ہین۔ اچھا آیئے! اگر شوقِ دید ہے تو اب تھوڑی دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلکر

---

[1] اصل مین نام تکشیلا تھا۔ سنسکرت مین تکشا سلا کے معنی ہین وہ شہر جو پتھرون سے کاٹکر بنایا گیا ہو۔ یونانیون نے بگاڑ کر اسکو ٹکسیلا کر دیا۔

Marfat.com

اسکی سیر کرآیئے۔ پنڈی سے بیس میل آگے ایک اسٹیشن سرائے کالا ہے۔ جسپر گاڑی ٹھہرتی ہے۔ یہان سواری کے لئے تانگے موجود ہین جو اسٹیشن پر ہی ہنین تو قریب کے قریہ سے آسانی کیساتھ ملجاتے ہین۔ سب سے پہلے ہمین سامنے ہی نصف میل کے فاصلہ پر ایک عمارت نظرآتی ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کے متعلق ہے۔ جہان دفتر مین چند بنگالی بابو کام کرتے دکھائی دیتے ہین۔ اور کئی ایک کمرون مین۔ مٹی کے نمونے۔ مورتین و دیگر اشیا رکھی ہوئی ہین۔ جنکی بنگالی صناع و کاریگر نقل اتارتے یا مرمت کرتے ہین۔ قریب ہی اس محکمہ کے افسر اعلی سرجان مارشل کا بنگلہ ہے۔ جہان وہ عموماً موسم سرما مین فروکش رہتے ہین۔ اور بذات خود کھدائی وغیرہ کے کام کی نگرانی کرتے ہین۔ اسی احاطہ مین ایک چھوٹی سی عمارت ہے جسے عجائب گھر بنایا گیا ہے۔ اسمین وہ بہت سی نادر و نایاب چیزین ہین جو مندرون مین یا زمین کے اندر دفن تھین۔ اور اب نکالکر ایک جگہ جمع کی گئی ہین۔ اُنکو ہم آگے چلکے بیان کرین گے۔ ہمارا رہنما مصر ہے کہ اگر ایک ہی دن مین سب کچھ دیکھنا ہے تو اولاً سب سے بعید مقام سے سیر شروع کیجئے۔ اسلئے ہم پاس حاصل کرکے فوراً روانہ ہو جاتے ہین۔

جس سڑک پر ہم جا رہے ہین وہ صرف تھوڑی ہی دور تک پختہ ہے۔ آگے کچی اور ناہموار ہوگئی ہے۔ مگر مرمت و تعمیر کا کام جاری ہے۔ اور ایک موٹر کار یا گھوڑے کی گاڑی باآسانی سفر کرسکتی ہے۔ اب ذرا نظر اُٹھاکر دیکھئے تو ایک عجیب دلکش منظر سامنے ہے۔ شمال و مشرق مین ہزارا کی برفستانی چوٹیان ہین تو جنوب و مغرب مین مرگلا کی پہاڑیان ایک قدرتی فصیل بنی ہوئی کھڑی ہین اور دریائے ہارو اور اُسکی معاون ندیان اُس وادی کو جو ان پہاڑون کے آغوش مین ہے سیراب کر رہی ہین۔ ہر طرف ہرا بھرا سبزہ۔ گھنے گھنے درخت اور کھیت نظرآرہے ہین جنمین کسان ہل جوت رہے ہین۔ اور اپنی حالت مین مست خوشی و مسرت کے ترانے گا رہے ہین۔ دور سے وہ درّہ نظرآرہا ہے جہان سے پرانے زمانے مین ایک شاہراہ نکل کر جاتی تھی اور جس سے ہندوستان و وسط ایشیا کے مابین تجارت و آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سے نزدیک تین چار میل کے حلقہ مین وہ کھنڈرات نظرآتے ہین۔ جنکے دید کی کشش ہمین یہان تک لائی ہے۔

ٹکسلا کے آثار تین مختلف مقامون مین ہین اور عدا عدا نامون سے پکارے جاتے ہین۔ جنوب مین یعنے اسٹیشن سے قریب چند ٹیلے ہین جہان کھدائی کا کام حال ہی مین شروع ہوا ہے۔

Marfat.com

انکو بھیر کہتے ہین۔ یہان شہر سب سے پہلے آباد ہوا تھا۔ دوسری جگہہ جہان بعدہٗ اُسکی بنیاد پڑی ہے، بوہ تھوڑی دور سمت شمال واقع ہے۔ اور سرسکپ کے نام سے مشہور ہے۔ اور بلحاظ اسکے کہ اسمین کھدائی کا کام بڑے جوش وسرگرمی کے ساتھ ہوا ہے۔ اور بکثرت آثار ظہور مین آئے ہین سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ تیسرے کا نام سرسکھ ہی جو اُحرالذکر کے آگے شمال ومشرق کی طرف نظر آتا ہے۔ اُسمین آجکل تین گانوٗن آباد ہین اور زمین بھی جوتی بوئی جاتی ہے جسکی وجہ سے تحقیق وتفتیش کا کام مجبوراً نہایت محدود ہوگیا ہے۔ ان ہرسہ مقامات کے علاوہ گرد ونواح مین میلون تک کھنڈرات ہی کھنڈرات ہین۔ جنمین زیادہ تر بدھون کے ٹوپ [نوٹ (۱)] وخانقاہین ہین اور یون تو انمین سے کوئی بھی دلچسپی سے خالی نہین لیکن حقیقت مین قابل دید صرف چار پانچ ہین۔ دھرم راجک ٹوپ۔ کنال ٹوپ۔ موہرا مرادو۔ جنڈیال اور۔ جالیان۔ ہم ان کا یکے بعد دیگرے ذکر کرین گے۔ مگر پہلے ٹکسلا کی تاریخ کو تو ایک سرسری نظر سے دیکھ جائین

اِس شہر کے متعلق جسقدر واقعات ابھی تک معلوم ہوئے ہین وہ عموماً یونانی یا چینی مصنفین کی کتابون سے اخذ کئے گئے ہین۔ اور کتبات وسکون سے بھی بڑی مدد ملی ہے۔ ان سب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکی قدامت مہابھارت کے زمانے سے بھی پہلے کی ہے۔ اور پانچوین صدی قبل از مسیح مین کیانی اُسپر حملہ آور ہوئے تھے۔ اُنھون نے فتح کرکے اُسے اپنی سلطنت مین شامل کرلیا تھا۔ چنانچہ داراے اعظم کے جو کتبات اُسکے مقبرہ پر ایران مین بمقام نقش رستم کندہ ہین اُنمین مذکور ہے کہ یہ صوبہ تمام ممالک محروسہ مین سب سے زیادہ زرخیز وآباد تھا۔ بدھون کی مذہبی کتابون مین بھی جگہ جگہ منقول ہے کہ ٹکسلا مین اُسی زمانے مین کئی ایک دار العلوم تھے جنکے علوم وفنون کی شہرت دور دراز ملکون تک پھیلی ہوئی تھی۔

یہی حالت کئی صدیون تک رہی حتّٰی کہ سکندر اعظم کا زمانہ آیا اور وہ اپنے فتوحات کے ڈنکے

نوٹ (۱) اس لفظ کو ستوپ کہنا چاہیے جس سے دراصل مراد تودہائے قبر العبدین۔ لیکن بدھون مین اسکا اطلاق ہر ایسی عمارت پر عام ہوتا ہی جسکے اندر گوتم بدھ یا کسی مہمؔنی یا رشی کے آثار وتبرکات محفوظ رکھے گئے ہون۔ یا وہان کوئی متبرک مقام موجود ہو جسکی یادگار کیلئے اسے بنایا جاوے۔ ٹوپ کو بنانا بڑا مقدس کام سمجھا جاتا تھا اور باعث نجات خیال کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

بچاتا ہوا پہاڑون و دریاؤن کو پار کرتا ہوا پنجاب تک آپہونچا۔ اور ۳۲۶ ق۔م مین ٹکسلا نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ سکندر کئی ہفتون تک یہان مقیم رہکر پورس پر حملہ کرنے کی تیاریان کرتا رہا اُس زمانہ کے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شہر نہایت آباد و دولتمند ہے اور اُسکی حکومت جو جہلم و انڈس تک پھیلی ہوئی ہے بہت عمدہ اُصولون پر مبنی ہے۔ انھون نے تہذیب و تمدن کا اُسے مرکز بتایا ہے۔ اور بعض رسومات کا جو لوگون مین جاری تھین ذکر کیا ہے مثلاً کثیر الازواجی۔ ستی۔ بردہ فروشی اور مُردون کی لاشون کو گِدّون وغیرہ کے سامنے پھینک دینا جیسا کہ آجکل بھی پارسیون مین عام طور سے دستور ہے۔

یہان کا راجہ آمبھی پورس۔ اور اپنے آس پاس کے دیگر راجاؤن سے سخت دشمنی و عناد رکھتا تھا۔ اسلیے جب اُسنے سکندر کے آمد آمد کی خبر سنی تو اپنے ایلچی اُسکے پاس روانہ کیے اور امداد کا طلبگار رہا۔ اور حلیفانہ حیثیت سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنی راج دھانی مین اُسے مدعو کیا۔ اور بعدہٗ جب وہ مہم پر روانہ ہوا تو پانچ ہزار پیادون و سوارون کا ایک لشکر بھی اُسکے ساتھ کر دیا۔ ان تمام خدمات کے صلہ مین سکندر نے نہ صرف اسکو اپنے ہی ملک پر بحال رکھا بلکہ اپنے چند دیگر مفتوحہ اضلاع بھی بخشدیے۔

سکندر کی وفات کے چھ برس بعد جب اسکے جانشینون مین فساد برپا ہوا تو مگدھ کے راجہ چندر گپت نے موقع پاکر تمام یونانیون کو انڈس کے پار بھگا دیا۔ اور ٹکسلا کو بھی فتح کر کے اپنے ملک مین شامل کر لیا۔ جسپر ایک یونانی جرنل سِلوکس نے بہت کوشش کی کہ پھر واپس ملجائے لیکن اُسکو ہزیمت و شکست نصیب ہوئی اور ہندوکش تک تمام ممالک پر مگدھ کا پرچم لہرانے لگا۔ چندر گپت کے لڑکے بندوسار کے زمانے مین ٹکسلا نے چاہا کہ خود مختار بن بیٹھے لیکن اُسکی بدقسمتی سے اُن دنون مگدھ کے طرف سے ایک نہایت قابل شخص حکمران تھا۔ یعنی راجہ اسوک جس نے اس بغاوت کو فوراً فرو کر دیا۔ اور ایک عرصہ تک نہایت حسن و خوبی کے ساتھ نظامِ سلطنت کو قائم رکھا۔

Marfat.com

اسوک کے زمانہ مین بدھ مذہب کو بڑا فروغ حاصل ہوا - مگر اُسکے مرتے ہی سلطنت مگدھ کے جب حصے بخرے ہونے لگے تو ٹکسلا کو بھی اچھا موقعہ ہاتھ آیا اور خودمختاری کا اعلان کرکے الگ تھلگ ہوگیا - لیکن اُسے یہ خبر نہ تھی کہ ایسی حالت مین نئے حملہ آورون کا شکار بنجائے گا - یہ لوگ بکٹریا کے رہنے والے جہان سکندر اعظم نے نو آبادیان قائم کی تھین اور یونانی النسل سے تھے - انکا فاتح اول ڈمیٹرس تھا جو انطیاکس اعظم کا داماد تھا - وہ یلغار کرتا ہوا پنجاب وسندھ کی طرف آیا اور ان ممالک کو فتح کرکے حاکم بن بیٹھا - مگر تیس برس بعد اُسکا ایک رقیب یوکرٹیائڈیز نامی پیدا ہوا جسنے نہ صرف بکٹریا بلکہ تمام ہندوستانی مقبوضات بھی اُس سے چھین لئے - بعدہٗ انھین دونون فاتحون کی اولادون مین ہمیشہ ٹکسلا پر لڑائی جھگڑے ہوتے رہے - حتیٰ کہ یونانیون کی حکومت کو اب ایک صدی سے زیادہ گذر گئی تھی کہ نواحِ مغرب یعنی سیستان کی طرف سے ایک وحشی قوم کی یورش ہوئی جنھین سیتھینس یا سکاٹس کہتے تھے - انھون نے پنجاب کے ساتھ ٹکسلا کو بھی فتح کرکے اپنی سلطنت مین شامل کرلیا - اِنھین مین سے ایک بادشاہ ہوا ہے - جسکا نام عزلیش اول تھا - اسکی فتوحات دریائے جمنا کے کنارے تک پہونچ گئی تھین - اور مختلف صوبون پر اسنے ایرانیون کی طرح اپنے سترپ یا گورنر قائم کئے تھے - اِسکا حسن انتظام عدل گستری و رعایا پروری مشہور تھی - اور اُسکے زمانہ مین ملک مین ہر طرف چین و خوشحالی نظر آتی تھی - مگر جانشین اسکے بھی نالائق و کمزور ثابت ہوئے اور پارتھیا کے بادشاہ گونڈوفرنس کو موقعہ ہاتھ آیا کہ انپر حملہ کرکے اُسنے تمام سلطنت چھین لی - یہ بڑا زبردست حکمران تھا مگر اُسکے بھی مرتے ہی وہی حال ہوا یعنی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا - اور تمام ملک چھوٹے چھوٹے حصون مین منقسم ہوگیا - یہی وہ زمانہ تھا یعنی سنہ ۴۴ء جب فیرونیز ٹکسلا پر خودمختار بنا بیٹھا تھا کہ اپولونیس ایک یونانی سیاح سفر کرتا ہوا یہان آنکلا - وہ اولاً شہر پناہ کے باہر مسکن گزین ہوا - اور وہان ایک نہایت خوبصورت مندر کو دیکھکر جس سے شاید جنڈیل کا بتکدہ مراد ہے حیران و ششدر رہگیا - اور بالتفصیل اپنی کتاب مین اسکا ذکر کرتا ہے - اُن دنون شہر بمقام سرکپ آباد تھا - اُسکے متعلق وہ لکھتا ہے

Marfat.com

کہ اپنی عظمت و شان میں نینوا سے کچھ کم نہیں اور اپنی استحکامات اور باقاعدہ موجودہ بندیوں کے لحاظ سے یونانی شہروں پر بھی سبقت لے گیا ہے۔ بازار آراستہ و بارونق ہیں مگر شہر کیمن اتھنس کی طرح پیچدار و تنگ و تاریک ہیں۔ اور مکانات عجیب قطع کے ہیں کہ باہر سے یک منزلہ نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں دو منزلہ ہیں۔ عبادت گاہیں و مندر بھی بکثرت ہیں۔ خاص کر ایک جو سورج کے نام سے منسوب ہے نہایت شاندار ہے۔ لیکن شاہی محلات بابل کے مقابلہ میں نظر میں نہیں جچتے۔

خاندان پارتھیا کے زوال کے بعد کوشان کا دور حکومت شروع ہوا۔ یہ لوگ چین کے شمالی و مغربی اطراف سے نکلکر تمام ملکوں کو فتح کرتے ہوئے تھوڑے ہی دنوں میں ٹکسلا اور اسکے گرد و نواح پر قابض ہو گئے۔ انمیں سب سے زیادہ زبردست حکمران کنشک، ہوشک اور واسدیو ہوئے ہیں۔ کنشک کے دو پائے تخت تھے ٹکسلا اور پرشاپور (پشاور) آخرالذکر موسم سرما کے لئے مخصوص تھا۔ اس بادشاہ کی فتوحات ایشیائے وسطی سے لیکر بنگال تک پہنچ گئی تھیں۔ اسکے جانشین بھی ایسے ہی جری و نامآور ہوئے۔ لیکن واسدیو کے مرنے کے بعد تیسری صدی عیسوی میں انحطاط شروع ہو گیا۔ اور پانچویں صدی تک سلطنت باقتدار کمزور ہو گئی کہ سفید ہنس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکی جنہوں نے یکایک حملہ کر کے ہمیشہ کے لئے اسکا چراغ گل کر دیا۔

چوتھی صدی عیسوی میں فاہین نامی ایک چینی سیاح زیارت و تبرک کی غرض سے ٹکسلا آیا اسنے لکھا ہے کہ اس زمانے تک بودھوں کی عبادت گاہیں شمالی و مغربی ہند میں خوب آباد و بارونق تھیں۔ لیکن پانچویں صدی میں انکی بربادی و تباہی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کیونکہ سفید ہنس جو ایک نہایت جنگلی و وحشی قوم تھی ایک سرے سے دوسرے سرے تک قتل و غارت کرتے۔ آگ لگاتے اور شہروں کو مسمار کرتے بڑھتے چلے گئے۔ اور نہ صرف انہوں نے کوشان ہی کا تخت الٹ دیا بلکہ گپتوں کی عظیم الشان سلطنت کو بھی برباد کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد ٹکسلا کو پھر دوبارہ عروج نصیب نہ ہوا چنانچہ جب ہیوان تھسنگ ایک دوسرا چینی سیاح ساتویں صدی میں اسکے قریب سے گذرا ہے تو وہ کشمیر کا

ایک ادنیٰ سا صوبہ تھا جسکے اکثر مندر و خانقاہین برباد ہو چکی تھین اور جسمین صرف چند بزدل و عیش پسند امرا باقی رہ گئے تھے جو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے و فساد مین مبتلا رہا کرتے تھے۔

اِس داستان کو اب صدیان گذر گیئن اور اس اثنا مین نئی نئی فاتح اور نئی نئی جنگجو قومین کنشک کے راج دھانی کے قریب سے گذری ہونگی لیکن کسی کو خبر تک نہ ہوئی اور نہ اُسکا پتہ و نشان ملا۔ نئی نئی بستیان اُجڑی بھی اور پھر آباد بھی ہوئین لیکن کسی کو ٹکسلا کی یاد تک نہ آئی۔ پھر دھرتی ماتا نے ناقدردن اور غارتگرون کی نگاہ بد سے بچانے کے لئے پامپیائی کی طرح اُسکی بھی خوبصورت عمارات مٹی کے بڑے بڑے ڈھیرون کے نیچے دبا دین اور اُس وقت تک کے لئے انھین سپرد خاک کر دیا جب ایسے لوگ پیدا ہونگے جنکے دل مین درد ہوگا۔ اور بزرگون کی نشانیان سمجھنے کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہونگے۔ شکر ہے کہ عصر جدید نے اس شرط کے ایفا کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور ٹکسلا کے راز ہائے سربستہ کو آہستہ آہستہ کھولنا شروع کیا ہے۔ ہم اور آپ بھی انھین کے تماشے کو نکلے تھے مگر تھوڑی دیر کے لئے بھٹک گئے۔ اسلئے چلئے پھر اپنی سیر کی طرف متوجہ ہون اور اُسی راہ پر ہولین جسپر پہلے جا رہے تھے۔

جالیسان سڑک کے اِدھر اُدھر لکڑی کے تختے نظر آ رہے ہین جنپر مقامات کے نام لکھے ہوئے جنھیون کی رہنمائی کر رہے ہین۔ اِنکو ہم واپسی کے وقت دیکھینگے کیونکہ وقت تنگ ہے اور سب سے زیادہ دور کے آثار کو جنکی اسقدر تعریف سنی ہے دیکھ لینا قرین مصلحت سمجھا گیا ہے۔ بہرحال گھنٹہ بھر کی مسافت کے بعد ہم ایک پہاڑی کے نیچے پہونچے جو نہایت سرسبز و شاداب ہے اور جسپر بدھون کے زمانہ کی چند عمارات موجود ہین جنھین جالیان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس پہاڑی پر چڑھنے کے بعد قریبًا تین سو فٹ کی اونچائی پر ایک ٹوٹا ہوا در دکھائی دیا جس سے ہو کر ایک صحن کے اندر داخل ہوئے اور اُسکے چارون طرف متعدد کوٹھریان دیکھین جو بتون کے رکھنے کے لئے بنائی گئی ہونگی۔ ایک سمت پانچ ٹوپ نظر آئے جنکے گنبد اور ڈھولنے ٹوٹے ہوئے ہین مگر چبوترے ابتک قائم ہین۔ انپر اُبھری ہوئی شبیہین و نقش و نگار بنے ہین اور قریب ہی بہت سے طاقون مین بدھ اور بدھستو کی مورتین نصب ہین

---

۵۱ POMPEII روما کا ایک شہر جو کوہ آتشفشان وسو ویس سے برباد ہوگیا تھا۔

۵۲ BODHISTTVA اسکے معنی یہ ہین وہ شخص جسکا مقصد زندگی تلقین و اصلاح عوام الناس ہو۔ چنانچہ گوتما بھی اپنی پچھلی زندگی اور زمانہ حیات تک یہی رہا گر مرنے کے بعد بدھ ہوگیا۔ اس مذہب کے بزرگون کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ علاوہ گوتما کے اور بہت سے بدھستو بھی گذرے ہین۔ جنمین سے بعض انسان تھے اور بعض دیوتا اور نیز آخری بدھستو ابھی آنے والا ہے۔

جنکے پاس خدّام دست لبستہ کھڑے ہین۔ اور طرح طرح کی عجیب شکلون کے ہاتھی و شیر بھی قطار در قطار نظر آتے ہین۔ انھین مین سے ایک ٹوپ پر خروشتھی[1] زبان مین مورتون کے نام کندہ ہین

اب تین چار سیڑھیان چڑھنے کے بعد ایک صحن ملتا ہے جو بہت ہی کشادہ ہے۔ اِس کے بیچ مین ایک بڑا سا ٹوپ ہے جسکے قریب ہی بُدھ کا ایک بہت بڑا بُت بیٹھا ہوا ہے اور اسکے ناف مین ایک گول سا سوراخ ہے جسمین اُنگلی رکھکر لوگ منتین و مرادین مانگا کرتے تھے۔

بڑے ٹوپ کے اِردگرد بہت سے چھوٹے چھوٹے اور مُنڈے ٹوپ جنکے گنبد نذارد ہو کر صرف بیل بانے رہ گئے۔ بالترتیب بنے ہوئے ہین۔ اِنکی شناخت کی آسانی کے لئے حال ہی مین نمبر ڈالے گئے ہین۔ چنانچہ گیارھوین نمبر کا ٹوپ قابل دید ہے۔ کیونکہ اُسکے اندر سے ایک چار فٹ اونچا اور نہایت بیش بہا و خوشنما ٹوپ جسکے گنبد مین نیلم۔ پکھراج و یاقوت وغیرہ جڑے ہوئے تھے برآمد ہوا تھا۔ اِسے جب کھولا گیا تو ایک گہرا سا سوراخ نظر آیا جسکے نیچے ایک چھوٹے سے ظروف کے اندر چند تبرکات بڑی حفاظت سے رکھے ہوئے نکلے۔

اب ہم اُتر کر دوبارہ نیچے کے صحن مین پہونچے، اور خانقاہ کے اندر جو جانب مشرق واقع ہے داخل ہوئے۔ مگر دہلیز کے پاس ہی ایک چھوٹا سا حجرہ جسپر ایک آہنی دروازہ لگا ہے نظر آیا اور ہم ٹھٹک کر رہ گئے۔ اِسے ایک مندر سمجھنا چاہئے۔ جسکے اندر چند نہایت ہی خوبصورت مورتین دکھائی دیتی ہین اِسمین سے بیچ والی بُدھ کی مورت ہے جو آنکھین بند کئے ہاتھ پر ہاتھ رکھے عجیب حالتِ استغراق مین بیٹھی ہے۔ دائین بائین ایک ایک مورت استادہ ہے۔ اور پیچھے دو خادم کھڑے ہین۔ ایک کے ہاتھ مین چنوری ہے۔ اور دوسرا جو کوئی دیوتا ہے اپنے دستِ چپ مین کسی چیز کو لئے ہے۔ جس سے شاید صاعقہ یا رعد مراد ہے۔ اِن مورتون کے خط و خال اور لباس اس خوبی کے ساتھ تراشے گئے ہین اور طرز و انداز ایسی بزرگی و وقار و متانت کا دکھایا ہے کہ واقعی کمال کر دیا ہے اور اپنی صناعی و دستکاری سے ایک معمولی سے پتھر مین جان ڈالدی ہے۔

خانقاہ کا صحن کشادہ اور چوکور ہے۔ اسکے بیچ کا حصہ ڈھلوان اور نشیب مین واقع ہے۔

---

[1] KHAROSTHI یہ خطارمی زبان سے مشتق تھا اور شمال مغربی ہند مین ۳۰۰ ق۔م سے لیکر ۵۰۰ء تک جاری رہا۔

Marfat.com

جسکے قریب ہی ایک غسلخانہ بنا ہوا ہے۔صحن کے چارون طرف راہبون کے رہنے کیلئے حجرے بنے ہین جنمین چراغ رکھنے کو ایک چھوٹا سا طاقچہ اور ہوا کے آمدورفت کے لئے ایک ایک کھڑکی لگی ہے۔ انمین سے ایک حجرہ ایسا ہے جسکے اندر سے چھت پر چڑھنے کو سیڑھیان گئی ہین۔ اور ایک دوسرا حجرہ بھی ہے جو اورون سے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید مجلس گاہ کا کام دیتا ہو یا کسی خاص پوجا پاٹ کے لئے مخصوص ہو۔ حجرون کے باہر بڑے بڑے طاق نظر آتے ہین جنمین بت رکھے ہوئے ہین اور لکڑی کے دروازے حال ہی مین انکے سامنے حفاظت کی غرض سے لگا دیئے گئے ہین۔

مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ عمارات بہت اچھی حالت مین ہین مگر اب تک جگہ جگہ دیوارون و فرشون پر جلی ہوئی لکڑیون و پتھرون کے نشان نظر آتے ہین جنسے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ مین سفید ہنون کی آتش زدگی سے یہ بھی محفوظ نہ رہ سکین تھین۔

مُحرا مُرادو جالیان کو دیکھنے کے بعد ہم جس سڑک سے آئے تھے اسی پر واپس چلے اور قریب میل بھر کے مسافت طے کرکے ایک چھوٹی سی گھاٹی مین پہونچے جو دو پہاڑیون کے بیچ مین ایک پیالے کی طرح نظر آتی تھی۔ اور رنگ برنگے پھولون سر سبز درختون اور زیتون و سوناتھ کے خود رو پودون سے لدی ہوئی تھی۔ اسی پُر فضا مقام کو پسند کرکے بدھ معمارون نے اسپر ایک عالیشان چبوترہ بنایا تھا۔ اور ایک ٹوپ و دھرم شالے کی بنیاد ڈالی تھی۔ ٹوپ تو افسوس لٹیرون کے دست برد سے نہ بچ سکا اور اوپر سے ٹوٹ کر اب آدھا رہ گیا ہے مگر باقیماندہ عمارت مٹی کے نیچے دبی ہوئی رہنے سے اچھی خاصی حالت مین باقی رہ گئی ہے اور اُسکے بت بھی اکثر صحیح و سالم پائے گئے چنانچہ تمام ستون بدھ و بدھستو کی چھوٹی بڑی و بیٹھی یا کھڑی مورتون سے بھرے ہوئے ہین۔ یہ پتھر پر نہین کھودی گئی ہین بلکہ کسی چونے یا گچ کے مصالحہ سے اُبھار کر بنائی گئی ہین جو ایسا مضبوط ہے کہ ابھی تک ٹوٹنے کا نام نہین لیتا۔ ان مورتون مین بھی وہی صناعی و صفت ہی جسکا ذکر ہمنے جالیان کے ضمن مین کیا ہے۔ یعنی ظاہری موزونیت کے ساتھ باطنی جذبات کا بھی اظہار ہے اور قدرتی سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہین جانے دیا ہے۔ مثلاً جو شکلین اُڑ رہی ہین وہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بادلون کو چیر کر باہر نکل آئی ہین۔ جو لباس زیب تن ہین انکے موڑ۔ پیچ اور شکنین عیان ہین

Marfat.com

اور انکی نفاست و باریکی اس خوبی کے ساتھ دکھائی ہے کہ ڈھکے ہوئے اعضاء کا عکس صاف طور سے جھلک رہا ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ بدھون کی اس سنگ تراشی کو دیکھکر یونانیون کا فن بھی جسکی یورپ مین اسقدر شہرت ہے پھیکا نظر آنے لگتا ہے۔ ابھی حال ہی مین بدھستو گوتم کا ایک بڑا سا بُت یہان سے برآمد ہوا تھا اُسی کو دیکھئے و مقابلہ کیجئے تمام ماہرین فن یکزبان ہین کہ واقعی اسکی نظیر نہین ملسکتی اور گندھارا صناعی کا ایک بیمثل نمونہ ہے

مہرا مرادو کی خانقاہ بھی بالکل جالیان کی طرح ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ بجائے ایک کے متعدد بڑے بڑے کمرے ہین جو شاید راہبون کے مجالس یا باہمی عبادت کے لئے مخصوص ہین اور صحن کی مرکزی حوض کے آس پاس بہت سی پتھر کی سلین نظر آتی ہین جنپر قیاساً کسی زمانہ مین ستون ہونگے۔ اور لکڑی کا ایک برآمدہ استادہ ہوگا جس سے مینھ کا پانی حوض کے اندر گر کر نالی مین جاتا ہوگا اور حجرون کے سامنے سایہ بھی برابر رہتا ہوگا۔ یہ حجرے بھی جالیان کی طرح چھوٹے چھوٹے اور صرف ایک ہی شخص کے رہنے کے لئے موزون ہین۔ اِنکی دیوارون پر چونے کی پتائی ہوگی اور کوئی نقش و نگار ہوگا مگر انکے بیرونی رُخ پر اسکے نشان معلوم ہوتے ہین اور دروازہ کے قریب بھی بدھ کا ایک ایک بڑا بُت رکھا ہوگا۔ اور برآمدہ کے طاقون پر بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی مورتین ہونگی جنمین سے چند آجکل بھی موجود ہین۔

انھین مین سے ایک حجرہ کے اندر سے وہ عجیب و غریب ٹوپ نکلا ہے جسکی اونچائی بارہ فٹ ہی اور نیچے سے لیکر اوپر تک مختلف درجون مین منقسم ہے جنپر بدھ اور ہاتھیون کی بکثرت مورتین چونے و گچ سے بنائی گئی ہین۔

اِن عمارات کے اندر سے علاوہ اور چیزون کے ہوشک و واسدیو کے رائج کے سکّے بھی دستیاب ہوئے ہین۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُنکی مختلف زمانون مین کئی بار ترمیم و تجدید ہوئی ہوگی۔

سرسکھ مہرا مرادو کی سیر کرکے ہم اُسی سڑک پر پھر ہو لئے۔ اور تھوڑی دیر مین سرسکھ کے قریب پہونچ گئے۔ یہ مقام ٹکسلا کی سب سے نئی بستی ہے اور اغلباً مہاراجہ کنشک کے زمانہ مین آباد ہوئی تھی۔ ابھی تک کندن کے کام مین یہان زیادہ کامیابی نہین ہوئی ہے۔ کیونکہ علاوہ تین قرنون کے

Marfat.com

جہان دیہاتیون کی جھونپڑیان ہین۔ یہ پیرون وفقیرون کی بہت سی قبرین ہین جنھین کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا اور باقیماندہ زمین پر کاشتکاری وآبپاشی ہوتی ہے۔ اسلئے تمام آثار بڑی گہرائی مین مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین اور انکا پتہ لگانا بہت مشکل ہوگیا ہے تاہم کچھ نہ کچھ کیا گیا ہے۔ اور ایک جگہ سے ایک عمارت برآمد ہوئی ہے جسکے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ شاید شاہی محل کا کوئی حصہ ہوگی۔ علاوہ برین شہرپناہ کا نقشہ سمجھنے کے جسکا صرف مشرقی ہی حصہ کسیقدر سالم ہے۔ کوشش کی گئی ہے اور معلوم کیا ہے کہ اسکی شکل متوازی الاضلاع ہوگی۔ لمبائی تین میل کے قریب اور دبازت ۱۸ فٹ سے کچھ زیادہ ہی نکلے گی۔ فصیل کے اوپر نوے فٹ کے فاصلہ سے ہلالی شکل کی برجیان نصب تھین جنکے نشان کہین کہین اب بھی نظر آتے ہین۔ یہ برجیان دومنزلہ ہونگی۔ اور انپر چڑھنے کے لئے دیوار ہی کے اندر سے ایک تنگ وتار زینہ جاتا ہوگا۔ انھین اور فصیلون مین جابجا سوراخ بنے ہوئے ہین۔ اور مدافعت وقلعہ بندی کے اصولون کو پورے طور سے مدنظر رکھا گیا ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین جنگی فن تعمیر کو اچھی خاصی ترقی حاصل ہوگئی تھی۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس شہر کی بنیاد بخلاف سرکپ کے ایک کھلے ہوئے میدان مین ڈالی گئی جہان پہاڑیان نہ ہونے سے قدرتی حفاظت کے ذرایع بہت کم ہین۔

جنڈیال یہ معبد یہان سے میل بھر پیچھے ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اسکا طرز عمارت بالکل انوکھا وعجیب ہے اور زمانہ قدیم کے یونانی مندرون سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بجائے چوگردہ ستونون کے ایک اونچی سی دیوار چارون طرف گھیر دی ہے۔ اور اسمین تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چوڑی چوڑی کھڑکیان بنادی ہین۔ لیکن سامنے والے داخلی دروازہ کے قریب دو ستون موجود ہین اور انکے مقابل دہلیز کے دوسرے جانب بھی ایسی دو نظر آتے ہین جنکے پیچھے ایک ڈیوڑھی ہے جہان سے ایک چھت دار رستہ خاص عبادت گاہ کے حجرہ تک جاتا ہے۔ اب اسکے پیچھے دیکھئے تو ایک بہت موٹی سی ٹھوس دیوار حائل ہے اور چونکہ اسکی نیو بہ نسبت دیگر حصہ مکان کے زیادہ گہری رکھی گئی ہے اسلئے گمان اغلب ہے کہ گذشتہ زمانے مین کوئی اونچا سا مینارہ اسپر نصب ہوگا۔ اور اس مینارہ پر چڑھنے کے لئے دیوار کے پشت ہی کی جانب سے سیڑھیان لے گئے ہون گے۔ کیونکہ اسجگہ دو تین اب بھی ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہین۔ اس معبد کی تعمیر مین زیادہ تر چونے و کنکر سے کام لیا گیا ہے

Marfat.com

اور دیواروں پر ایسا مضبوط پلاستر جما کر لگایا ہے کہ اب بھی کہیں کہیں اُسکے نشان باقی ہیں - لکڑی کا استعمال خصوصاً دروازوں و کھڑکیوں کے بنانے میں کیا گیا ہے - اور چھت پٹاؤ دار و سطح معلوم ہوتی ہے کیونکہ کھپروں وغیرہ کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا -

جنڈیل کا طرز تعمیر صاف بتاتا ہے کہ بدھ - برہمن یا جینوں میں سے کسی کا اُسپر ہاتھ نہیں لگا اسکا مزید ثبوت یہ ہے کہ اُسمیں مورتیں و بت ایک سرے سے غائب ہیں - اور جب ہم مینار کی ساخت پر غور کرتے ہیں جو غالباً بشکل اہرام ہوگا تو عراق عرب کے پرانے معبدوں سے بہت کچھ مشابہت نظر آتی ہے - اور چونکہ یہ بھی معلوم ہے کہ ایرانیوں نے اپنا طرز عمارت آشوروالوں ہی سے اخذ کیا تھا اسلئے سچ پوچھئے تو یہ معبد بھی زردشتوں ہی کا بنایا ہوا اور اُنہیں کا پرستش گاہ ہوگا - جسکے مینار پر چڑھکر وہ چاند و سورج کی پوجا کرتے ہونگے - اور نیچے والے حجرے میں ایک اگن ہوتر پر مقدس شعلہ نظر آتا ہوگا - جسکے ادھر اُدھر پجاری کھڑے ہوئے اشلوک پڑھ پڑھکر آہوتی چڑھاتے جاتے ہونگے اور اُسے کبھی بجھنے نہ دیتے ہونگے -

اپالونیس یونانی سیاح نے جس معبد کا ذکر کیا ہے وہ یہی دیر جنڈیل ہے جہاں وہ معہ اپنے رفقا کے جبتک بادشاہ سے شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملی تھی کچھ عرصہ تک قیام پذیر رہا تھا -

سرکپ جنڈیل کو خیرباد کہکے ہم سڑک پر سے لوٹتے ہوئے کچھ دور گئے ہونگے کہ سرکپ کے مشہور کھنڈرات نظر آنے لگے - یہاں مزدوروں و بیلداروں کا ایک جم غفیر نظر آیا - جو زمین کھود رہے تھے اور مٹی ڈھو ڈھوکر ایک طرف پھینکتے جاتے تھے - اور قریب ہی کے ٹیلے پر چند لوگ چھتریاں لگائے کرسیوں پر بیٹھے اُنکی نگرانی کر رہے تھے -

درحقیقت کُندن کا کام ابھی حال ہی میں شروع ہوا ہے یعنی اسے چھ سات سال سے زیادہ نہیں گذرے - اور اب صرف جاڑے کے زمانے میں جاری رکھا جاتا ہے - اس سے قبل یہ عجیب و غریب آثار عجب گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے جسکا جی چاہتا تھا مال و زر کی تلاش میں زمین کھودنا شروع کر دیتا تھا اور جو کچھ ملتا اُسے کوڑیوں کے مول بیچ آتا تھا - چنانچہ مشہور ہے کہ نور بخش نامی ایک شخص ذات کا بھشتی جو قریب ہی کے گاؤں کا رہنے والا تھا اِس فن میں بڑا اُستاد گذرا ہے اُسنے خوب ہی لوٹ مار مچائی تھی - اور بڑی بڑی نادر و بیش بہا چیزوں کو راولپنڈی کے بازاروں میں بیچا کر علانیہ فروخت کیا تھا

Marfat.com

بعدازاں جنرل کننگھم نے سنہ ۱۸۶۳ء مین اس شہر کا پتہ معلوم کیا لیکن انھین بھی زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور یہ فخر سر جان مارشل ہی کی قسمت مین تھا کہ ٹکشلا کے آثار پردۂ گمنامی سے نکالکر عالم شہرت مین لائے گئے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کام تکمیل پر پہونچ گیا۔ بلکہ ابھی سالہا سال کی محنت و جستجو کی ضرورت ہے تب کہین پورے حالات پر آگاہی حاصل ہونے کی امید کیجا سکتی ہے۔

سرکپ کے بیرونی شہر پناہ کے اب بھی کہین کہین آثار موجود ہین۔ اسکے اندر تین ڈھالو اور ایک سپاٹ چپٹی سرکی پہاڑی نظر آتی ہے جو قدرتی حفاظت کا کام دیتی ہوگی۔ دیوار کی لمبائی چھ یا سات ہزار گز سے کم نہ تھی اور موٹائی بھی قریباً ۱۵ - ۲۰ فٹ ہوگی۔ اونچائی ۳۰ فٹ سے زیادہ سمجھنا چاہئے۔ فصیل پر جگہہ جگہہ مستطیل برجیان بنی ہوئی ہین جنمین سوراخ و موکھے ضرور ہونگے مگر اب نشان باقی نہین رہے۔

کسی بلند مقام پر کھڑے ہو جایئے تو عجب دلکش منظر دکھائی دیتا ہے۔ شہر کے باہر جانب شمال بابر خانہ یا کچے کوٹ کے کھنڈر ہین۔ سرکپ کے مضافات مین سے صرف یہی ایک مقام برآمد ہوا ہے۔ جنوب کی طرف ایک پہاڑی ہے جسپر کنال ٹوپ کے آثار نظر آرہے ہین۔ اور شہر کے اندر اُتر سے دکھن کی طرف جاتی ہوئی ایک لمبی سی سڑک چلی گئی ہے۔ جسکے دورویہ بکثرت مکانات کے ڈھانچے جہان مزدور لوگ کام کر رہے ہین دکھائی دے رہی ہین۔ ان منڈے اُجڑے گھرون کے اندر کسی رحم دل نے رنگ برنگے پھولون کے پودے اُگا کر بڑا احسان کر دیا ہے کیونکہ خانہائے ویران و خرابات رفتگان کی پوشش کے لئے اس سے بڑھکر اور کونسی چیز زیب و زینت کا باعث ہو سکتی تھی۔ ہم مکانات کو بالتصریح آگے چلکے بیان کرین گے۔ ابھی اُس کھنڈر کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو اسکے جنوب مین واقع ہے۔ اور بادی النظر مین سب سے زیادہ وسیع و مابہ الامتیاز معلوم ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

لطافت حسین خان آئی ایم ایس

Marfat.com

۲

محل شاہی | یہ محل شاہی ہے۔ جسکا نقشہ یون سمجھئے کہ وسط مین ایک بڑا سا ایوان ہے جسکے گرداگرد عمارات کے پانچ گروہ نظر آتے ہین۔

جانب مغرب ایک صحن ہے جسکا فرش پتھرون کا اور اسپر ایک اونچا چبوترہ سا بنا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ یہ دیوان خاص تھا۔ اسکے چارون طرف کمرے ہین۔ اور ایک حمام بھی ہے جسمین حوض اور نالیان بنی ہوئی ہین۔ اسکے جنوب مین ایک اور چھوٹا سا صحن نظر آتا ہے جسکے ہر طرف بھی حجرے بنے ہین اور غالباً خدام۔ محافظین یا شاہی باڈی گارڈ کے رہنے کے لئے ہونگے۔ اب ایوان کے جانب شمال نگاہ کیجیئے تو متعدد کمرے نظر آئینگے جو بذریعہ ایک دیوار کے باقی محل سے علیحدہ کر دیئے گئے ہین۔ یہ رانیون کے لئے مخصوص ہونگے۔ اور زنان خانہ کا کام دیتے ہونگے۔ محل کے مشرقی سمت عمارات کے دو گروہ ہین پہلا جسمین ایک کشادہ صحن ہے اور چارون طرف بہت سے کمرے ہین دیوان عام ہوگا کیونکہ یہان بھی ایک بلند چبوترہ نظر آتا ہے۔ دوسرا جو اوّل الذکر کے شمال مین واقع ہے متعدد صحن و حجرون مین منقسم ہے اور قیاساً شاہی مہمانون کے بود و باش کے لئے مخصوص ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس محل کے در و دیوار پر نقش و نگار و آرایش کے بہت کم نشان ہین جسکی تصدیق یونانی سیّاح اپولونیس کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ اُسنے اپنے بچشم خود اچھی طرح دیکھا تھا اور اُسکی سادگی و نفاست کی جو غیر ضروری زیبائشون سے پاک تھی بہت تعریف کی تھی۔ اور شاہان اشور کے محلات سے اسکا مقابلہ کیا تھا چنانچہ اسمین کچھ شک نہین کیونکہ موصل کے نزدیک بمقام خورسا باد شہنشاہ سرگان کا جو محل دریافت ہوا ہے اُسکا طرز عمارت بھی اس محل سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ مگر اسمین ایک چیز زیادہ ہے یعنی ایک خاص طرز کا مینارہ جسے زگرت کہتے تھے محل کے

لہ گزشتہ اشاعت سے آگے

Marfat.com

متصل نظر آتا ہے۔ لیکن کیا معلوم کہ آیندہ کبھی ڈھونڈھنے سے سرکپ کے راج مندر کے قریب بھی، ایسے ہی کسی مینار کے نشان برآمد ہو جائین۔

مکانات محل کے سامنے سے جو سڑک شہر کے شمالی دروازے کی طرف جاتی ہے اسکے دورویہ مکانات کے ڈھانچون کا سلسلہ برابر چلا گیا ہے۔ اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے انکے درمیان سے ہوتی ہوئی گلیان اور تنگ راستے نکلے ہین۔ اِن مکانات کی بیرونی شکل گو ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہو مگر طرز عمارت سب کا ایک ہی سا معلوم ہوتا ہے یعنی ایک صحن ہے جسکے چارون طرف کوٹھریان ہین اور اگر زیادہ مکانیت کی ضرورت ہوئی ہے تو اسی قسم کے کئی ایک قطعات قریب ہی قریب بنا دیے گئے۔

جن کوٹھریون یا کمرون کا رُخ سڑک کی طرف ہے وہ غالباً دوکانون کا کام دیتے ہونگے باقیماندہ جو رہنے کے لئے بنائے گئے ہین وہ عجیب طرز کے ہین یعنی انمین نہ تو باہر جانے کے لئے نہ اندر صحن مین داخل ہونے کے لئے کوئی راستہ ہے۔ اور سڑک پر سے اگر دیکھئے تو صرف ایک قطار کھڑکیون کی نظر آتی ہے۔ وجہ یہ کہ اُس زمانہ مین لوگون کا دستور تھا کہ سیڑھیان لگا کر اوپر کی منزل سے صحن مین اُترتے یا باہر جاتے تھے۔ یا نیچے کے کمرون مین داخل ہوتے تھے۔ اور ان کمرون مین سڑک کے رُخ پر صرف کھڑکیان ہوتی تھین۔ اور ایک دوسرے مین آمد و رفت کے لئے دروازے بھی ہوتے تھے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل غور ہے کہ بظاہر اِن مکانات مین ضرورت سے زیادہ گنجایش معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے یا تو متعدد خاندان ایک ساتھ ملکر رہتے ہون گے یا یہان پروفیسرون و طالب علمون کے مسکن ہون گے اور انکے لئے معمولی لوگون سے زیادہ آرام و راحت کا خیال کیا جاتا ہوگا۔ نیز یہ محلہ شاید اُس زمانہ مین یہان کے مدارس و کالجون کے لئے مخصوص ہوگا۔

مکانون کی دیوارین کنکر و پتھر کی ہین اور انکے اندر و باہر چونے و گارے سے مضبوط استرکاری کی گئی ہے۔ کھڑکی کے چوکھٹے دروازے و تیلیان وغیرہ سب لکڑی کی ہین۔ بلکہ بعض جگہ تو اُسی کے تختے دیوارون و فرشون پر بھی بچھائے گئے ہین۔ تمام چھتین جیسا کہ ہمنے ایک جگہ اوپر بھی ذکر کیا ہے۔ گو اِنکے اب بہت کم نشان باقی رہ گئے ہین۔ مسطح و پٹاؤ دار بنائی گئی ہون گی۔

شہر کے اندر متعدد ٹوپ ہین جنمین دو خاص چینی طرز کے معلوم ہوتے ہین۔ ایک کے اندر سے

Marfat.com

کئی فٹ کھودنے کے بعد ایک چھوٹا سا صندوقچہ نکلا تھا جسمین سے ازکیس اوّل کے زمانہ کے سکہ جات برآمد ہوئے اور ایک چھوٹی سی ڈبیا نکلی جسے کھولکر دیکھا تو چند ہڈیان سونے کے پترون وجواہرات مین لپٹی ہوئی نظر آئین - دوسرا ٹوپ بھی اسی زمانہ کا ہے مگر زیادہ شاندار و آراستہ ہے - اُسکی شکل اب ایک گنبددار چبوترے کی طرح رہ گئی ہے جسکے سامنے چند سیڑھیان اور پر چڑھنے کے لئے بنی ہوئی ہین اور ادھر اُدھر کے رُخ پر نہایت پتلے پتلے و نازک ستون اور خوبصورت طاق بنائے ہین - ان طاقون پر ہُما یا عقابون کی شکلین بنی ہوئی ہین جنمین سے ایک عقاب ایسا بھی ہے جسکے دو سَر ہین - یہ غالبًا سیتھین قوم کا جو یہان ایک عرصہ تک حکمران رہی تھی نشان ہوگا - اور شاید انھین سے بعد ازان آجکل کی رُوسی و جرمنی اقوام تک منتقل ہوکر پہونچا ہوگا -

اس مندر کے قریب ہی ایک عمارت ہے جسکے اندر سے کیانون کے زمانے یعنی چوتھی صدی قبل از مسیح سے بھی پہلے کا ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے جو بڑا نادر و قیمتی سمجھا جاتا ہے - وہ آرمی زبان مین ایک پتھر کی سل پر منقوش ہے - اور ابھی تک کسی سے اچھی طرح پڑھا نہین گیا - سرکپ کے دیگر کھنڈرات اور وہ نیز بکثرت مختلف قسم کی بیش بہا چیزین جو کھود کر نکالی گئی ہین اور آجکل عجائب گھرون مین موجود ہین ہم انکا بالتفصیل ذکر کرنے سے معذور ہین - اور اب آگے بڑھتے ہین - اور محل شاہی کے سامنے سے گذر کر اُس پہاڑی کی طرف رُخ کرتے ہین جو دور سے بڑی دلفریب نظر آرہی ہے - اور مہاراجہ اشوک کے لڑکے کُنال کے نام سے مشہور ہے -

کُنال ٹوپ | سوآن تسینگ چینی سیاح اس یادگار کی وجہ تسمیہ یون بیان کرتا ہے کہ کُنال جو اشوک کا بڑا چہیتا لڑکا تھا اسپر اُسکی سوتیلی مان عاشق ہوگئی اِسلئے شاید اپنا احسان رکھنے کے لئے یا کسی اور غرض سے اُسنے راجہ سے کہہ سنکر اُسے ٹکسلا کا صوبہ دار بنا کر بھجوایا - لیکن بعد ازان جب اسے اپنے ارادہ بد مین ناکامی ہوئی اور مطلب براری کی کوئی امید نظر نہ آئی تو آتش انتقام سینے مین بھڑک اٹھی - اور راجہ کی طرف سے ایک فرمان لکھکر اور اسی کے دانتون سے جب وہ غافل سورہا تھا مُہر لگا کر ٹکسلا کے وزیرون کے پاس روانہ کیا - اِس مین کنال پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے تھے اور حکم دیا تھا کہ اُسکی آنکھین نکال ڈالی جائین - وزیرون نے جب اُسے پڑھا تو سنّاٹے مین آگئے - اور کسی طرح ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے مگر خود شہزادے نے اصرار کیا اور کہا کہ باپ کا حکم بجالانا میرا سب سے پہلا فرض ہے - چنانچہ غریب کو بے قصور

Marfat.com

اندھا کر دیا گیا۔ پھر وہ شہر بدر ہو گیا۔ اور اپنی رانی کو ساتھ لئے ہوئے ملکوں ملکوں بھٹکتا رہا اور کئی برسوں کے بعد بھیک مانگتا ہوا ایک دن اپنے باپ کے پائے تخت کے قریب پہونچا تو اتفاق سے اُسکی آواز اور بانسری کی لے کو سنکر راجہ نے فوراً پہچان لیا۔ اور جب حقیقت حال سے باخبر ہوا تو بدذات رانی کو فوراً تہ تیغ کر دیا اور شہزادے کو بدھ گیا لے گیا جہان ایک فقیر کی کرامت سے اُسکی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اسی پہاڑی پر اندھا شہزادہ روز اپنی آنکھوں کے لئے دعا مانگنے جایا کرتا تھا اور یہین اُسے شفا حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک عرصہ دراز تک بکثرت اندھے یہان آیا کرتے تھے اور اچھے ہو جاتے تھے۔ ان واقعات کی کوئی اصلیت ہو یا نہ ہو لیکن اسمین شک نہین کہ انھوں نے اس مقام کی دلچسپی کو ضرور بڑھا دیا ہے۔ اور ہمنے بھی غیر معمولی توجہ کے ساتھ ٹوپ اور اُسکے متصلہ خانقاہ کو دیکھا بھالا۔ اور کنال کی یاد کو تازہ کیا

اِس پہاڑی پر سے دور دور تک کا منظر نہایت بھلا اور دلکش نظر آتا تھا اور تمام وادیان وسبزہ زار مع اپنے کھنڈرات وعمارات کے آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ وقت کم تھا اسلئے ہم زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے اور مجبوراً جلدی سے نیچے اُتر کر آئے۔ اور ایک پیچدار رستہ سے ہوتے ہوئے گھاٹیوں کو قطع کرتے ہوئے اور دامن کوہ کے ساتھ لگے ہوئے اُن کھنڈرات پر پہونچے جنکا اصلی نام دھرماراجک ٹوپ ہے مگر عوام الناس چیر ٹوپ کے لقب سے پکارتے ہین۔ اگر ہم چاہتے تو سڑک سڑک سواری پر آسکتے تھے۔ لیکن قرب وجوار کے منظر سے زیادہ لطف اُٹھانے کے لئے پاپیادہ چلنے کو ترجیح دی اور وہان پہونچکر پاس ہی کے کوئین سے ایک کسان سے پانی کھچوا کر پیا جو ایسا شیرین ولذیذ تھا کہ ہمیشہ یاد رہیگا۔

چیر ٹوپ یہ آثار جو ایک بلند ومرتفع مقام پر واقع ہین سیتھین اور پارتھین قوموں کے زمانے کے ہین انکی خاص عمارت ایک بہت بڑا ٹوپ ہے جسکے اِردگرد دس بارہ چھوٹے چھوٹے ٹوپ ہین۔ اور قریب ہی دوسرے مندروں وغیرہ کے بھی اور کھنڈر ہین۔ مگر خانقاہ کا کسی جگہ پتہ نہین لگتا۔ جو غالبًا ہوگی ضرور لیکن ابھی تک عالم ظہور مین نہین آئی ہے۔ قریب ہی ایک بڑا سا تالاب نظر آتا ہے جسکے نیچے اُترنے کے لئے سیڑھیان بنی ہین۔ بڑے ٹوپ کی شکل مدوّر ہے۔ اسکے چارون طرف بلند چبوترہ ہے۔ جسپر چڑھنے کے لئے سیڑھیان ہین۔ اس ٹوپ کی تعمیر مین کنکر۔ پتھر وغیرہ جوڑنے سے زیادہ تر

Marfat.com

کام کیا گیا ہے۔ اور طرح طرح کے نقش ونگار طاقچے وستون بنائے گئے ہین جنکے نشان اب بہت کچھ مٹ گئے ہین۔ چبوترہ کے نیچے پردکشنا یا طواف کرنے والون کے لئے ایک اوپر سے کھُلا ہوا راستہ ہے جسکا فرش کسی زمانے مین بلورین ہوگا کیونکہ شیشے کے ٹکڑے اب بھی کہین کہین نظر آتے ہین۔ بُدھ مذہب کے لوگ عموماً تین مرتبہ طواف کیا کرتے تھے۔ لیکن بعض موقعون پر جب کوئی قسم اُتارنا ہوتی یا منت مُراد مانگنی ہوتی تو سو سو دفعہ گھوم لیا کرتے تھے۔ راستہ کے باہر بڑے ٹوپ کے چارون کونون پر یعنی سیڑھیون کے مقابل ایک ایک پھاٹک یا دروازہ ہے اور ہر چہار طرف دائرہ کی صورت مین چھوٹے چھوٹے ڈہشکل مندر بنے ہوئے ہین۔ انمین بُدھ کی بڑی بڑی مورتین اسطرح رکھی جاتی تھین کہ سب کا مُنھ بڑے ٹوپ کے طرف ہوتا تھا۔ اب بھی بعضون کے ٹوٹے پھوٹے سر اور ٹکڑے پڑے ہوئے نظر آتے ہین۔ اسکے علاوہ ٹوپ کے قریب ہی دو تین اور عمارتین بھی قابل ذکر ہین۔ اول تو اُس شکستہ کھمبے یا مینارے کو دیکھئے جو جانب مغرب نظر آتا ہے۔ بدھون کے معبدون کے قریب ایسے ستون عموماً پائے جاتے ہین اور راجہ اشوک کے مشہور مینارون کی نقل ہین۔ دوسری عمارت بوجہ اُن تبرکات کے جو اُسکے اندر سے برآمد ہوئے ہین نہایت درجہ دلچسپ ومشہور سمجھی جاتی ہے۔ یہ بڑی احتیاط کے ساتھ رکھے ہوئے تھے یعنی کئی فٹ کی گہرائی مین ایک بڑی بھاری پتھر کی سل کے نیچے ایک چھوٹے سے تہ خانہ مین چاندی کا ایک برتن نظر آیا اِسے کھولتے ہین تو ایک نہایت بیش بہا وخوبصورت طلائی صندوقچہ معہ ایک کتبہ کے برآمد ہوتا ہے۔ صندوقچہ کے اندر سے ذرا سی راکھ و چند چھوٹی چھوٹی ہڈیان نکلین۔ اور کتبہ خروشتی زبان مین تھا اُسے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ تبرکات خاص مہاتما گوتم بُدھ کے ہین۔

چیر ٹوپ کی بعض عمارات پر سنگ تراشی کا ہُنر خوب دکھایا گیا ہے اور نہ صرف بُدھ کی مورتین بلکہ اُسکی زندگی کے اکثر واقعات کے مرقعے پیش کئے گئے ہین۔ مثلاً پہلا سین گوتما کے کسی مقام سے روانگی ہے۔ دوسرے مین ایک خوبصورت گھوڑا اپنے مالک (گوتم) کے پیرون کو بوسہ دیکر رخصت ہو رہا ہے۔ تیسرے مین وہ تخت نشین ہے۔ سامنے چند عورتین پھول وغیرہ ہاتھون مین لئے ہوئے پیش کر رہی ہین۔ چوتھے مین وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا وعظ کر رہا ہے۔ اور داہنے ہاتھ سے دھرم چکر کو گھماتا جاتا ہے۔ پیچھے خادم وغیرہ کھڑے ہوئے چوری ومورچھل جھل رہے ہین اور سامنے

Marfat.com

دو ممٹی سر جھکائے بیٹھے ہین اور آسمان پر گنبد مہر و مینی جنت کے مغنی اپنے ترانے الاپ رہے ہین۔ غرضکہ اسی قسم کے اور بھی بہت سے دلچسپ مرقعے ہین جنکا بیان کرنا یہان طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ اُنکے مشاہدہ سے پُرانے زمانے کے طرز معاشرت کا بھی بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ اور تاریخی حالات کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

چیر ٹوپ کی سیر سے ہمین ابھی اچھی طرح سیری نہین ہوئی تھی کہ شام کا وقت آگیا اور چار و ناچار وہان سے رخصت ہونا پڑا۔

صنعت وحرفت ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ ٹکسلا کے کھنڈرات سے بکثرت اشیار کھود کر نکالی گئی ہین اور ٹوپون کے بنانے کا خاص مقصد یہی تھا کہ انمین تحائف و تبرکات محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ان چیزون مین سے بعض معمولی ہین اور آج کل بھی ہمارے ملک مین رائج ہین۔ بعض نہایت بیش بہا و عجیب ہین اور پرانے زمانے کی صنعت و حرفت کا پتہ دیتی ہین اور گذرے ہوئے تہذیب و تمدن کو یاد دلاتی ہین۔ اگر ان اشیار کو بالتفصیل بیان کیا جائے تو ایک پوری کتاب بنجائے۔ اور پھر بھی اچھی طرح سمجھ مین نہ آئے کیونکہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہین۔ اسلئے اگر کسی کو شوق ہے تو عجائب خانون کی سیر کرے اور پُرانی دستکاری و صنّاعی کی داد دے۔ اور اُسے دیکھکر حظ اُٹھائے۔ ہم مختصر طور سے یہان صرف چند چیزون کا نام گنائے دیتے ہین۔ اوّلاً برتنون کو لیجئے کہ بھدّے سے بھدّے اور نفیس سے نفیس موجود ہین۔ اور سونے۔ چاندی و تانبے کے۔ غرض ہر قسم و ہر زمانہ کے دستیاب ہوئے ہین اور اُنسے تاریخی حالات کے معلوم کرنے مین بڑی مدد ملی ہے۔ علیٰ ہذا مٹی کے برتنون کو لیجئے تو یہ بھی بافراط پائے گئے ہین۔ اور بڑے بڑے مٹکون سے لیکر جنمین اناج وغیرہ بھرا کرتے تھے۔ چھوٹے سے چھوٹے مرتبان موجود ہین۔ علاوہ برین پتھر کے پیالے۔ دھات کی رکابیان و تھالیان و پچیان۔ پانی پینے کے گلاس و کٹورے۔ اور بیٹھنے کی تپائیان۔ اور ٹوٹ جانے والی کرسیان۔ نیز لگام۔ کانٹے۔ کنجیان۔ تلوار۔ کٹار۔ خنجر۔ تیر۔ تبر ڈھالین۔ چراغ دان۔ عود سوز۔ عطر کی شیشیان۔ گھنٹیان وغیرہ وغیرہ غرضکہ اسی قسم کی سیکڑون متفرق اشیار موجود ہین۔ زیورات کو دیکھئے تو اور بھی حیرانی بڑھتی ہے۔ اِنمین نقرئی و طلائی جڑاؤ و سادہ کا ہر قسم کے موجود ہین۔ چند بالیان دیکھین جو ہلالی شکل کی ہین اور انمین پھول پان کے

نقش بنے ہوئے جواہرات سے مرصع ہین - کانون کے جھمکے دیکھے جنہین بڑی نازک و خوبصورت پھول پتیان بنائی ہین - ڈھولنون کی طرح گلے کا ایک زیور دیکھا جسین فیروزے زبرجد و نیلم جڑے ہوئے ہین - چھوٹے چھوٹے گلے کے لاکٹ نظر آئے جنہین مختلف دیوتاؤن کی مورتین کندہ ہین - اور قسم قسم کی جڑاؤ چوڑیان - انگوٹھیان - زنجیرین - مالے - مُہرین اور شیشے و بلور کے ٹکڑے زیر مشاہدہ آئے جو واقعی اپنے طرز مین لاجواب تھے - بڑی چیزون مین دیوتاؤن کے برنجی و نقرئی بُت ہین - اور پتھر و چونے و گچ کی مورتین تو ہر جگہہ بکثرت نظر آتی ہین - علاوہ برین عمارات کے نقش و نگار اور انکی طرز تعمیر قابل غور و ستائش ہے - اور مختصر تو یہ ہے کہ ٹکسلا کی سیر کی - اور اُسکی تمام صناعیون کے مشاہدہ کے بعد ایک معمولی سیاح جسکی نظر صرف زمانہ حال کے باتون تک محدود رہتی تھی - حیران و ششدر رہجاتا ہے - اور کم سے کم اتنا تو ہوتا ہے کہ اُسکی فکر و تخیلہ کا دائرہ وسیع ہو کر وہ تنگ خیالی باقی نہین رہتی جو حقیقت مین جہالت کی سب سے بڑی علامت ہے -

ٹکسلا چونکہ ایک ہزار برس کے اندر سات مختلف قومون کا جولانگاہ رہ چکا تھا اور انکی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا - اسلیئے اُسکی صنعت و حرفت - علوم و فنون پر بھی لازمی طور سے ان سب کا ایک بہت بڑا مجموعی اثر پڑا ہے - خصوصاً یونانیون نے تو اتنا زبردست اثر چھوڑا کہ صدیان اسکو نہ مٹا سکین - چنانچہ بعض عمارات کی ساخت کو دیکھیے - سکہ جات و دیگر انواع و اقسام کے اشیا کی دستکاری کو ملاحظہ کیجیے - اور سب سے بڑھکر نقاشی و بُت تراشی کو مشاہدہ کیجیے کہ اُسمین یونانی بناؤ و انداز ظاہر و عیان ہے - مگر باوجود اسکے ہمین ماننا پڑیگا کہ انکے بعد ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب ایک خاص ملکی طرز کی بنیاد پڑی - یعنی یہ وہ وقت تھا جبکہ خاندان کشان سریر آرائے تاج و تخت تھا اور بدھ مذہب کو بڑی ترقی ہو رہی تھی اور انکے ٹوپ و خانقاہین جگہہ جگہہ تعمیر ہو رہی تھین - یہ نیا طرز اگرچہ پُرانون سے ماخوذ تھا اور انہین کا مجموعہ تھا مگر بہت سی خصوصیات ذاتی بھی رکھتا تھا - اور آخر اندر کی ترمیم و اصلاح کرکے خود بالکل نرالا و انوکھا بنگیا تھا - اسکو طرز گندھارا کہتے تھے جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نام اُس ملک کا تھا جہان آج کل پشاور آباد ہے - اور جہان پُرانے وقتون مین راجہ کنشک کی راجدھانی ہونے کے سبب سے بڑے بڑے صاحب کمال و ماہر فن صناع موجود تھے - اِس طرز کی بڑی خصوصیت و خوبی یہ ہے کہ اُسنے بُت تراشی کے فن مین یونانیون کی نفاست و موزونیت کو لیکر اُنکی مادیت سے

Marfat.com

اجتناب کیا اور باطنیت کے اظہار کی کوشش کی یعنی مورتون و تصاویر کے خط و خال اور اُنکے دست و پا وضع و قطع مین انسانی جذبات و خیالات کا اظہار کر دکھایا۔ اور اس طرح نقاشی و تصویر کشی مین ایک نئی روح پھونک دی۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے اور ان عجیب و غریب صناعی کی مثالین دیکھنا چاہتا ہے تو مختلف عجائب گھرون کی جا کر سیر کرے اور غارہاے اجنٹا کے بے مثل تصاویر کا معائنہ و مشاہدہ کرے۔ افسوس کہ اب مدت مدید ہوئی کہ یہ فن کبھی کا ہمارے ملک سے رخصت ہو گیا۔ مگر آج کل بھی کچھ لوگ کلکتہ مین ٹیگور اسکول کے نام سے پیدا ہوئے جنھون نے خصوصًا قدیم مصوری کو زندگی بخشنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ پرانی شرابون کو نئی بوتلون مین بھر کر یعنی جدید ترقی یافتہ تہذیب کا رنگ و روپ پرانے طرز پر چڑھا کر عوام الناس کے سامنے پیش کرین۔ لیکن معلوم نہین کہ نقاشی اور بت تراشی کی طرف انھون نے کہانتک توجہ مبذول کی ہے۔

ہماری سیر اب ختم ہو گئی۔ ٹکسلا !! تجھ سے اتنی جلدی رخصت ہوتے ہوئے دل بہت دکھتا ہے۔ ابھی ہمنے دیکھا ہی کیا تھا۔ جلدی مین بہت سے آثار و کھنڈرات بالکل ہی چھوٹ گئے اور اتنا قلیل عرصہ تیرے سیر و تماشے کے لیے بالکل ناکافی ثابت ہوا۔ مگر ہم وعدہ کرتے ہین کہ ایکدن پھر آ کر اچھی طرح ڈیرہ ڈالین گے۔ اور تیری ہر چیز کو کئی کئی بار غور و خوض سے دیکھنے و سمجھنے کی کوشش کرینگے کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری نظرون سے ڈھونڈھون کی اور بھی بہت سی یادگارین گذری ہین اور تخت بائی سانچی۔ الورہ و ایلیفنٹا وغیرہ سب کو دیکھ چکے ہین مگر جو بات تجھ مین پائی وہ کسی مین نہ پائی اور جو دلکشی تجھ مین دیکھی وہ بھلا اورون مین کہان نصیب تھی۔

ایل۔ایچ۔خان

Marfat.com

قاتلانِ محمد بن سام

(از سید امداد اللہ قادری ایڈیٹر "تاریخ")

قاتلان محمد بن سام کی نسبت مورخین نے جو کچھ لکھا ہے انھیں ذیل میں بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے

تاریخ طبقات ناصری قاضی منہاج الدین جوزجانی ۶۵۸ھ جلد صفحہ ۱۲۳

"ودراں وقت جماعت متمردان از کھوکھراں وقبائل کوہ جود عصیاں آوردہ بودند وسلطان دراں زمستاں بہندوستان آمد آں طائفہ متمردان را بدوزخ فرستاد، چوں مراجعت بغزنین کرد بدست فدائی ملاحدہ در منزل الیک در شہور سنہ اثنین وستمائۃ شہادت یافت۔"

مرآۃ الجنان امام عبداللہ الیافعی ۷۶۸ھ جلد ۴ صفحہ

"وفیہا توفی السلطان ابو المظفر محمد شہاب الدین الغوری صاحب غزنۃ قتلتہ اسماعیلیۃ۔"

تاریخ گزیدہ حمد اللہ مستوفی ۷۳۰ھ جلد صفحہ ۳۰

"در سنہ اثنی وست مأتہ بغزا ہندوستان رفت، بسیار مواضع مسخر گردانید، پس از انتقام در راہ ملاتان (ملتان) ہندوان کوکری درحالت نماز کردن اورا شہید کردند۔"

المختصر فی اخبار البشر ابو الفدا ۷۳۲ھ جلد سوم صفحہ ۱۰۱

"اول لیلۃ من شعبان قتل شہاب الدین ابو المظفر محمد بن سام بن الحسین الغوری ملک غزنہ وبعض خراسان بعد عودہ من لہاور بمنزل الخیال لہ دمیل قبل صلاۃ العشاء وثب علیہ جماعۃ ہو جبرکانہ وقالا تفرق الناس عنہ لاماکنہم فقتلوہ بالسکاکین قیل انہم من الکوکیر وہم طائفۃ من اہل الجبال مفسدون وکان شہاب الدین قد فتک فیہم وقیل الا انہم من الاسماعیلیۃ فان شہاب الدین ایضاً کان کثیر الفتک فیہم واجتمع حرس شہاب الدین فقتلوا ولئک الذین قتلوا شہاب الدین عن آخرہم۔"

دول الاسلام شمس الدین ذہبی ۷۴۶ھ جلد دوم صفحہ ۱۸

Marfat.com

ماتَ سلطان غزنه والهند شهاب الدین محمد بن سام الغوری قتلة الاسماعیلیه

بخیمه قتلوا ولا بعض الحرس فوقع الصیاح وثار الیه الحرس من مراخوهم واخلوها

فنجمت الاسماعیلیه علی السلطان فوضعوه فی محصنة وسادوا وکتموا موته"

تاریخ مبارک شاہی ملا یحیٰی بن احمد بن عبد اللہ سرہندی ۸۳۸ھ صـ۱۲

"سلطان مرحوم در دار الملک غزنیں مراجعت فرمود۔ وملک قطب الدین را وداع دادہ سمت دہلی فرستاد۔ چوں در قصبۂ دمیک رسید فدائی ملاحدہ یکایک میان سراپردہ درآمد و بر سلطان مرحوم زخم انداخت۔ چنانچہ سلطان مرحوم سعید شہید غازی ہمراں زخم شہادت یافت"

روضة الصفا میرخوند بلخی ۹۰۳ھ جلد چہارم صـ۱۸۲

"دراین اثنار نہیاں بعرض اور سانیدند کہ طائفہ از ساکنان کوہ جود اظہار عصیاں کردہ اند سلطان عزیمت دیار ترک موقوف داشتہ بداں طرف رفت وجمعی از ایشاں کشتہ واسیر گرفتہ عنان مراجعت بجانب غزنیں منعطف ساخت ودر اثنار راہ بمنزل دمیک فدائیاں اورا شہید گردانیدند"

حبیب السیر غیاث الدین خوندمیر ۹۳۵ھ جلد دوم صـ۱۵۶

ودراں اثنا شنود کہ طائفہ از ساکنانِ کوہِ جود مسالک طریق عصیان گشتہ اند ورفع ایشاں را اہم واولیٰ دانستہ بداں طرف شتافتہ وبسیارے از دشمناں را بہ تیغ انتقام گزانید ودر وقت مراجعت بمنزل دمیک بزخم خنجر یکی از فدائیان ملاحدہ شہادت یافت"

لب التواریخ یحیٰی بن عبد اللطیف ۹۴۸ھ ضمیمہ تاریخ الیٹ صـ۳۴

"بعد ازاں در وقت نماز کردن فدائیان ہندی اورا شہید کردند"

جہاں آرا احمد بن محمد غفاری ۹۷۱ھ ضمیمہ تاریخ الیٹ صـ۳۶

"آخر بہ تسخیر ہند توجہ نمود، بعد از ضبط بلاد ماان معتمد سپرد ودر وقت مراجعت مرزلہا ور درمنزل دمیک دراول شعبان سنہ اثنی وست مائة بردست فدائیان کوکری کشتہ شد"

طبقات اکبری ملا نظام الدین احمد ہروی ۱۰۰۲ھ جلد اول صـ۱۹

"دریں وقت طایفہ کوکھرانی در نواحی لاہور عصیاں ظاہر کردند۔ سلطان برسر کھوکھراں لشکر کشید وقطب الدین ایبک نیز از دہلی بخدمت رسید کھوکھراں را مالش دادہ باز بغزنیں مراجعت نمود۔

درعینِ مراجعت در دیلک نام دہی از توابع غزنیں از دست فدائی کھوکھراں شہید شد"

منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی ۱۰۰۴ھ طبع لکھنؤ صـ۱۵

Marfat.com

قریں و ملاطایفہ کھوکھراں در نواحی لاہور اظہار عصیان کردند، سلطان برسر ایشاں لشکر کشید و قطب الدین ایبک را نیز از دہلی طلبیدہ کھوکھراں را تنبیہ خوب دادہ بغزنیں معاودت فرمود و ہنگامِ مراجعت در دمیک کہ نام دہی ست از توابع غزنیں از دست فدائی کھوکھرہ شہید شد۔"

ذکر الملوک شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۰۵ھ

"چوں شنید کہ جماعت متمردان در ہندوستاں از کھوکھراں وغیرہم بنیاد تمرد نمادند و باز بہندوستاں آمد و طوایف متمردان را بدوزخ فرستاد و در وقت مراجعت بغزنیں بردست یکے از فدائیان ملاحدہ در منزل دمیک شہادت یافت۔"

تاریخ فرشتہ۔ ملا حکیم محمد قاسم فرشتہ ۱۰۱۵ھ طبع لکھنؤ

"شانزدہم رجب سنہ اثنی وست مائۃ از بلدہ لاہور متوجہ غزنیں شد و فرمان باسم بہاء الدین سلیم والی باسیان اصدار یافت کہ چوں در خاطر ہمایوں ماغزائے کفار ترکستان مرکوز گشتہ است باید کہ بمجرد وصول فرمان لشکر آں حدود را جمع آوردہ بر کنار آب جیحون نزول نماید و پل مہیا دارد تا سپاہ اسلام در وقت عبور آزار نکشند و چوں سلطان بتاریخ دوم شعبان سال مذکور بکنار آب نیلاب رسید و در منزلیکہ برمہیک اشتہار داشت فرود آمد قضا را دراں چند روز بست نفر از کفار گکھراں کہ اکثر خویشاں و اولاد و اقربا و فرزندان ایشاں در جنگ سلطان شہاب الدین کشتہ شدہ بودند ہم عہد و ہم سوگند شدہ و کشتہ شدن بر خود قرار دادہ در باب کشتن سلطان شہاب الدین تدبیر ہا جستند و در وقت کوچ کہ فراشاں سراپردہا فرود می آوردند خرگاہ خاصہ سلطان شہاب الدین و مضجع و مسکن او کما حقہ بخاطر آوردند، و شب سوم ماہ مذکور یکے از گکھراں پیش آمد و دربان سلطان را زخم کارد زدہ بگریخت، چوں غوغا شد جمیع مردم حتیٰ خدمتگاران نزدیک سلطان بروے جمع آمدند دراں وقت آں جماعت فرصت یافتہ یک شقی سراپردہ را بکارد شگافتند و داخل شدہ با کاردہا و دشنہائے برہنہ بخرگاہ درآمدند دو سہ غلام ترک خدمتگار کہ حاضر بودند از کمال حیرت مانند چوب خشک بحس و حرکت گشتند و گکھراں بخاطر جمع در اثنائے تیاری خفتن آں شاہ عالی جاہ را بیست و دو کارد زدہ بدرجۂ شہادت رسانیدند۔"

اوپر جو اقتباس نقل کئے ہیں اُن سے سلطان کے قاتلوں کی نسبت حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

حسب تحریر صاحب تاج المآثر	ملاحدہ

Marfat.com

حسب تحریر	امام ذہبی و امام یافعی	اسماعیلیہ
"	صاحب طبقات ناصری و حبیب السیر و ذکر الملوک	فدائیان ملاحدہ
"	صاحب روضۃ الصفا	فدائیان
"	صاحب لُبّ التواریخ	فدائیان ہندی
"	صاحب طبقات اکبری و منتخب التواریخ و جہاں آرا	فدائیان کھوکری
"	صاحب تاریخ گزیدہ و تاریخ فرشتہ	ہندوان کھوکری

ابو الفدار نے لکھا ہے کہ بعض اسماعیلیہ اور کھوکھری کو سلطان کا قاتل بتاتے ہیں۔

ان اختلافات پر غور و خوض کرنے سے پہلے واقعاتِ ذیل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:۔

محمد بن قاسم کی فتوحات کے باعث بلاد سندھ اسلامی ممالک میں شامل ہو گئے تھے، اور عباسیوں کے ظہور تک عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے سندھ میں آکر سکونت اختیار کر لی تھی، اور سو سال کے اندر اندر اس علاقہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کو اس درجہ رواج ہو گیا تھا کہ وہ شام و عراق کا نمونہ بن گیا، اور بلاد اسلام میں اسکا شمار ہونے لگا۔

عباسیوں کے عہد میں عراق اور یمن سے جو قبائل سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے اُن میں اکثر اسماعیلی اور قرمطی مذہب کے پابند تھے۔

اسماعیلیہ شیعہ مذہب کا ایک فرقہ ہے، اس کی بہت سی شاخیں ہیں، منجملہ اُن کے مشہور یہ ہیں:۔

(۱) اسمٰعیلیہ، اس کا بانی عبید اللہ مہدی ہے جس سے خلفائے فاطمیہ کی بنیا دپڑی ہے اس کا مرکز مصر تھا۔

(۲) باطنیہ، اس کا بانی حسن بن صباح اسمٰعیلیان مصر کا داعی الدعاۃ تھا، اور قہستان کا قلعہ الموت ان کا مرکز تھا[ل]۔

(۳) قرامطہ۔ اس کی بنا ابو سعید جنبانی نے ڈالی تھی۔ یمن اس کا مرکز تھا۔

ایرانی مورخین بالعموم باطنیہ کو ملاحدہ کہا کرتے تھے۔ بعض وقت اس کا اطلاق اسمٰعیلیہ مذہب کے تمام فرقوں پر بھی ہوا کرتا تھا۔

اسمٰعیلیہ مذہب کے دعاۃ میں ایک قسم فدائیوں کی تھی، یہ لوگ داعی الدعاۃ (صدر مجلس) کے ایما سے اون سلاطین و امرا و علمار کو قتل کیا کرتے تھے جو مذہب اسمٰعیلیہ کی اشاعت میں مانع و

ل اسی کو شیخ الجبال" اور انگریزی میں "Old Man of the Mountains" کہتے ہیں۔

Marfat.com

مزاحم ہوا کرتے تھے۔

چوتھی صدی کے اخیر میں اسماعیلی مذہب کو سندھ میں خوب زور ہو گیا تھا۔ مشہور سیاح بشاری جب ۳۷۵ھ میں سندھ میں آیا تو اُس نے ملتان میں اسماعیلیت کا بڑا زور پایا۔ اس کا بیان ہے کہ اُس وقت ملتان میں خلفائے بنی فاطمیہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، کوئی حکم فاطمی خلفا کی منظوری کے بغیر یہاں جاری نہیں ہوتا تھا، اور یہاں اس قدر اثر ان خلفا کا تھا کہ بغیر اجازت خلیفہ کے کوئی شخص تخت پر بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔[1]

سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۶ھ میں جب ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا تو سندھ اور ملتان اسمٰعیلیہ اور قرامطہ سے بھرا ہوا تھا، اور یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ محمود نے جب ملتان پر حملہ کیا تو وہاں کے فرمانروا ابوالفتح داؤد نے جو قرمطی تھا سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔[2] لیکن ان لوگوں کا ملک سے استیصال نہیں ہوا، کیونکہ ۵۶۹ھ میں سلطان محمد بن سام نے جب ملتان پر حملہ کیا تو اس میں انھی لوگوں کی حکومت تھی۔[3] کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی تقریباً پچاس سال تک قرامطہ نہ صرف سندھ میں موجود تھے بلکہ پنجاب اور گجرات میں بھی ان کی کثرت ہو گئی تھی۔ اور ان کا اس قدر زور ہو گیا تھا کہ انھوں نے دہلی میں آکر جامع مسجد میں مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ قاضی منہاج سراج کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں قرامطہ اور ملاحدہ سندھ گجرات اور دہلی کے اطراف گنگا جمنا کے دوآبہ میں پھیلے ہوئے تھے ایک شخص نور ترک کے اغوا سے یہ لوگ دارالملک دہلی میں جمع ہوئے اور ۶۔ رجب ۶۳۴ھ کو بروز جمعہ ایک جماعت نے جس میں چھ ہزار آدمی شامل تھے جامع دہلی میں گھس کر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا، اور جب یہ خبر عام ہوئی تو مسلمانوں نے جمع ہو کر ان سب کو قتل کر دیا اور ان میں سے ایک بھی سلامت نہیں بچا۔[4]

سلطان محمود کے زمانہ میں اور اُس کے بعد عرصہ دراز تک ایک قوم سومرہ نام سندھ میں حکمران تھی۔ ملتان اس کا دارالحکومت تھا، اور اسکی عملداری منصورہ سے شروع ہو کر مشرق میں جہلم اور جودی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس قوم کا ایک سردار شیخ نصیر امیر سبکتگین کا معاصر تھا۔ اس کے بیٹے ابوالفتح داؤد کے زمانہ میں سلطان محمود نے سندھ پر یورش کی تھی۔[5]

---

[1] احسن التقاسیم صفحہ ۴۸۱ و ۴۸۵۔ [2] کتاب الہند البیرونی صفحہ ۵۶ تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۳۱۳۔ [3] طبقات ناصری صفحہ ۱۱۹ [4] طبقات ناصری صفحہ ۱۸۹ [5] ترجمہ یمینی صفحہ ۲۱۰ میں اس کا نام ابوالفتوح لکھا ہے۔

محمد تغلق کے زمانہ تک یہ قوم سندھ میں حکمران تھی، لیکن آخیر زمانہ میں انکی حکومت کو ضعف ہو گیا تھا اور سندھ کے بعض شہروں میں کلان ترکی حیثیت سے ان کی حکومت باقی رہ گئی تھی[51]۔ میر معصوم نے لکھا ہے کہ سلطان عبدالرشید کے زمانہ میں سندھ میں سومرہ قوم نے بغاوت کی تھی[51]۔ ابن بطوطہ جب سندھ میں وارد ہوا تو اُس نے بھی سومرہ قوم کے ایک سردار کو شہر سیوستان میں حکمران پایا تھا[52]۔ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ محمد بن تغلق نے ۷۵۱ھ میں سندھ کی جانب یورش کی تو اُسے سومرہ قوم سے بھی دو چار ہونا پڑا تھا[53]۔

یہ قوم خلفا کے زمانہ میں عرب سے آکر سندھ میں آباد ہوئی تھی اور اُوسی زمانہ میں اُس نے مذہب اسمٰعیلیہ قبول کر لیا تھا۔ اسمٰعیلیہ مذہب کی مشہور کتاب الدروز میں ایک خط ہے جو ۴۲۳ھ میں سندھ اور ہندوستان کے اسماعیلی باشندوں کے نام لکھا گیا ہے اسمیں سومر کا نام بھی موجود ہے اور اُسے سردار موحدان ہندوستان کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں اسمٰعیلیہ مذہب پھیل گیا تھا، اور اُس کے پیرو ہندوستان میں کثرت سے آباد تھے اور ابو الفتح سومرہ ان کا سردار سمجھا جاتا تھا۔

گھوکر (گھکر) پنجاب کے شمال مغربی علاقہ کی ایک مشہور قوم ہے۔ اس کی سکونت نیلاب (سندھ) کے نیچے کوہ جودی کے دامن میں تھی جسے آجکل نمک کے پہاڑ (Salt Range) کہتے ہیں۔ اور سندھ کی سرحد سے ہمالیہ کے دامن تک یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو مورخین نے ہندی الاصل سمجھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا مرز بوم خُراسان تھا، اور وہاں سے ترک وطن کر کے جناب مسیح سے صدیوں پہلے یہ لوگ یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد انھوں نے بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کا ذکر تاریخ اسلام میں سب سے پہلے سلطان ابراہیم غزنوی کے عہد میں آتا ہے۔ اس کے بعد محمد بن سام کے زمانہ میں یہ قوم پھر صفحۂ تاریخ پر نمودار ہوتی ہے ۶۰۲ھ میں ان کی بغاوت کو سلطان نے فرو کیا تھا۔

گھوکروں نے سلطان محمود کی آمد سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور سلاطین ملتان کے داعیوں کی بدولت ان میں مذہب اسمٰعیلیہ کی اشاعت ہو گئی تھی۔ اور تور ترک جس کے اغوا سے شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی میں بلوہ ہوا تھا، گھوکروں کا سردار تھا۔ شمالی ہندوستان میں جب اسمٰعیلیہ اور قرامطہ

---

۵۱ ستید معصوم کی تاریخ سندھ
۵۲ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم صـ۹
۵۳ تاریخ فیروز شاہی صـ۲۲۴

کا استیصال ہوگیا تو انھوں نے شیعیت اختیار کرلی جس کا رواج ان میں اب سے تقریباً سو سال پہلے تک رہا۔ اس کے بعد انھوں نے شیعیت کو چھوڑ کر سنی مذہب قبول کیا اور اب نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہیں

اوپر کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمدؒ بن سام کے زمانہ میں سندھ اور شمالی ہندوستان میں اسماعیلی مذہب زور پر تھا اور پنجاب کے گھوکروں میں بھی اس کی اشاعت ہوگئی تھی۔ اس نتیجہ کے حاصل ہونے کے بعد مورخین کے بیانات کو باہم تطبیق دینے کے لئے کوئی وقت باقی نہیں رہتی ہے جن لوگوں نے سلطان کے قاتلوں کو گھوکر لکھا ہے اونھوں نے قومیت ظاہر کی ہے جن لوگوں نے ملاحدہ اور اسمٰعیلیہ لکھا ہے اونھوں نے مذہب کی جانب اشارہ کیا ہے۔ جن مورخین نے فدائیان ہندی اور فدائیان کھوکری لکھا ہے، اس سے وہ لوگ اسماعیلی گھوکروں کے فدائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے اوپر کے اقتباسات میں جو اختلاف نظر آرہا ہے۔ وہ حقیقت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اون سے ایک ہی قوم مراد ہے جو قوماً گھوکر اور مذہباً اسماعیلی تھی۔

Marfat.com

اکبر کی تمدّنی اصلاحین

ہندوستان کے سپوت راجاؤن کے راجہ بادشاہون کے بادشاہ شہنشاہ اکبر کو اِسوقت دُنیا سے گزرے پوری تین صدیان ہوئی ہین لیکن اِسکے کارنامے اور احسانات ہمارے دلون پر کالنقش فی الحجر ہین۔ نقش حجر کو زوال ہے مگر اِنکو زوال نہین۔ تین صدیان کیا اگر تین ہزار صدیان بھی گزر جائین تو یہ ویسے ہی اُجاگر اور ویسے ہی تازہ رہین گے جیسے اِسوقت ہین بلکہ اِس سے بھی کہین زیادہ حتیٰ کہ اگر ہم بُھلانا بھی چاہین تو نہ بھلا سکین گے۔ ہم ہندیون کو بادشاہ پرست کہا جاتا ہی لیکن اگر اپنے محسنون کی یادگار کو تازہ کرنا اور اُنکے احسانات کو یاد کر کے اُنکے نامون کو زندہ رکھنا بادشاہ پرستی ہی تو ہم بادشاہ پرست ہی نہین بلکہ انسان پرست ہین۔ بشرطیکہ کوئی انسان ہو۔ چنانچہ آج کا یہ عظیم الشان جلسہ اِس خیال کی سچی شہادت اور اِس ولولے کے اظہار کا ایک پرتو ہے۔

ہندوستان ایک ایسا ملک بلکہ ملک المالک ہی جسکا ہر کونہ نیا اور ہر بستی نرالی ہی۔ اقوام کو لو تو مذاہب کو لو تو۔ غرض حجر شجر انسان حیوان مذہب وملت آب وہوا رسم ورواج رنگ روپ بات چیت سوچ بچار سب مین رنگ اختلاف جلوہ گر ہی۔ یہان کے چپے چپے پر نیا سمان اور نئی یادگارین ہین اور یہانکی ہر زمین کا باوا آدم نرالا ہے۔ ایک کو ایک سے میل نہین ایک کو دوسرے سے راہ نہین گویا ہمارا سارا کارخانہ اَنمل بے جوڑ ہے۔ تو کسقدر مصیبت اور بلا اور آفت کا سامنا ہے اُس فرمانروا کے لیے جو ایک ایسے ملک پر جہان ہر موقع پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہو۔ حکومت کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہ کٹھن منزل ہی جسکے

Marfat.com

سامنے رستم و اسفندیار کی ہفتخوان کی بھی کچھ حقیقت نہین لیکن کسقدر بہادر اور قابل عظمت اور کیسا مبارک ہے وہ بادشاہ جسنے ملک فتح کرنے کے ساتھ ہی رعایا کے دلون کو بھی فتح کر لیا اور نفاق و اختلاف کی جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے ملک کو جنت الفردوس بنا دیا۔ غیر اپنے بنگئے۔ دشمن دوست ہوگئے حاکم محکوم مین کچھ امتیاز نہ رہا۔ عدل و انصاف و آزادی کا ڈنکا بجگیا۔ ہند کا یہ مبارک بادشاہ۔ نہین۔ ہندیون کا بادشاہ ہمارے اور آپ کے دلون کا بادشاہ۔ تین صدیان ہوتی ہین اس سرزمین پر ایسے فرمان روائی کر کے گیا ہے کہ جسے دیکھکر خود دُنیا کی تاریخ دست بدندان ہے اور جسکے رعیت پروری عدل و انصاف کی شمیم جانفزا اب بھی ہمارے دل و دماغ کو معطر کر جاتی ہے اور اسلیے وہ صرف نام کا اکبر نہ تھا بلکہ ہر لحاظ سے اکبرا ور اکبر اعظم کہلانے کا مستحق ہے۔

حضرات! یہ بدنصیب ملک ایک زمانۂ قدیم سے جسکا پتہ دیتے ہوے تاریخ ہچکچاتی ہے پائمال غیر رہا ہے۔ شمال و جنوب سے پہاڑون کو کھندلتے اور سمندرون کو رَوندتے پے در پے فاتح یہان پہونچے۔ اسمین آریا ہون یا یونانی ترکی ہون یا فرنگی سب آئے اور اپنا زور حکومت دکھائے۔ کہان ترکستان اور کدھر انگلستان کہان یونان اور کہان فرانس کہان ایران اور کدھر پرتگال و ہالنڈ بعض طوفان اور آندھی کیطرح آئے اور جس زور شور سے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ بعض گرجے اور برسے اور کافور ہوگئے۔ بعضون نے قدم جمائے مگر ایک مدت بعد اُکھڑ گئے اور بعض ابتک جمے ہوے ہین۔ یہ ہمیشہ ایشیا اور یورپ کی اقوام کا جولانگاہ رہا۔ سب اپنی اپنی نوبت مین اپنا اپنا ڈنکا بجا کے چلے گئے اور جو نہین آئے اُنکا ابھی اسیر دانت ہے اور انھین کی روک تھام کے لیے سرحد کا استحکام ہو رہا ہے۔ غرض یہ نگری یونہین مٹتی رہی آج کسی کے پاس تھی کل کسی کے پاس۔ آج ایک کا پھریرا لہرا رہا ہے تو کل دوسرے کا نقارۂ فتح بج رہا ہے۔ ہندوستان کو اِن لوگون نے اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا اور بنا رکھا ہے جو آیا اسنے اپنے ہی قدح کی خیر منائی سلطنت اور حکومت کے رنگ دکھائے۔ اسمین شک نہین کہ انمین بعض بندۂ خدا ایسے بھی تھے جنھون نے نہایت بے نفسی اور لیاقت کے ساتھ حکومت کی مگر وہ اس بارے مین کسی

Marfat.com

اصول اور قاعدے کے پابند نہ تھے بلکہ اسے بھی طبیعت کی ایک لہر سمجھنا چاہیے
اکبر پہلا شخص ہے جسنے ہند کی سلطنت پر حکیمانہ نظر ڈالی اور وہ چال چلا جو شاہان
پیشین مین سے کسی کو نہ سوجھی تھی۔

اکبر کی ولادت ایک لق ودق ریگستان اور ہُو کے میدان مین ہوئی تھی
جہان اسکا باپ ہمایون ایک عجیب بے سروسامانی کے ساتھ چند رفیقون کو لیے
پڑا تھا۔ اور کہین ٹھکانا اور سہارا نظر نہ آتا تھا یہ پریشانی اور حرمان ومایوسی اور
اسکے اسباب اور واقعات غالباً سب اکبر کے پیش نظر تھے اور ہمایون کی دردانگیز
سرگزشت ایسی نہ تھی کہ اکبر سا شخص بڑا ہو کر اُسے بھول جائے۔ اسنے دیکھا کہ
جب شیرخان کے ہاتھون ہمایون کو بھاگنا پڑا تو سب سے اول بھائیون پر نظر پڑی
وہ انھین اپنا دست وبازو سمجھے ہوے تھا اور اُنسے بڑی بڑی امیدین تھین
لیکن بھائی یوسف کے بھائی نکلے اور وقت پر یگانے بیگانے ہوگئے۔ رہے ملک
والے سو اُنھون نے بات تک نہ پوچھی اور پوچھتے کیون جب طرز معاش اور بود
باش ہی ایسی ٹھہری جس سے کسی طرح میل ملاپ اور اُنس نہو سکے۔ اُنکی بلا سے
اگر ہمایون ہارا تو شیرخان جیتا تو۔ اُنکے لیے دونون برابر تھے۔ سگ زرد برادر
شغال۔ ان تمام واقعات سے اکبر خوب سمجھ گیا تھا کہ اگر کچھ قصور ہے تو ہمارا اور
خطا ہی تو ہماری۔ یہ بھی کوئی سلطنت ہے کہ اسے حاصل تو کرین جان دیکر سر کٹوا کر
خون بہا کر اور پھر بیگانے کے بیگانے اور آڑے وقت پر بے دست وپا اور مجبور۔
سلطنت کیا ہوئی یہ تو شب باشی ٹھہری یا سرائے کا قیام کہ رات بھر ٹھہرے اور
صبح کو کوچ۔ چنانچہ اس ہونہار نوجوان نے زمام سلطنت سنبھالتے ہی ان عبرتناک
واقعات سے سبق سیکھا اور اس سبق سے نئی راہین نکالین جنکی نظیر تاریخ مین ڈھونڈھے
سے نہین ملتی۔

اُس نے سب سے اول اس ملک کو اپنا دیس بنایا اور دیس والون کو
اپنا ساتھی۔ اُسنے دیکھا کہ جب مجھے اس گھر مین رہنا ہے تو گھر والون کو اپنا بنا کے
رکھنا ضرور ہے۔ اسمین شک نہین کہ اُسے یہان والون سے جنگ وجدل کرنا پڑی
مگر ساتھ ہی زخمون پر مرہم بھی رکھا اور اُنکے آنسو پونچھے۔ جتنا لیا تھا اُس سے

Marfat.com

زیادہ دیا۔ ریاستین اُنکی بحال رکھین بلکہ اسناد لکھدین۔ اسناد کے ساتھ ہاتھی گھوڑے اسلحہ وجواہرات بھی عطا ہوے۔ اُنکے موروثی خطابون اور القابون پر اضافہ کیا اور جدید منصب اور علم شاہی ماہی مراتب نوبت نقارے وغیرہ سب لوازم امارت عنایت کیے۔ اور جو اُنکے خیال تک مین نہ تھی وہ عزت و توقیر کی۔ اخلاق اور ملنساری وہ جادو ہے جو وحشی سے وحشی کو رام کرلے۔ اور یہ اخلاق کا پُتلا تھا۔ ادنیٰ سے اعلیٰ اور راجہ سے پرجا تک اِسی کا دم بھرتے تھے۔ اِسنے حکومت کے ساتھ انتظام کیا اور انتظام کے ساتھ تسخیر قلوب۔ ذات پات مذہب و ملت رنگ اور قومیت سب کا امتیاز اُٹھا دیا۔ اِسکی نظر مین ہندو مسلمان پارسی اور عیسائی سب ایک تھے۔

راجپوت کی قوم جو فخر اقوام ہند ہے اور جو شجاعت شرافت اور جوانمردی مین اپنا نظیر نہین رکھتی۔ جنکے مقابلے مین اکبر اور اُسکے باپ بھائیون کو سخت مشکل کا سامنا پڑا تھا اور جو معرکۂ کارزار مین انسے کلہ بکلہ لڑے تھے۔ آخر ایک روز اِسکے وفادار اور جان نثار رعایا بنگئے۔ یہ ایک ایسی ٹیڑھی بانکی قوم ہی کہ ناک پر مکھی نہین بیٹھنے دیتی اور جسکی غیرت اور بہادری کی دھاک چاردانگ عالم مین بیٹھی ہوئی ہے اُنپر وہ افسون پھونکا کہ اکبر ہی کا کلمہ پڑھنے لگے۔ جان کے دشمن جان سے عزیز اور بھائی بند بنگئے۔ اکبر نے اُنکے اعزاز اور قدر و منزلت مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور اُنھون نے بھی نمک حلالی اور جان نثاری کا پورا حق ادا کیا۔ راجہ بھگوان داس۔ مان سنگھ۔ ٹوڈرمل۔ بیربل۔ کے نام تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہین گے۔ یہی لوگ اِسکے صوبہ دار، سپہ سالار۔ وزیر۔ مشیر۔ اور مصاحب تھے اور ان مین اور مسلمان امراء واعیان مین کچھ فرق نہ تھا بلکہ سو بسوے اِنھین کو ترجیح رہتی تھی۔ ٹوڈرمل کو وہ وہ اختیارات واقتدارات سلطنت مین حاصل تھے کہ بڑے بڑے امراء اُس سے جلنے لگے اور بادشاہ تک شکایتین پہونچائین مگر نیک دل بادشاہ نے سب کے مُنہ بند کردیے۔ بیربل اکبر کو جیسا عزیز تھا وہ فسانۂ عالم ہے اور بچے بچے کی زبان پر ہے۔ مان سنگھ کی جو عزت اور وقعت اکبر نے کی کوئی کیا کریگا۔ اگر وہ خانخانان کو مرزا خان اور خان اعظم کو مرزا عزیز کہتا

تو مان سنگھ کو مرزا راجا کہکر پکارتا۔ فرزندی کا لقب عطا کیا۔ اور درحقیقت بیٹون کی طرح اس سے برتاؤ کرتا تھا۔ حرم سرا کے کاروبار اور سفر کے موقع پر کل اہتمام راجہ بھگوان داس کے سپرد تھا۔ یہانتک کہ مریم مکانی کی سواری کے ساتھ بھی راجہ موصوف ہوتے اس سے بڑھکر اور کیا اعتبار ہوسکتا ہو۔ یہ سب کچھ تھا اور خوب تھا لیکن حکومت کا حصّہ خواہ کتنا ہی بڑا کیون نہو آپس کا میل جول خواہ وہ کیسے ہی عزت و وقار کے ساتھ کیون نہو۔ الفت و مودت خواہ وہ کیسی ہی دلی اور گہری کیون نہو۔ آخر عارضی اور اُسکے دم تک تھی۔ وہ تو ایک ایسی عالیشان عمارت کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی اور جسے کسی صدمہ اور طوفان سے تزلزل نہو۔ وہ عارضی رشتون کو توڑ کر حقیقی رشتہ جوڑنا چاہتا تھا۔ وہ فاتح مفتوح حاکم و محکوم کی حیثیت کو مٹا کر ایک قوم ایک مُلک ایک ہندوستان بنانا چاہتا تھا۔ اِسلیے اسنے ہندو مسلمان مین وہ رشتہ قائم کیا جس سے بڑھکر دُنیا مین کسی رشتہ کو استحکام نہین۔ یعنے وہ خون جو الگ الگ رگون مین بہ رہے تھے اسنے لاکر ایک جگہہ کر دیے۔ وہ دل جو الگ الگ پڑے دھڑک رہے تھے باہم ملا دیے گرد وہ ہم آواز و ہم آہنگ ہوگئے جنسے پیہم یہ صدا آرہی تھی۔ من تو شدم تو من شدی تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری۔ یہ اصول گویا بنیادی پتھر ہے اُسکی تمام مصالح مملکت کا۔ اُسکی تمام تمدنی اصلاحون کا۔ اور تمغہ ہے اُسکی ابدی نیکنامی اور ہر دلعزیزی کا۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ کام آسانی سے نکل آیا۔ معلوم نہین کن کن دقتون کا سامنا ہوا ہوگا اور کیا کیا تدبیرین کی گئی ہونگی۔ سب سے اول امبیر (جے پور) کے راجہ نے شاہان مغلیہ سے رشتہ قائم کیا۔ راجہ بہاری مل نے اپنی لڑکی بادشاہ سے بیاہی۔ اکبر نے اِس رشتہ کو خاص اصول پر رواج دیا۔ اور ان راجاؤن کی لڑکیون سے بڑے بڑے نامور شہنشاہ اور شاہزادے پیدا ہوے سلطان سلیم جو شہنشاہ جہانگیر کے نام سے تخت پر بیٹھا اسکا بدنصیب بیٹا خسرو اور دوسرا بیٹا شاہجہان جسکی شان و شوکت وجاہ و جلال اور امن و صلح جوئی یادگار زمانہ ہے شہنشاہ اورنگ زیب کا نامراد سرکش بیٹا اکبر یہ سب اِنھین

Marfat.com

راجاؤن کی لڑکیون کے بطن سے تھے گذرے وقت مین فرخ سیر نے اجیت سنگھ راجہ مارواڑ کی بیٹی سے شادی کی۔ اس عہد سے پہلے بھی ہندو مسلمانون مین بیاہ شادیان ہوئین لیکن اسوقت ہندو رانیون اور امیرزادیون کو مسلمان ہوکر رہنا پڑتا تھا جسمین شان حکومت پائی جاتی تھی لیکن مغلون کے زمانے مین وہ مسلمان نہین ہوتی تھین بلکہ کسیقدر بادشاہون ہی کو ہندو بنا لیتی تھین۔ چنانچہ بہت سی ریت رسوم۔ اور بہت سی باتین لباس و آرایش مین سواری مین اور دربار کے آداب مین ہندؤن کی آگئی تھین۔ ہندو راجہ اپنے بھانجون کی حمایت مین ملک کے لیے لڑتے اور سلطنت کے استحکام اور ترقی دینے مین ساعی رہتے تھے۔ اکبر نے اس اتحاد کے استحکام کے لیے چند قواعد ایسے بھی بنا دیے تھے جنسے اسکی کمال بے تعصبی پائی جاتی تھی۔ مثلاً اگر کوئی ہندو بچپن مین کسی وجہ سے بخلاف اپنی مرضی کے مسلمان ہوگیا ہو تو اگر وہ چاہے اُسے اجازت ہو کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کیطرف پھر رجوع کرے۔ اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کے عشق مین مسلمان ہوگئی ہو تو وہ جبراً اُس سے چھین کر اسکے خاندان والون کو واپس دیدیجائے۔ اور اُن سب سے قطع نظر کرکے اُسنے اپنا مذہب بھی غالباً اُسی خیال سے ایجاد کیا تھا کہ مذہب اور تعصب اسکے اصول کے حائل نہون۔ ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب کے معبد بنانے کا اختیار ہے کوئی کسی کا مانع نہین ہوسکتا۔ علاوہ اسکے جزیہ جو بعض بادشاہون کے زمانے مین اہل ہنود سے لیا جاتا تھا سلطنت کے انقلاب مین کبھی موقوف ہوجاتا اور کبھی قائم۔ اکبر کو جلوس کے پہلے ہی سال اسکا خیال ہوا لیکن اسوقت کسیقدر بے اختیاری بے بسی تھی کچھ نہ کرسکا۔ آخر ۹۸۸ھ ۲۵ جلوس مین اس اتحاد کی مزید تقویت کے لیے یک لخت موقوف کردیا گیا۔ اور اُسکے ساتھ تمغا یعنے محصول بھی معاف کردیا گیا۔ حالانکہ اس سے ہزارون کی آمدنی تھی۔ مگر اس دریا دل تاجدار نے اپنے سچے اصول کے مقابلے مین اسکی کچھ پروا نہ کی۔ بیگانون مین شادی بیاہ کرنے کے متعلق آئین اکبری مین اسکا یہ قول درج ہو کہ "بیگانون مین زناشوئی پسندیدہ ہوتی ہے اس لیے کہ بیگانگی خویشی ہوجاتی ہے

Marfat.com

اور خویشوں میں جتنی دوری زیادہ ہو اتنی ہی آزرم نزدیک تر ہوتی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ آدم کے زمانے میں ہر شکم سے ایک دختر اور ایک پسر پیدا ہوتے تھے اور ایک کا بیٹا دوسرے کی بیٹی سے بیاہا جاتا تھا اس سے بھی اوپر کی بات میں آگاہی ہوتی ہے۔"

میرے خیال میں یہ اکبر کی سب سے بڑی اصلاح اور اُسکی سلطنت کی سب سے بڑی یادگار اور اُسکی زندگی کا سب سے بڑا قابل قدر کام ہے۔ ہمارے زمانے کے مدبر اور ریفارمر جس خیال کے اب خواب دیکھ رہے ہیں اکبر تین سو برس پہلے اسے عمل میں لا چکا تھا۔ اس سے بڑھکر اور کیا شے اسکی زمانہ شناسی عاقبت بینی اور مصلحت اندیشی پر دلالت کر سکتی ہے۔ بعض متعصب لوگ اُس زمانے میں اکبر کی اس مصلحت کو بُری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اب بھی بہت سے اللہ کے بندے اُسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ مگر یہ عالم ہی اور ہے۔ مصلحت ناشناس اور درد ناآشنا دل اُسے کیا سمجھیں۔ وہ ان رمزوں سے کیا واقف اور وہ ان باتوں کو کیا جانیں۔ یا بقول ابوالفضل کے جو اسنے ایک مندر کے کتبے میں لکھا ہے "اگر نظر بر دل است با ہمہ ساختنی است و اگر چشم بر آب و گل ست ہمہ انداختنی"

۲۔ اکبر کی دوسری اصلاح جو دُنیا میں سب سے بڑھکر یادگار رہیگی اور جب تک ہندوستان قائم ہے اور تاریخ کا وجود اس عالم میں رہیگا۔ اکبر کی یہ اصلاح ہمیشہ شکر اور فخر کے ساتھ ذکر کیجائے گی۔ اکبر کو اس رسم کے مٹانے کا ابتدا سے خیال تھا چنانچہ ابوالفضل اکبرنامہ میں لکھتا ہے کہ جب مُلک ظلِ شاہی میں پوری طرح آگیا تو شہر اور پرگنے میں انسپکٹر مقرر کیے گئے کہ وہ اس امر کی تفتیش کریں کہ آیا جو عورتیں ستی ہو[illegible] وہ اپنی رضا و رغبت سے ہوتی ہیں یا جبر و اکراہ سے۔ اور اُنکو حکم تھا کہ جہاں کہیں انھیں جبراً ستی کیا جاتا ہو تو اُسے فوراً روک دیا جائے۔

کوتوال کو خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ کسی عورت کو اُسکی مرضی کے خلاف ستی نہونے دیا جائے اور یہ محض زبانی باتیں اور احکام ہی نہ تھے

بلکہ اسکے متعلق اسے ہمیشہ ٹوہ رہتی تھی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ۹۹۱ھ مین بادشاہ نے راجہ جے مل کو گھوڑے کی ڈاک مین بھیجا۔ کام ضروری تھا گرمیون کی جلتی دھوپ اور اسپر دوڑا دوڑ آخر اسکا رستہ ہی مین کام تمام ہوگیا۔ اور حدود جوسا مین روح پرواز کر گئی۔ اسکی بیوی راجہ اودے سنگھ پسر رائے مالدیو عرف موٹا راجہ کی بیٹی تھی۔ وہ دل سے ستی ہونے پر راضی نہ تھی۔ اسکا بیٹا اور چند جاہل رجپوت اسے بجبر ستی کرنا چاہتے تھے۔ محل مین پہر دن چڑھے بادشاہ کو خبر ہوئی۔ خداترس بادشاہ کے دل مین انسانی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور اُسکے روکنے کی فکر مین غوطہ زن ہوا۔ سوچا اگر کسی امیر کو بھجواؤن تو اسکے سینے مین اپنا دل اور دل مین یہ درد کیسے پیدا کر سکتا ہون ممکن ہے وہ تاخیر یا تساہلی کرے اور سارا کھیل بگڑ جائے۔ اور ایک بیکس عورت کی ناحق جان جائے۔ یہ سوچ وہ اسپ بادپا پر سوار ہوا اور راجہ کے دیس کی راہ لی۔ لوگ اصل حقیقت سے آگاہ نہ تھے۔ بادشاہ کے یکایک اسطرح غائب ہو جانے سے ایک کھل بلی مچگئی اور شورہ سر بیہودہ لوگون نے طرح طرح کی بُری بُری افواہین مشہور کردین۔ اخلاص مند جان نثارون نے ہتھیاربندی کی لڑائی کا سامان کیا۔ بادشاہ کے اس بے تحاشہ اور بگ ٹٹ دوڑا دوڑ مین کشک کے آدمی بھی ساتھ نہ پہونچ سکے چند جان نثار اور کئی خدمتگار رکاب مین رہے۔ جب بادشاہ عین موقع پر اس ہنگامہ کے قریب پہونچا تو جگناتھ اور رائسال آگے آئے اور آشفتہ رائے ناخداترس سرگروہون کو گرفتار کرکے حضور مین پیش کیا۔ نیک دل بادشاہ نے فرمایا کہ انکی پیشانی سے شرمندگی نمایان ہے اور حالت غیظ وغضب مین بھی جان بخشی کی مگر مقید کرلیا پھر تھوڑے ہی زمانے مین بادشاہ اس مہم سے واپس ہوکر اپنی رامگاہ کو واپس آیا اور ترانۂ شادی بلند ہوے اللہ اکبر اکبر کی یہ عدالت۔ یہ جوش ہمدردی اپنی رعایا کی سچی محبت۔ صدہا اور ہزارہا آفرین وتحسین کے قابل ہی۔

لارڈ ولیم بنٹنگ ہندوستان کے اُن وایسراؤن مین سے ہے جنھین ہم اپنے محسنون مین شمار کرتے ہین۔ اس نیک طینت وایسرائے نے ہندوستان کے بہت بڑے ریفارمر راجہ رام موہن اور ایک دوسرے

Marfat.com

روشن خیال شخص دوارکا ناتھ ٹیگور کی اعانت سے یہ رسم قانوناً مٹادی۔ لیکن اگر لارڈ بنٹنگ شہنشاہ اکبر کی اس ہمدردانہ کوشش اور سعی سے واقف ہوتے جو اُسنے اس بارے مین کی ہے تو وہ کبھی اپنی اُس فاضلانہ تحریر مین جو اُنھون نے ۸ نومبر ۱۸۲۹ء مین لکھی یہ الفاظ تحریر نہ کرتے کہ "تمام مسلمان فاتحون کا یہ شیوہ رہاہے کہ وہ ہرگز ان معاملات مین مداخلت نہ کرین"! بڑے مزے کی یہ بات ہو کہ راجہ رام موہن رائے نے اس بارے مین وہی طریقہ اختیار کرنے کی رائے دی جو اکبر نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ یہی وائسرائے کہتے ہین کہ "انھون نے (یعنے راجہ رام موہن رائے نے) مجھے یہ مشورہ دیا کہ اس رسم کو بلا واسطہ طور سے پولیس کے ذریعے اور نیز بعض بقیون کے حائل کر دینے سے چپ چاپ اسطرح موقوف کیا جائے کہ کسی کو پتہ نہ لگے"۔

ہندؤن کا یہ خیال تھا کہ عورت کے ستی ہونے سے مرد کی نجات ہوتی ہو اکبر نے اسکے متعلق ایک لطیف خیال ظاہر کیا ہے وہ کہتا ہے "ہندوستان مین عورتون کے ستی ہونے کی رسم قدیم سے چلی آتی ہے۔ وہ شوہر کی لاش کے ساتھ جلکر کشادہ پیشانی کے ساتھ جان دیدیتی ہے اور اس فعل کو اپنے شوہر کی نجات کا باعث جانتی ہے۔ مردون کی ہمت پر افسوس ہے کہ وہ عورتون کی دستاویز سے اپنی رہائی ڈھونڈھتے ہین"۔

۳۔ خیر ستی تو ایک بڑا اہم مسئلہ تھا اور اُسپر ہاتھ ڈالنا اکبر جیسے ہی بہادر اور نیک طینت شخص کا کام تھا لیکن اسنے اس بیکس فرقۂ نسوان کی اصلاح کے متعلق مختلف پہلوؤن پر غور کیا اور حتی الامکان انکی اصلاح مین کوشش کی اکبر کا یہ قول کسقدر سچا ہے۔ "ہندوستان مین عورتون نے اپنی حیات بے بہا کو کم قیمت کر رکھا ہے"۔ مین ان اصلاحون کا ذکر اسکے اقوال اور اعمال ہی کرتا ہون۔

اکبر چھوٹی عمر کی شادی کے مخالف تھا وہ کہتا ہے "چھوٹی عمر مین شادی کرنے سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔ اس کام سے جو اصل مقصود ہے وہ بہت دُور ہوتا ہے اور اسکا گزند نزدیک۔ جس آئین مین کہ عورت کا دوسرا نکاح کرنا جائز نہین اس سے بڑی دشواریان پیدا ہوتی ہین"۔ وہ نابالغ عورتون اور مردونمین

اِس قسم کے پیوند کو بہت مکروہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ اِس سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔ جب یہ دونوں عاقل بالغ ہوتے ہیں تو اُنکو یہ آمیزش ناخوش معلوم ہوتی ہے اور خانہ ویرانی ہوتی ہے۔" اِس اصلاح کی اب بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ اولاد کے حق میں ماں باپ بڑا ستم ڈھاتے ہیں اور اُن بیچارے بے زبانوں کو آنکھ بند کرکے اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جب اُنکے وہم سے گرنے کی آواز آتی ہے تو اُسپر کھل کھلا کر ہنستے ہیں شادیانے بجاتے ہیں دعوتیں کرتے ہیں اور مزے اُڑاتے ہیں۔ یہ مذموم اور قبیح رسم جہالت کی سب سے بڑی علامت ہے جس سے ملک کو بے انتہا نقصان پہونچ رہا ہے۔ علامہ ابوالفضل نے ایک دوسرا قول اسی کے متعلق نقل کیا ہے کہ "جیسا کہ چھوٹی عمر کی عورت سے نزدیکی کرنا خدا کو ناراض کرنا ہے۔ ایسے ہی بڑھیا سے جسکی جننے کی عمر نہ رہی ہو۔ یہ اکثر پچپن سال کے بعد ہوتا ہے۔" اور عزت کے بھی خلاف ہے اور یہ بھی ہے مثل مشہور ہے۔ بڈھی گھوڑی لال لگام۔ بادشاہ نے یہ قاعدہ بتا دیا تھا کہ لڑکوں کی سولہ سال سے اول اور لڑکیوں کی چودہ سال سے اول ہرگز شادی نہ کیجائے۔ اور اِس آئین کی تقویت کے لیے یہ قرار دیا گیا تھا کہ چونکہ ہندوستان میں مرد عورت کو نہیں دیکھ سکتا جس سے بہت سی دقتیں حائل ہوتی ہیں لہذا دولھا دُلھن کی رضا اور ماں باپ کی اجازت نہایت ضروری ہے۔" اکبر کا محض قول ہی قول یارا ہے ہی نہیں تھی۔ بلکہ اسے اِسنے قوانین میں داخل کر دیا تھا اور اِسکی دیکھ بھال کے لیے دو ہوشیار اور نیک چلن عہدہ دار مقرر کیے تھے۔ یہ عہدہ دار "طوی بگی" کہلاتا ہے۔ اِنمیں سے ایک دُلھن کے اور دوسرا دولھا کے حالات دریافت کرتا۔ بعض اوقات دونوں فرائض ایک ہی شخص ادا کرتا تھا۔ عوام کی تفتیش حالات کوتوال کے سپرد تھی۔ جبتک کوتوال یا اِسکے عہدہ دار دولھا دُلھن کے حالات اور اُنکی عمر وغیرہ دریافت نہ کر لیتے شادی نہونے پاتی۔ شادی پر ایک قلیل ٹکس بھی قایم کر دیا گیا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اِس قاعدے کے شاکی ہیں کہ اِس سے اُن عہدہ داروں کے بڑے مزے تھے۔ رشوت کا بازار گرم تھا خیر یہ تو

Marfat.com

تین سو برس پہلے کا ذکر ہے۔ اس قسم کے معاملات مین اسوقت بھی جبکہ تہذیب اور شایستگی اور تعلیم کا چرچا گھر گھر ہے یہ شکایت ویسی ہی باقی ہے۔

اسی طور پر اکبر نے ہندو بیواؤن کے عقد ثانی کے متعلق قانون بنایا اور نافذ کیا جسکا خلاصہ یہ ہے "اگر بیوہ عقد ثانی کرنا چاہے تو وہ بلا تردد کر سکتی ہے اگرچہ یہ ہنود کے خیالات کے خلاف ہے"۔

"ایک ایسی ہندو لڑکی جسکا خاوند رسوم شادی کی تکمیل کرنے سے پہلے مرجائے ہرگز نہ جلائی جائے۔ لیکن اگر ہندو اسکو برا مانین اور اپنی حرکت سے باز نہ آئین تو انہین سے ایک ہندو جسکی بیوی مرچکی ہو اس لڑکی کو لے اور وہین اس سے شادی کرلے" یہ اُن وقتون کا ذکر ہے جبکہ زمانے کی رفتار چھکڑے اور گاڑی کی سی تھی اور آج کا وہ زمانہ ہے جسکی رفتار ریل گاڑی کی سی ہے لیکن جب ہم اکبر کے اِن روشن خیالات کا مقابلہ آجکل کی حالت سے کرتے ہین تو خود بخود دل مین یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھ رہے ہین یا پیچھے ہٹ رہے ہین۔ بڑی دوڑ دھوپ سعی و کوشش لکھا پڑھی سے شادی مین عمر کی قید قائم ہوگئی۔ لیکن ہرچند بعض بہی خواہان ملک نے چاہا کہ قانونی دست اندازی کیجائے لیکن منظور نہ ہوا۔ یہی حال عقد بیوگان کا ہوا۔ مسئلہ قانون کے حدود مین آگیا لیکن قانون اپنا اثر نہ ڈال سکا۔ ہر فرمانروا اکبر سا ہونے سے رہا اور نہ اسے یہ موقع اور حالات نصیب ہوسکتے ہین۔ یہ ہمارا کام ہے کہ متفقہ کوششون سے اپنی اصلاح کا آپ انتظام کرین۔ گورنمنٹ کو کیا پڑی ہے کہ اِن بھڑون کے چھتے مین ہاتھ ڈال کے اپنا منہ سُجالے۔ لیکن ہم کچھ ایسے سکون پسند او رہماری رفتار ایسی دھیمی واقع ہوئی ہے کہ اِن باتون کو حاصل کرنے کے لیے اتنا ہی عرصہ چاہیے جتنا اکبر کو مرے اسوقت ہوتا ہے۔ وہ زمانہ گیا جب ہر ایک نفسی نفسی پکارتا تھا اور سب ملکر بادشاہ کی دُہائی دیتے تھے۔ اُسوقت بادشاہ ہی ماں باپ تھا اور بادشاہ ہی ان داتا بادشاہ ہی امام تھا اور بادشاہ ہی ریفارمر بادشاہ ہی مقنن تھا اور بادشاہ ہی قاضی۔ اب نفسا نفسی کے ساتھ قوم و ملت کی دُہائی ہے۔ اور اُسی مین ملک کی اور اُسی مین بادشاہ کی بھلائی ہے۔

Marfat.com

غرض اس بالغ نظر تاجدار نے علاوہ ستی زبردستی کی شادی بچپن کی شادی اور عقد بیوگان کے متعلق قانون بنانے کے اسی مسئلہ کے ضمن مین بعض اور مفید امور پر بھی نظر ڈالی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ "ایک سے زیادہ شادی کرنا اپنے خون مین تگاپو کرنی اور اپنے تئین تباہ کرنا ہے۔ اس سے صحت اور گھر کا امن دونون برباد ہوتے ہین"

وہ قریبی رشتہ دارون مثلاً چچا کی بیٹی وغیرہ سے شادی بھی پسند نہین کرتا تھا کیونکہ اس سے باہمی رغبت کم ہوتی ہے اور اولاد ضعیف۔ بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنے مین بھی یہی نقص لازم آتا ہے۔ یہ سب باتین درحقیقت بڑے تجربے اور حکمت کی ہین اور اس موقع پر انپر بحث کرنا زیادہ ضروری معلوم نہین ہوتا۔

وہ بڑے بڑے مہر باندھنے کا بھی مخالف تھا اسلیے کہ اگر وہ ادا بھی کردیے جائین تو ایک قسم کی جھوٹی نمایش ہے اسلیے کہ وہ بہت کم ادا کیے جاتے ہین۔ مہر کا بڑھانا پیوند کا توڑنا ہے۔ لیکن وہ اسے بھی تسلیم کرتا ہے کہ مہر کے تعین سے ایک حد تک طلاق کی روک ہوجاتی ہے۔

بازاری عورتون کو شہر کی آبادی سے نکالکر ایک خاص جگہہ آباد کردیا کہ جسے ننگ و ناموس کا خیال ہو وہان جائے اور شہر کو اپنے فیض اثر سے محفوظ رکھے۔ اس مقام کا نام شیطان پورہ رکھا۔ اسکے لیے بھی آئین تھے۔ داروغہ منشی۔ چوکیدار موجود تھے جو حضرت کسی کو سرافراز فرماتے یا گھر لیجاتے انکا نام کتاب مین لکھ لیا جاتا۔ یہ عورتین نئی لڑکیون کو نہ بٹھا سکتی تھین ہان کوئی امیر چاہے تو حضور مین اطلاع ہو۔ پھر لے جائے۔ بعض جو کبھی اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اور ہی اور ہی اڑا لیجاتے اور پتہ لگ جاتا تو بادشاہ خود رنڈی کو الگ بلاتے اور پوچھتے کہ یہ کسکی کارستانی تھی۔ معلوم ہونے پر اس امیر کو خلوت مین بلاتے اور خوب لعنت ملامت کرتے بلکہ بعضونکو قید بھی کردیا۔ کہتے ہین کہ ایک دفعہ بیربر کی بھی چوری پکڑی گئی بھانڈا پھوٹنے پر جاگیر بھاگ گئے۔

مردون کے میلے اور جشن تو ہوتے ہی تھے دربار کی شان و شوکت اور

Marfat.com

جاہ وجلال انھیں کے لطف کے لیے تھا۔ لیکن ان جشنوں کا لطف محلوں کی بیگمات کو بھی دکھایا اور سنہ ۹۹۱ھ میں یہ آئین قرار پایا کہ ہر مہینے معمولی بازار کے تیسرے دن قلعہ میں زنانہ بازار لگایا جائے۔ کہتے ہیں یہ داخل آئین تھا مگر ہمیشہ اسپر عمل ہوتا جب جشن کے سب حوصلے نکال لیتے تو ایوان میں زنانہ بازار ہوجاتا کہ محل کی بیگمات آئین اور ملک کی دستکاری اور شاہی دربار کی آرایش کو دیکھکر اُنکی آنکھیں کھلیں امراء وشرفا کی بیویوں کو بھی اجازت تھی۔ جو چاہے آئے اور تماشا دیکھے۔ دکانوں پر تمام عورتیں بیٹھ جاتی تھیں سودے کی چیزیں زیادہ تر ہوتی تھیں۔ خواجہ سرا۔ قلماقینان اروہ بیگنیاں ہتھیار سجائے انتظام کرتی پھرتی تھیں۔ سارا انتظام اور پہراچوکی عورتوں ہی کا ہوتا تھا۔ خود بادشاہ بھی تشریف لاتے اور اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کو دیکھکر ایسے ہی خوش ہوتے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں۔ خود مع بادشاہ بیگم بہنوں اور بیٹیوں کے ایک جگہہ بیٹھ جاتے اور امرا و شرفا کی بیبیاں آئین اور سلام کرتیں نذریں دیتیں اور بچوں کو پیش کرتیں یہانتک کہ اُنکی نسبتیں بھی اکثر اوقات حضور ہی سے قرار پاتیں۔ یہیں بہت سے گھرانوں کے اختلاف اور بگاڑ بات کی بات میں رفع ہوجاتے تھے اور جو کبھی فریقین آپس کی ناچاقی کی وجہ سے نہ مانتے تو بادشاہ فرماتے کہ اچھا یہ لڑکا یا لڑکی آج سے ہماری تھیں اِس سے کچھ کام نہیں وہ کہتے ہیں حضور ہم اِس سے دست بردار۔ کبھی بیگم بیاہ کا ذمہ لیتی تھیں کبھی بادشاہ۔ اور شادی کا سامان اِس دھوم دھام سے ہوتا کہ ماں باپ بھی نہ کرسکتے۔ یہ تھی اکبر کی حکومت۔ شہروں اور قلعوں پر نہیں جانوں اور دلوں پر۔

اکبر کے حالات غور سے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا ضروری امر جسکا تعلق رعایا کی بہبودی اور خلق خدا کی رفاہ سے ہے اُس سے نہیں چھوٹا۔ ہر ایک میں اُسنے کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے یا ایسی رائیں ظاہر کی ہیں جو اِس زمانے میں بھی دقعت کی نگاہ سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً تعلیم جسکا رونا ہر زمانے میں رہا۔ اِسمیں بھی وہ ایسی ہی دلچسپی ظاہر کرتا رہا جیسی دوسرے شوق کی چیزوں میں حالانکہ خود

Marfat.com

محض اُمّی تھا۔ مگر علم کا شوق اُنسے زیادہ تھا جو اہل علم کہلاتے ہین۔ وہ اپنے زمانے
کے طرز تعلیم پر بہت افسوس ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اِس سے لڑکون کی
عمر کا بہت سا حصہ ضائع ہوتا ہے۔ عمر کا قیمتی وقت مفردات حروف اور انکے
اعراب سیکھنے مین جاتا ہے اور ایک بڑا حصہ عمر کا کھو کر وہ کتابین پڑھنے کے قابل
ہوتے ہین۔ لہذا اِسنے حکم دیا کہ اول لڑکے حروف ابجد کی صورتین لکھین اور انکے
نام اور صورت سے آشنا ہون۔ دو روز کی مشق مین وہ حروف کے نقشون سے
واقف ہوجائینگے۔ اور جب ایک ہفتہ مین انکو یہ استعداد ہوجائے تو کچھ نظم
ونثر حمد وثنا اور نصائح مین جدا لکھ کر سکھائی جائے۔ مگر اِس بات کی سخت تاکید تھی
کہ طالبعلم جو کچھ پڑھے اُسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ اُستاد کا کام محض مناسب
اور ضروری مدد دینے کا ہے اور بس۔ اُستاد کا فرض ہے کہ ان پانچ چیزون کی
خاص نگرانی رکھے۔ علم الحروف۔ معانی الفاظ۔ قطعات کی مشق۔ اشعار۔
اور آموختہ۔ اِسطور پر اگر تعلیم جاری رکھی جائیگی تو لڑکا ایک سال کا پڑھنا مہینہ
بھر ہی مین پڑھ جائیگا۔ ہر ایک طالبعلم کو چاہیے کہ علاوہ کتب اخلاق کے رفتہ
رفتہ حساب۔ زراعت۔ سیاحت۔ اقلیدس۔ ہیئت۔ منطق۔ طبیعات ریاضی
اور خصوصاً تاریخ کا مطالعہ کرے۔ سنسکرت پڑھنے والون کو بیاکرن نیاے
بیدانت وغیرہ کے مطالعے کی خاص ہدایت کی ہے۔ لیکن ایک بات تعلیم کے متعلق
ایسی کہی جو درحقیقت نہایت قابل وقعت ہے اور جسپر عمل کرنا آجکل بھی ایسا
ہی ضروری ہے جیسے اُس زمانے مین تھا یا ہر زمانے مین ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ کسی
شخص کو اُن امور سے غفلت نہین کرنی چاہیے جسکی زمانہ موجودہ مین ضرورت
ہے۔ یہ وہ مقولہ ہے جسپر صرف اُنھین لوگونکی نظر پڑتی ہے جو اکبر کیطرح اصلاح
اقوام وملک کے لیے دُنیا مین آتے ہین۔ اور وہی کچھ کر بھی جاتے ہین جو ضروریات
زمانہ کو محسوس کرتے ہین۔ ورنہ جو لوگ مصلح اور ریفارمر گذرے ہین وہ ایسے
نہ تھے کہ اُنکے ہمعصرون مین اُنسے زیادہ لائق عالم اور فاضل لوگ موجود ہون۔
مگر انکو ایک خاص نظر عطا ہوئی تھی جس سے دوسرے محروم تھے۔ اور اسی مین
انکی جدت اور اسی مین انکو سبقت اور افضلیت ہے۔

Marfat.com

اُسے خود علم کا اسقدر شوق تھا کہ جو وقت کاروبار سلطنت سے بچتا وہ علما، وفضلا، کی صحبت مین گزارتا۔ اُنسے بحثین کرتا اور سُنتا خود بھی نئی نئی باتین سمجھاتا۔ عبادتخانہ چار ایوان مین راتون کو علمی تذکرے اور علمی چرچے رہتے تھے تاریخ کی کتابین اکثر پڑھوا کر سُنتا۔ شاعرون کے کلام کی داد دیتا اور طبیعت ایسی موزون اور ذوق ایسا صحیح پایا تھا کہ بعض اوقات ایسی اچھی اصلاح دیتا کہ بڑے بڑے صاحب کمال پھڑک اُٹھتے۔ خود بھی کبھی کبھی شعر کہتا اور خوب کہتا۔ بعض اشعار اِسکے ابتک کتابون مین پائے جاتے ہین۔ شاید اِسوقت شعر شاعری کا تذکرہ موزون نہو مگر محض اِسلیے دو ایک شعر سُناتا ہون کہ آپ اِسکی طبیعت کا اندازہ کر سکیں۔ مثلاً

گریہ کردم زغمت موجبِ خوشحالی شد ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد

دوشینہ بکوی مے فروشان پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنون زخمار سر گرانم زر دادم و درد سر خریدم

ایک دفعہ کشمیر کی سیر کو گئے۔ کشمیر کا چپہ چپہ باغ و بہار ہے۔ وہان پہونچکر خیال آیا کہ اگر مریم مکان ساتھ ہوتین تو کیا اچھا ہوتا۔ ابوالفضل کو حکم ہوا کہ عرضداشت لکھو۔ وہ لکھنے مین مصروف تھے کہ فرمایا عرضداشت مین یہ بھی لکھدو۔

حاجی بسوے کعبہ رود از براے حج
یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

وہ شعر کا ایسا دلدادہ نہ تھا جیسے ہمارے ہان کے شعرا ہین کہ وہ خدا کے ہان سے اِسی کا ٹھیکہ لیکر آتے ہین۔ اِسکا بھی وقت ہوتا ہے۔ اور ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد۔

غرض رات کا ایک وقت علمی مشاغل کے لیے رکھا تھا اور بلا ناغہ کتابین سُنتا تھا۔ اور جہان پر ملتوی کرتا اپنے ہاتھ سے نشان کر دیتا اور جب کتاب ختم ہوتی بحساب صفحات پڑھنے والے کو انعام دیتا۔ کتب خانہ کئی جگہ تقسیم ہوتا تھا کچھ حرم سرا مین کچھ باہر۔ مشہور کتب مین سے بہت کم ایسی تھین جو اِسنے پڑھوا کر

Marfat.com

نہ سُنی ہون۔

حدیقہ حکیم سنائی۔ مثنوی معنوی۔ جام جم۔ شاہنامہ۔ خمسۂ نظامی۔ کلیات امیر خسرو۔ کلیات جامی۔ خاقانی انوری۔ ملفوظات شیخ شرف الدین۔ قابوس نامہ وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر قوم کی تاریخین اسکے سامنے بلاناغہ روز پڑھی جاتی تھین۔ اور سب سے زیادہ گلستان اور بوستان کا دورہ رہتا تھا۔

تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا خاص سررشتہ تھا مختلف زباندان نوکر تھے۔ جہان یہ لوگ بیٹھتے تھے اسکا نام مکتب خانہ تھا۔ یہان ہم اُن کتابون کی فہرست دیتے ہین جو اسکے زمانے مین تالیف و تصنیف یا ترجمہ ہوئین۔

فہرست

نام کتاب	نام علم	در کدام زبان	نام مصنف یا مترجم	
زیج جدید مرزائی	نجوم	فارسی	ترجمہ زیر نگرانی امیر فتح اللہ شیرازی	
مہابھارت	قصص	سنسکرت سے فارسی	زیر نگرانی نقیب خان مولانا عبد القادر بدایونی شیخ سلطان تھانیسری	
راماٗن	.	.	" " " مع دیگر اشخاص	
اتھربن بید	.	سنسکرت سے	حاجی ابراہیم سرہندی نے ترجمہ کیا	
لیلاوتی	حساب	"	ابوالفیض فیضی نے ترجمہ کیا	
تاجک	نجوم	"	محمد خان گورنی نے ترجمہ کیا	
تزک بابری	.	ترکی سے	مرزا عبد الرحیم صاحب خانخانان نے ترجمہ کیا	
تاریخ کشمیر	.	کشمیری سے	مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے ترجمہ کیا	
معجم البلدان	.	عربی سے	ملا احمد ٹھٹھوی۔ قاسم بیگ شیخ منور نے ترجمہ کیا	
ہری بنس سوانح عمری مہاراج کرشن	.	سنسکرت سے	مولانا شیری نے ترجمہ کیا	
عیار دانش	.	.	ابوالفضل نے کلیلہ دمنہ کو سہل فارسی مین لکھا	
نل دمن	.	.	فیضی نے فارسی مین نظم کیا	[illegible]
تاریخ الفی	.	.	نقیب خان سید احمد ٹھٹھوی جعفر بیگ آصف خان نے لکھی	"
نامہ خرد افزا	.	.	ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا۔	[illegible]

Marfat.com

نام کتاب	نام علم	درکدام زبان	نام مصنف یا مترجم	
حیوۃ الحیوان	۔	عربی سے	شیخ مبارک نے ترجمہ کیا	من تصنیف عبدالقادر انتخاب تاریخ حسن نظام الدین احمد ملا عبدالقادر
کتاب الاحادیث	۔	۔	ملا عبدالقادر نے لکھی	
جامع رشیدی	۔		ملا عبدالقادر نے بمشورہ ابوالفضل لکھی	
کشن جوشی	۔	سنسکرت	فارسی مین ترجمہ ہوئی	
گنگا دہر	۔	"	"	[illegible]
مہیش مہانند	۔	"	"	
ثمرۃ الفلاسفہ	فلسفہ	یونانی سے	عبدالستار ابن قاسم نے ترجمہ کیا	

انگلستان کے نامور فاضل میکسمولر صاحب کا قول ہے کہ " اگر تاریخ عالم کو مطالعہ کیجیے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ۱۵۴۲ء و ۱۶۰۵ء کے درمیان مذاہب کے باہم مقابلہ کرنے اور مذہبی تحقیقات کا شوق شہنشاہ اکبر ہوا ہے ایسا کسی بادشاہ کو دنیا مین پہلے نہین ہوا۔ اسنے اسپر بہت دولت خرچ کی۔ اسنے مجتہدین مذہب کو دُور دُور سے بلایا۔

مذہبی کتابون کے ترجمہ مین لاکھون روپیے صرف کیے اور بہت سی کتابین جمع کین۔ اُسے علمی تحقیقات کا بھی بڑا شوق تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اسنے ایک گروہ کو بھیجا کہ گنگا کے سرچشمہ کی تحقیق کرین۔ اسنے ایک عجیب تجربہ کیا کہ انسان کی طبعی زبان کیا ہے۔ یعنے اول انسان کونسی زبان بولتا تھا۔ اس تحقیقات کے لیے اسنے ۹۸۸ھ مین شہر سے الگ ایک عالیشان عمارت بنوائی اور اسکا نام گنگ محل رکھا۔ بہت سے لڑکے لڑکیان پیدا ہوتے ہی مان باپون سے لیکر اس محل مین داخل کین۔ دائیان۔ انائین۔ نوکر چاکر سب گونگے بنے کہ انسان کی آواز کان تک نہ پہونچے۔ سات سال بعد جب سامنے بُلوایا تو سوائے غا غین باغین کے کوئی لفظ انکی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ ہیروڈوس قدیم مورخ نے لکھا ہے کہ کسی فرعون مصر نے بھی یہ تجربہ کیا تھا۔ مگر اکبر نے ایک اضافہ کیا کہ بعد مین جب

Marfat.com

انھین بولنا سکھایا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت مشکل سے سیکھے۔

عمارت کا بھی ایسا ہی شوق تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں مین باستثنائے شاہجہان اکبر کا ذوق عمارت سب سے بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ شاہجہان بھی اس خاص معاملے مین اکبر کا مقلد ہے جس شخص نے فتحپور سیکری کے ایوان قلعہ اکبرآباد۔ ہمایون کا مقبرہ۔ قلعہ الہ آباد۔ وغیرہ عمارات سرسری نظر سے بھی دیکھی ہین وہ اسکے ذوق سلیم کی داد دیسکتا ہے۔

حرفت وصنعت کی ترقی کی فکر بھی اُسے ایسی ہی تھی جیسے ایک ملک کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد کو ہونی چاہیے اکبر کی قدردانی اور فیاضی سے مُلک مُلک کے صناع اور باکمال کھنچے چلے آئے اور یہین آکے بس گئے۔ اُن سے لوگون نے طرح طرح کے پارچے بننے سیکھے بعض کارخانے بادشاہ نے خود اپنی ذات سے قائم کیے۔ اِن کارخانون نیز لاہور آگرہ فتحپور الہ آباد مین اعلےٰ درجے کا کام ہونے لگا اور ایسے ایسے نئے ایجاد اور فیشن چل نکلے جس سے سیاحانِ عالم متحیر تھے۔ اُون اور ریشم کا کام خاصکر یہان کے لوگ خوب کرنے لگے تھے۔ خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اِس فن کے علم وعمل دونون سیکھے اور اسکی ترقی مین خاص کوشش کی خصوصًا شالبافی کی طرف خاص توجہ کی اور اسکی کئی قسمین قرار دین۔ مثلاً طوسی جو طوس کی اون سے بُنی جاتی تھی۔ طرحدار جس مین طرح طرح کے رنگ دیے جاتے تھے زردوزی جسمین کلابتون کا کام کیا جاتا تھا کشیدہ وغیرہ وغیرہ مال محترفہ پر جسقدر محصول لیے جاتے تھے سب معاف کردیے۔ ملک کے تاجدار کی اِس قدر توجہ کہ بدست خود اُس کام کو سیکھے اہل حرفہ کی حوصلہ افزائی اور ملک کی ترقی کے لیے کافی تھی۔ گو اکبر کی یہ تحریک آجکل کی سی سودیشی تحریک نہ تھی۔ مگر اسمین شک نہین کہ یہ دیس کی سیوا ضرور تھی۔

اسی طرح بیدار مغز شہنشاہ نے جگہ جگہ سے پھل پھول منگوائے اور ہندوستان مین اُسکا رواج دیا۔ چنانچہ ایران وتوران کے بہت سے ماہران فن ملک مین آکر آباد ہوگئے اور کشمیر قندھار بدخشان وسمرقند کے میوے بکثرت آتے بکتے۔ اور لگائے جاتے۔ ہندوستان کے میوؤن مین آم کو سب سے زیادہ پسند کرتا بلکہ

Marfat.com

ولایتی میوؤن پر بھی ترجیح دیتا تھا۔

عطریات اور خوشبو کا محض شوق ہی شوق نہ تھا بلکہ وہ اِسے مذہبی نظر سے دیکھتا تھا طرح طرح کے عطر استعمال ہوتے اور نئی نئی ترکیب ایجاد ہوتی تھین۔ تمام دربار خوشبو سے مہکتا رہتا تھا۔

ہر چیز اور جنس کی ترقی کے لیے ایک ایک امیر خاص طور پر مقرر کیا تھا۔ اور اُسکو حکم تھا کہ اسکی حفاظت اور ترقی کا خیال رکھے اور اُس جنس کی اعلےٰ سے اعلےٰ قسم بہم پہونچائے۔ بس جانور۔ جڑی بوٹی۔ کپڑے تھے سب ہی کچھ آگئے۔

تصویر کشی اور نقاشی کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اور اسمین خاص ملکہ حاصل تھا۔ مصورون اور نقاشون کو ہمیشہ ترغیب و تحریص دیتا اور انعام و اکرام سے مالامال کرتا۔ تنخواہین مقرر کین اور وقتاً فوقتاً اسمین اضافے کیے۔ سامان نقاشی مین بھی بڑی ترقی ہو گئی خصوصاً ترکیب الوان مین۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی توجہ سے ہند مین مانی و بہزاد کے ثانی پیدا ہو گئے۔ اور انکی تصویرین باکمال مصورون کی تصاویر کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہین۔ سو سے زیادہ نامی اور مشہور مصور موجود ہین خصوصاً ہندوؤن کو اس فن مین بڑی مہارت اور کمال ہے۔

گانے کا صرف شوقین ہی نہ تھا۔ بلکہ علم موسیقی مین اچھی دستگاہ رکھتا تھا اور خود بھی بعض چیزین تصنیف کین جو اب تک اسکے نام سے مشہور ہین اور گائی جاتی ہین۔

ایجاد کی چیٹک ہمیشہ سے دل کو لگی تھی بات بات مین بات پیدا کرتا تھا۔ چنانچہ اسکی ایجادین اکبری کارنامے مین درج ہین۔ ہاتھی کے پکڑنے کی کئی ترکیبین نکالین اور اسمین کامیابی بھی ہوئی۔ ایک گاڑی ایسی نکالی جو بوجھ لیجانے کے کام مین آتی تھی۔ مگر جب وہ چلتی تو ساتھ ساتھ آٹا بھی پستا جاتا۔ بندوق صاف کرنے مین پہلے بڑی دقت ہوتی تھی۔ ایک آدمی کو بہت دیر تک آہنی اوزارون سے بندوقین صاف کرنی پڑتی تھین۔ بادشاہ نے ایک ایسی کل ایجاد کی کہ جسکا پہیہ گھمانے سے تھوڑی دیر مین سولہ بندوقین صاف ہو جاتی تھین۔ اسی طرح بندوقون اور گولیون کی ساخت مین بھی تغیر و تبدل کیا۔

Marfat.com

چوگان بازی کا بہت شوق تھا۔ کھیلتے کھیلتے شام ہو جاتی تو اندھیری مین گیند سوجھائی نہ دیتے۔ اِسلیے آتشین گولے نکالے۔ تھے تو وہ لکڑی کے مگر اسپر ایسی دوائین ملائی جاتی تھین کہ وہ روشن رہتے اور زمین پر گرنے سے نہ بُجھتے۔

اکبر ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جسے جہازرانی کا شوق ہوا۔ جس کی ضرورت اِسلیے واقع ہوئی کہ مغربی ساحل ہمیشہ دریائی غارتگرون کے ہاتھون لُٹتے رہتے تھے اِسلیے اِسنے ارادہ کیا کہ راوی سے ٹھٹھ تک جہاز چلائے۔ چنانچہ ۱۰۰۲ء مین راوی کے کنارے جہاز تیار ہوا۔ ۳۵ گز الٰہی کا مستول تھا ۴۶۸ من دو سیر لوہا خرچ ہوا۔ ۲۴۰ بڑھئی اور لوہار کام کرتے تھے۔ جب تیار ہوا تو خود کنارے آکھڑا ہوا۔ جرثقیل کے آلات لگائے گئے۔ ہزار آدمیون نے زور لگایا۔ دس دن مین بڑی مشکل سے پانی مین ڈالا۔ اور حسب فرمان شاہی لاہری بندرگاہ کو روانہ ہوا مگر پانی کی کمی سے رُک رُک گیا۔ دو سال بعد دوسرا جہاز تیار ہوا۔ اسمین پانی کی کمی کی رعایت رکھی گئی تھی۔ یہ لاہور سے لاہری تک باسانی پہونچ گیا۔

حضرات یہ ملک ہمیشہ حملہ آورون کے دستبرد سے تباہ و تاراج اور معرکۂ کشت و خون رہا ہے۔ اِسکی دولت ہمیشہ لُٹتی رہی اور نہ معلوم کب تک لٹتی رہے گی۔ لیکن کوئی ہزار تاخت و تاراج کرے۔ ہزار لوٹے کھسوٹے اِسکی اصل دولت کوئی نہین لوٹ سکتا۔ آپ جانتے ہین اِسکی اصل دولت کیا ہے۔

اِسکی اصل دولت زمین ہے۔ یہ ممکن ہے کوئی حملہ آور ہندوستان سے سب کچھ سمیٹ کر لیجائے۔ لیکن یہ ممکن نہین کہ ہندوستان کی زمین سر پر اُٹھا کر لیجائے اِسلیے ہندوستان کے ہر فرمانروا کا یہ فرض ہے کہ رعیت کی ترقی کے لیے جہان تک ممکن ہو آسانیان پیدا کرے۔ کیونکہ ہندوستان کی رعایا مین ۹۰ فیصدی ایسے ہین جنکی اَن داتا زمین ہے۔ اور اسی پر اُنکی ساری اُمیدون کا سہارا ہے اکبر اس سے غافل نہ تھا بلکہ جسقدر جانکاہی اور تفتیش و تحقیق اسمین کی گئی وہ شاید کسی اور معاملے مین نہین کی گئی۔ اِس خاص بارے مین راجہ ٹوڈرمل اِسکا دست و بازو تھا جسکی ایمانداری اور جفاکشی اور لیاقت سے یہ کام نہایت

خوبی سے سرانجام پایا۔ اسپر مفصل بحث کرنا اسوقت میرے مقصد سے خارج ہے
کیونکہ مالگزاری کے اُن تمام آئین و قواعد کو بیان کرنے کے لیے جو اسنے قائم کیے
اور اسپر رائے دینے کے لیے ایک الگ لکچر کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اسنے
یہ معلوم کرلیا کہ زمین جو کثرت سے غیر آباد پڑی اور مزروعہ نہین اسمین زیادہ تر
قصور سلطنت کا ہے اسلیے اُسکی اصلاح پر کمر باندھی۔ دفتر کی ساری خرابیان
رفع کین اور خاصکر کاشتکارون کے فوائد پر نظر رکھی اور عمال کی سخت نگرانی
کی کہ ظلم نہ کرنے پائین۔ جریب جو پہلے مختلف ناپ کی تھی اُسکا ایک معیار
قائم کیا۔ زمین کی پیمائش کی گئی۔ نقشے بنائے گئے۔ ایک ایک کھیت کی مفصل
کیفیت درج کی گئی۔ زمین کی اقسام کا تعین ہوا۔ ہرایک کے لیے الگ قواعد
تیار ہوے۔ بجاے رسی کے جو بارش مین سکڑ جاتی اور گرمی مین بڑھ جاتی بانس کا
ناپ بنایا اور اسمین لوہے کی کڑیان لگائین اور زنجیر کا رواج دیا۔ غرض ایسے آئین
باندھے جس سے کاشتکار کو زراعت مین آسانی اور ترغیب ہو۔ محتاج کاشتکارون
کو تقاوی دی جاتی۔ جو کاشتکار یہ شکایت کرتا کہ مجھپر لگان زیادہ لگایا گیا ہے
اُسکی زمین دوبارہ پیمائش کرکے لگان قائم ہوتا اور زرلگان کے شرائط مین خاص
رعایت کیجاتی۔ عملگزار کا فرض تھا کہ غریب کسانون کو قرض دیکر دستگیری
کرے۔ اور آہستگی کے ساتھ یہ قرض وصول کرے۔ سماعت شکایت مین آسانی
پیدا کی گئی اور جب کبھی یہ معلوم ہوا کہ روپیہ ظلم و جبر سے وصول کیا گیا ہے تو
عمال کو سخت سزائین دی گئین۔ چھوٹی چھوٹی کاشت پر لگان معاف کردیا
جاتا تھا۔ محصلین کو حکم تھا کہ اپنے ماتحتون کی سالانہ رپورٹ پیش کرین۔ روزنامہ
تختے خزانے پر بھیجین۔ مزارعین کو رقم کی رسیدین باقاعدہ پہونچین۔ جس کی
ادائی کے لیے سال مین چار اقساط مقرر تھین۔ ویران زمین کی آبادی مین کوشش
کرے۔ پہلے لشکرون کی آمدورفت اور پڑاؤ مین زمیندارون کا بے انتہا نقصان
ہوتا تھا۔ اکبر نے حکم دیا کہ جہان پڑاؤ ڈالا جائے آس پاس کی مزروعہ زمینون کی
حفاظت کے لیے پہرے مقرر کردیے جائین کہ فوجی لوگ اُسے خراب نہ کرنے
پائین اور اسکے لیے چند عہدہ دار مقرر کیے۔ اس سے پیشتر مالگزاری کے تعین

Marfat.com

اور وصول مین بے انتہا خرابیان تھین۔ بادشاہ نے ایک ایک کا انتظام کیا۔ پہلے یہ دستور تھا کہ کاردان نرخون کو دریافت کرتے۔ بادشاہ کے پاس لاتے اور ربع جنس اور اُسکی قیمت مقرر کرکے جمع مقرر کرتے۔ اکثر جودل مین آتا جمع مقرر کردی جاتی تھی اور عمال کی رشوت ستانی اور غرض پرستی سے کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ اکبر نے ہر ایک معاملے کی پوری تفتیش کی جسمین بڑی بڑی دقتین پیش آئین مگر ایسا اعلے آئین قائم کیا کہ یہ اُسی کا خاکا ہے جسپر کم وبیش آجتک عملدرآمد ہورہا ہے۔

شاید اسی خیال سے کہ یہ ملک زراعتی ہے اکبر نے گائے کے گوشت کھانے کی ممانعت کردی تھی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے پیشتر بھی بعض مسلمان بادشاہون نے حکماً گائے ذبح کرنا بند کرادیا تھا۔ چنانچہ حجاج ابن یوسف حاکم عراق نے زراعت کی آسانی کے لیے حکم دیدیا تھا کہ گائے ذبح نہ کی جائے۔ کیونکہ علاوہ دیگر فوائد کے زراعت کا دارومدار ان ممالک مین صرف گائے پر ہے اسیطرح جب سندھ مین عرب حکمران تھے تو وہان بھی ایک زمانے مین اسکی ممانعت ہوگئی تھی۔ اور خصوصاً ہندوستان سے ملک مین اس قسم کی روک حکمت پر مبنی ہے۔ تمام اطبائے یونانی اسکے گوشت کو سخت مضر بلکہ زہر بتاتے ہین اور اب بھی بہت سے مسلمان ایسے ہین جو اسکے گوشت کو چھوتے تک نہین بلکہ اسکی تائید مین پیغمبر خدا کی ایک حدیث جو بواسطۂ امام جعفر صادق علیہ السلام پہونچی ہے بیان کیجاتی ہے جسکے الفاظ یہ ہین "فے لحمها داء وفے لبنها شفاء" ممکن ہے کہ یہ حدیث صحیح نہ سمجھی جائے۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ کسی ہندو کی وضع کی ہوئی تو ہو نہین ہو نہ ہو کسی مسلمان ہی کی بتائی ہوئی ہوگی تو اس سے بھی ایک مسلمان کے خیالات کی جھلک معلوم ہوتی ہے۔ اکبر یون بھی گوشت شوق سے نہین کھاتا تھا۔ چنانچہ سلہ ۹۹۱ھ مین تمام ممالک محروسہ مین حکم جاری ہوا کہ اتوار کو جو آفتاب سے مخصوص ہے اور اٹھارہ روز ماہ آبان مین جو بادشاہ کے میلاد کا مہینہ ہے اور بعض ایام معہودہ مین مطلق جانور ذبح نہ کیے جائین اور جو کوئی ان دنون مین جانور ذبح کرتا اسکی بڑی سیاست ہوتی۔ وسط عمر مین

Marfat.com

حساب کیا گیا تو بادشاہ تمام سال مین اور ایام متفرقہ کی تقریب مین چھ مہینے گوشت نہین کھاتا تھا بلکہ اسکا تو یہ جی چاہتا تھا کہ گوشت کھانا ہی چھوڑ دیجیے۔ اُسکا بیان ہے کہ ابتدا ہی سے جب مین گوشت کھاتا تھا تو مجھے بدمزہ معلوم ہوتا تھا اسی وقت سے مجھے جانورون کی حفاظت اور گوشت کھانے سے احتراز کا خیال پیدا ہوا چنانچہ اسکا حکم تھا کہ قصائی اور اسی قسم کے پیشہ ور جو جیو ہتیا کرتے ہین الگ مقام پر بسائے جائین اور اگر وہ دوسرون سے ملین جلین تو اُنپر جرمانہ کیا جائے اِس کا قول ہے کہ لوگ گوشت کھانے کے اسقدر عادی ہوگئے ہین کہ اگر انھین تکلیف نہو تو وہ ایک دوسرے کے بھنبھوڑ ڈالنے کو تیار ہو جائین۔ اکبر طبعًا رحمدل واقع ہوا تھا اور اسلیے جاندارون کے ذبح کرنے سے اسکا جی دُکھتا تھا اسکا قول ہے کہ خون مین جان کا مایہ ہے اسلیے اسکی خواہش سے پرہیز کرنا اسکا اگر جی رکھتا ہے۔

محض رفاہ خلائق کے لیے جگہ جگہ شہرون اور منزلون مین ہندو مسلمانون کے لیے الگ الگ مکان بنوا دیے تھے کہ مسافر وہان ٹھہرین کھائین پئین اور ستستائین جو مکان مسلمانون کے لیے مخصوص تھا اسکا نام خیر پورہ اور جو ہندون کے لیے تھا اسکا نام دھرم پورہ رکھا۔

اکبر بیکاری اور گداگری کا سخت مخالف تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ دو مرض ہمارے ملک میں گھُن کی طرح لگے ہوے ہین جس سے سوسائٹی کی حالت روز بدتر ہوتی جاتی ہے۔ خیرات بہت اچھی چیز ہے بشرطیکہ مستحقین کو ملے۔ مگر اکثر ملتی ہے بیکار ہٹے کٹے لوگون کو جو محنتی افراد قوم کا خون جونک کیطرح چوس چوس کر پھولتے پھلتے ہین۔ اور اپنے بُرے نمونے سے اورون کو بھی خراب کرتے ہین۔ اسکا قول ہے کہ میرا یہ ارادہ ہوا کہ اپنی قلمرو سے گداگری موقوف کردون۔ بہت لوگون کو مال دیا مگر حرص ایسی پیچھے لگی ہوئی ہے کہ اس سے کچھ فائدہ نہوا۔ کہتے ہین کہ اکبر نے اسکے متعلق بہت کچھ کوشش کی مگر کامیابی نہوئی۔ ہم نبگالہ جو کئی سال تک جاری رہی اسمین بہت سے خلق خدا کا خون ہوا۔ معلوم ہوا کہ اکثر علما و مشایخ کے اہل و عیال فاقے سے مر رہے ہین بادشاہ کو

Marfat.com

ترس آیا اور حکم ہوا کہ ہم خود روپیہ تقسیم کرین سب لوگ بعد نماز جمع ہوے کوئی لاکھ آدمی کا ہجوم تھا۔ تقسیم کے وقت اسطرح ٹوٹ کر گرے جیسے قحط زدہ کنگلے بہت سی جانون کا نقصان ہوا جب اُنکی کمرین کھولی گیئن تو اشرفیون کی ہمیانیان نکلین۔

اسکا ایک اور قول لکھا ہوا ہے کہ بیکاری تمام برائیون کا سر ہے۔ سعادت پژدہ کا کام یہ ہے کہ کوئی ہنر سیکھے۔ اور اُسکے کار کردین مشغول ہو۔ ہندوستان مین اس قول پر عمل کرنے کی کوشش سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جہان ایک ایک کے پیچھے بیس بیس بلائین لگی ہوئی ہین جس سے اسکا اور اسکے متعلقین سب کا لطف زندگی خاک مین مل جاتا ہے۔ اور سوسائٹی پر جو اسکا وبال ہو سو الگ۔

وہ خود بھی بہت کچھ خیرات کرتا تھا اور غالباً جو کچھ اسنے کہا ہے وہ اسکا ذاتی تجربہ ہے۔ وہ کھلے چھپے لوگون کو کچھ نہ کچھ دیتا رہتا تھا۔ بعضون کو قرض کہکر دیتا مگر واپس نہ لیتا۔ سپاہیون کے نامے پڑھواتا اور جن جن کو پہلے کچھ نہین ملا انھین گھوڑے دیتا اور جسکو یہ گھوڑا ملجاتا اُسے سال بھر تک کچھ انعام و بخشش نہ ملتی۔ جو آرزومند محتاج اور مفلس ہوتے انھین بادشاہ نقد و جنس دیتا رہتا۔ غرض اسکے انعام و اکرام بھی ایسے ہی تھے جیسے اسکے اور کام۔ وہ لوگون پر طرح طرح کی عاطفت کرنے کو خدا پرستی سمجھتا تھا مگر آدمی کو پہچان کر اس سے ویسا ہی سلوک کرتا تھا۔ چنانچہ وظیفے اور مدد معاش (زمین) دینے کے لیے اپنے آدمیون کی چار قسمین کی ہین۔ اول وہ لوگ جو علم و دانش کی تلاش مین سب چیزون سے دست کشی کرکے رات دن علوم حقیقی کے جمع کرنے مین لگے رہتے ہین۔ دوم وہ جو تارک الدنیا اور رنج کش اور خویشتن دار ہین اور اپنے نفس سے لڑتے رہتے ہین۔ سوم مفلس و درماندہ جو جستجو کی توانائی نہین رکھتے چہارم شریف بزرگ زادے جو اپنی کم لیاقتی سے کوئی پیشہ اختیار نہین کرسکتے۔ ممکن ہے کہ اسکی یہ تقسیم کامل نہو اور اسمین اعتراض کی گنجایش ہو۔ لیکن اُس زمانے کی حالت اور بادشاہ کے فرائض اور دشواریون پر نظر ڈالنے سے شاید جو باتین ہمین ناگوار معلوم ہوتی ہین۔ گوارا ہو جائین۔

Marfat.com

اکبر کو ایسی جھوٹی پیری مریدی سے جو آجکل اکثر رائج ہے سخت چڑھ تھی۔ پیری مریدی کے متعلق اسکے اقوال آب زر سے لکھنے کے لائق ہین وہ کہتا ہے "پیری کے معنے درد پہچاننے اور چارہ گری کرنے کے ہین نہ یہ کہ ٹھڈی پر بال جمائین اور خرقہ مین پیوند لگائین اور بناوٹ کی باتون سے ہنگامہ آراستہ کرین" "رہنمونی سے مراد رہنمائی ہے نہ مریدون کی گردآوری" "مرید کرنے کے یہ معنے ہین کہ کسی کو خدا کی بندگی کرنے سے آگاہ کرین نہ یہ کہ کسی کو اپنا بندہ بنائین"۔ ان پُرمعنی اور پُرمغز اقوال سے کون ہے جو اتفاق نہ کریگا۔ یہ فرقہ سب سے زیادہ قابل اصلاح ہے۔ اکبر اول اول اس قسم کے سب لوگون سے ملا۔ اُنکی صحبت مین رہا اور اُنکا امتحان کیا معلوم یہ ہوا کہ یہ سب پاکھنڈ ہے اور جہلا کو دام تزویر مین پھنسانے کا حیلہ ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ راوی کے دوسرے کنارے پر ایک درویش حجرے مین آبیٹھا اور لوگون کی آمدورفت کو اپنے پاس بند کردیا جب اُس سے اسکی نسبت پوچھا تو اسنے جواب دیا کہ مین ایک خاص عبادت کرتا ہون جب تک عبداللہ خان والی توران نہ آجائیگا مین نہ خود باہر آؤنگا نہ کسی کو اپنے پاس آنے دونگا۔ تو اُس سے کہا گیا کہ اگر تیری دُعا قبول ہوتی ہو تو ہماری بہبودی کے بند ہونے کی دُعا مانگ اور اس بُہتان سے باز آ! اکبر کو صاحب کرامات لوگون سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ ایک حضرت شیخ بابا کمال پیش کیے گئے۔ کرامات یہ تھی کہ دریاے راوی کے کنارے پر کھڑے ہوکر باتین کرتے ہین اور پل کے پل مین دریا پار دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوتے ہین۔ بادشاہ خود اسے لیجاکر دریا کنارے گئے اور چپکے سے یہ بھی کہا کہ اگر تم سچی کرامات دکھاؤ تو یہ سب مال و دولت تمہاری ہے۔ وہ سہم کے رہگیا اور دم بخود ہوگیا تب بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکے ہاتھ پاؤن باندھکر قلعہ کے برج سے گرادو اگر اسمین کوئی بات ہے تو صحیح سلامت نکل آئے گا۔ یہ سُنکر اسکے ہوش اُڑ گئے اور پیٹ کیطرف اشارہ کرکے کہنے لگا کہ سب کچھ یہ دوزخ کراتا ہے۔ اس قسم کی باتون سے اکبر ان لوگون سے بالکل بدگمان ہوگیا تھا اور اس لیے اسنے حکم دیدیا تھا کہ مشائخ و علما، کی اسناد جاگیرات کی پڑتال کی جائے۔ چنانچہ بہت سے جاگیردار

Marfat.com

تخفیف مین آگئے جسپر انھون نے بہت کچھ شورش اور ہنگامہ مچایا اور اکبر کی بدمذہبی کا فتوے دیا۔ مگر اِس دانشمند بادشاہ نے بڑی بڑی تدبیرون سے اُنکا زور توڑا اور ملک کو اُنکے پنجے سے نجات دی۔

شراب جو دشمن دین وایمان اور راہزن عقل وہوش ہے اسکی ممانعت کے لیے مناسب احکام جاری کیے۔ اور یہانتک تاکید کی کہ اسکی بُو بھی نہ آنے پائے۔ پینے والا۔ بیچنے والا۔ کھینچنے والا سب مجرم۔ ایسی سزا دیجائے کہ سبکو عبرت ہو۔ البتہ اگر کسی حکمت اور ہوش افزائی کے لیے کام مین لائی جائے تو کچھ نہ کہا جائے۔ کاش ہمارے فرمانروا اکبر کے اِن احکام سے سبق لین اور ہمارے ملک کو اِس بلائے عظیم سے جو کہین آلہ عیش اور کہین فیشن کیصورت مین وبا کیطرح پھیلتی جاتی ہے نجات دین۔

جنگ مین جو لوگ گرفتار ہوتے تھے وہ لونڈی غلام بنائے جاتے تھے اکبر نے اِس رواج کو بالکل موقوف کردیا اور حکم دیا کہ دشمن خواہ کیسا ہی جانی ہو اور اُسکا جرم کیسا ہی سنگین کیون نہو اُسکے متعلقین سب آزاد ہین اور وہ اپنے یا اپنے عزیزون کے گھر بلا تکلف جا سکتے ہین اور چھوٹا بڑا کوئی غلام نہین بنایا جا سکتا۔ اسکا خیال تھا کہ اگر شوہر نے کوئی جرم کیا ہے تو اُسمین بیوی کا کیا قصور۔ اور اگر باپ نے سرکشی یا بغاوت کی تو بچون پر کیا الزام۔ البتہ قحط سالی مین یا کسی ایسی ہی مصیبت مین ماں باپ کو اولاد کے بیچنے کا اختیار تھا مگر جب اُنکو مقدور ہو قیمت واپس کرکے اپنی اولاد کو لے سکتے ہین۔ علاوہ اِسکے یہ حکم تھا کہ ہندوستان کا بردہ باہر نہ جانے پائے۔

قحط جو ہندوستان کی قسمت مین لکھا ہے اور جو عادل اور ظالم دونو کے زمانے مین یکسان قہر وغضب اور خونخواری کے ساتھ آتا ہے۔ اِسنے اپنا روئے سیاہ عہد اکبری مین بھی دکھایا ۵۰۰۱؁ھ مین بارش کم ہوئی غلہ گران ہوگیا۔ خلقت بھوکون مرنے لگی تو بادشاہ نے ہر جگہ ایک کارآگاہ مقرر کیا جس کا یہ کام تھا کہ وہ مفلس محتاج بھوکون کو کھانا کھلائے اور ہر شہر مین ایک آشخانہ بنوادیا جہان بھوکون کو کھانا ملتا تھا اور اِسی طرح ہزارہا خلق خدا کی جان بچگئی۔ اور یون

Marfat.com

عام طور پر بھی یہ قاعدہ تھا کہ بادشاہ کو ہر کاشتکار سے فی بگھہ دس سیر بطور محصول کے ملتا تھا۔ اسکا ہر جگہ انبار لگایا جاتا تھا۔ اور سرکاری خرچ مین آتا تھا۔ لیکن جب غلہ گران ہوتا تو محض رعیت پروری کی نیت سے مفلس کسانون اور دوسرے لوگون کے ہاتھ سستا بیچدیا جاتا تھا۔ قلمرو مین اس سے اکثر جگہ آتش خانے قائم ہوتے مفلسون کی روزی چلتی اور غریبون کا بھلا ہوتا۔

وقت جو دنیا بھر کی نعمتون سے اعلےٰ اور سب سے بڑی دولت ہے اور جسے ہم اکثر دوسرے نعمائے الٰہی کیطرح نہایت بیقدری اور بیدردی سے صرف کرتے ہین۔ اکبر نے اسکی قدر بھی ایسی کی کہ کوئی کیا کریگا۔ وہ اپنے وقت کا پابند اور اپنے کام مین مستقل تھا۔ شام کو دیر تک علماء و حکماء کی صحبت مین رہتا اور اُنکے بحث مباحثے سُنتا۔ اور اکثر صبح کر دیتا۔ ورنہ جو عرضیان حکام و اعمال بھیجتے انھین سُنتا اور مناسب حکم لکھواتا صبح ہوتے خوابگاہ مین جاتا۔ مگر بہت کم سوتا۔ اسکا مقولہ ہے کہ "خواب و خور اسلیے ہے کہ رضائے الٰہی کی جستجو کی طاقت ہو مگر آدمی انھین اپنا مقصود سمجھتا ہے" اور ایک اور جگہ کہتا ہے کہ "اگرچہ سونے سے تنومندی ہوتی ہے۔ مگر زندگانی خدائے تعالیٰ کی بڑی بخشش ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ بیداری مین بسر ہو۔" اسلیے یہ کچھ وقت عبادت مین صرف کرتا۔ پھر نہا دھو کر دیوان عام مین برآمد ہوتا۔ لوگون کی عرض معروض سُنتا اور سلطنت کے کاروبار کو انجام دیتا۔ تیسرے پہر آرام کرتا۔ صبح کا وقت اکثر سیر شکار مین صرف کرتا اور سر شام چوگان کھیلتا تھا۔

باوجود اس شان و شوکت کے اسکی زندگی بہت سیدھی سادی تھی۔ نمائش کا نام نہ تھا بے تکلف باتین کرتا اور رعایا کی فریاد سُنتا اور داد کو پہونچتا۔ اخلاق کا پتلا تھا۔ رحم و شفقت اسکے خمیر مین تھی اسلیے اپنے پرائے سب جان سے فدا تھے۔ رعایا کی آسائش کا ہروقت خیال رکھتا تھا چنانچہ حکام و اعمال کو حکم تھا کہ رعایا کے حال کی خبر رکھو۔ گوشہ نشین نہ بن بیٹھو۔ قوم کے بڑون اور سردارون سے عزت سے پیش آؤ۔ روز و شب صبح شام خدا کا خیال رکھو۔ تاریخی کتب کو جسمین نصائح اور انسانی تجربے درج ہین بغور مطالعہ کرو۔ مجرمون کے مقدمات مین

خوب غور و فکر کرو۔ فریادی کی فریاد کامل توجہ سے سُنو اور سارا کام ماتحتون پر نہ چھوڑ دو لوگون کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ زراعت کے ترقی دینے اور آبادی کے بڑھانے مین کوشش کرو۔ لوگون سے تحفے نہ لو۔ سرکاری نوکرون کا خرچ گاؤن والون پر نہ ڈالو۔ معاملات سلطنت مین اپنے مشیرون سے صلاح لو۔ لوگون کے مذہبی معاملات مین دخل نہ دو۔ پُرانے خاندانون کی مدد کرو۔ مقامی حرفت وصنعت کو ترقی دو۔ سپاہی کی ضروریات کیطرف سے غفلت نہ کرو۔ مختلف کھیل سیکھو مگر صرف سرکاری کام سے سستانے کے لیے۔ تمام وقت شکار مین صرف نہ کرو۔ اگر کوتوال نہو تو اسکے فرائض خود انجام دو۔ اور اسے حقیر مت سمجھو۔ اور یاد رکھو کہ انسانون کی خدمت عبادت الٰہی ہے۔ غرض اسی قسم کے بیسیون احکام ہین جو خاص رفاہِ خلق پر مبنی ہین۔ وہ خود اپنے قلمرو مین جگہ جگہ پھرا اور دورے کیئے اور رعایا اور ملک کے حالات کی تفتیش کی بلکہ یہانتک لکھا ہے کہ رعایا کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیس بدلکر نکلتا۔ اور بازارون مین جاکر نرخ اجناس معلوم کرتا تھا۔

حضرات۔ یہی بادشاہ ہین جنھین دیکھ دیکھ کر حکیم اور فلسفی بھی اس بات کے قائل ہو گئے ہین کہ ایسی صورت مین بادشاہت جمہوریت سے بدرجہا افضل ہے فری مین کا یہ قول "انسان کے تمام محسنون مین بہت کم ایسے ہین کہ اسقدر معزز رتبہ حاصل کرنے کے مستحق ہون جتنا کہ یہ نامور شہنشاہ۔ وہ اپنے زمانے مین مُتفرد تھا۔ نہ صرف اسلام مین بلکہ تمام عالم مین۔ کیتھلک اور پروٹسٹنٹ دنیا اسکے قدمون مین بیٹھکر اس سے سبق حاصل کرتی۔ اس مسلمان مطلق العنان بادشاہ سے بڑھکر جسنے عام مسالمت اور آزادی کا ڈنکا بجا دیا تھا کسی شریف النفس اور عالی دماغ شخص کا خیال دل مین نہین آسکتا" ایک ایسے عالی رتبہ اور زبردست مورخ کے مقابلے مین کچھ کہنا اور اکبر کا کسی دوسرے بادشاہ سے مقابلہ کرنا چھوٹا مُنہ بڑی بات ہے۔ اور درحقیقت بقول فری مین کے اُسکا رتبہ اپنے ہمعصر بادشاہون سے اسقدر بالا اور ارفع تھا کہ اسوقت کے بڑے سے بڑے بادشاہ کی شہرت اُسکی خوبیون کے سامنے اسطرح مدہم پڑگئی تھی کہ جیسی ستارون کی روشنی آفتاب عالمتاب کے سامنے۔ جسوقت کہ اکبر کے ملک مین

Marfat.com

عام مسالمت آزادی اور روشن خیالی پھیلی ہوئی تھی اُسوقت اسکے یورپی ہمعصر نامور بادشاہ اپنے اپنے ملکون مین کیا کر رہے تھے۔ اسپین مین اسوقت تعصب کا طوفان بپا تھا اور بادشاہ فلپ نے مذہبی تعصب کی زنجیرون مین لوگونکو جکڑ رکھا تھا ان کوئزیشن (یعنے مذہبی مارشل لا) عام طور پر جاری تھا۔ فرانس کی شہرت اور تاریخ پر سن بار تھلیمو کے مذہبی کشت وخون نے ایسا بڑا دھبا لگایا جو ابتک نمایان طور پر نظر آرہا ہے۔ اُدھر انگلستان مین، نامور ملکہ الزبتھ اپنی رومن کیتھلک رعایا کے لیے سمتھ فیلڈ مین آگ روشن کر رہی تھی۔ کیا اِسکے بعد بھی اکبر کی روشن خیالی کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہے ؟

حضرات! کہتے ہین کہ جسم فانی ہے اور روح کو ہمیشہ بقا ہے اور بعض یہ بھی کہتے ہین کہ جسم وروح ایک ہین اور اِن دونون کا حشر بھی ایک ہونیوالا ہے یہ علما، وحکما، کی بحثین ہین اور وہ خود ہی آپس مین سمجھ لین گے۔ روح کو فنا ہو یا نہو جسم باقی رہے یا نرہے۔ لیکن اسمین کچھ شک نہین اور کسی ملت و مذہب کو اِسمین کلام نہین ہوسکتا کہ دنیا مین اگر کسی شے کو بقا ہے تو وہ انسان کی اعمال ہین۔ جو نہ کسی کے مٹائے مٹ سکتے اور نہ کسی کے چھپائے چھپ سکتے ہین۔ گو تیموری خاندان کا چراغ بجھ گیا اور بابر اور اکبر کی اولاد گمنام و بے نشان ہوگئی مگر اِس فخر خاندان فخر ہندوستان بلکہ فخر بادشاہان عالم کے کارنامے ابتک یادگار زمانہ ہین اور جون جون زمانہ گزرے گا اور بھی زیادہ روشن ہوکر چمکین گے۔ کہنے کو وہ مرگیا ہے مگر درحقیقت وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اور جنکے گوش شنوا اور دل بینا ہین اُنھین اب بھی سکندرہ کے مقبرے سے یہ صدا آرہی ہے۔

"اے میری راجستان کے راج کنوارو! اے میری بستی کے بال بچو! اور اے میری نگری کے خدائی خوارو! دُنیا بدلتی آئی ہے اور بدلتی رہیگی مگر تم جیسے تین سو برس پہلے تھے ویسے ہی اب ہو۔ بلکہ بُرا نہ مانو تو اِس سے بھی بدتر ہو۔ تمھین یاد ہوگا کہ اب سے تین صدی پہلے مین نے اِس پھوٹ نگری مین کِس محنت کِس مشقت سے ایک پودا لگایا تھا۔ اِسکی خاطر مین نے کیا کیا ملا مین

Marfat.com

اور کیا کیا مصیبتین جھیلین۔ آبائی رسوم کو چھوڑا۔ قوم و ملت سے مُنہ موڑا۔ کافر بنا۔ مُلحد کہلایا۔ اپنے پرائے سے برا بنا مگر جو کام تمہاری بھلائی کا تھا وہ کر کے چھوڑا مین نے اس پودے کو جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ اپنے اور اپنے جان نثارون کے خون سے سینچا۔ ہر آفت اور صدمے سے بچایا۔ مگر افسوس ہے تم پر کہ میرے مرنے کے بعد تمنے اسکی سیوا نہ کی اور عین نمو کے زمانے مین ایسے پانی دینا بند کر دیا تمہین آپس کے لڑائی جھگڑون سے اتنی فرصت کہان کہ اسکی خبر لو تمنے اب وہ خاک اُڑائی ہے کہ مجھے تمسے خطاب کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ پودا جسے مین لہلہاتا ہوا چھوڑ گیا تھا آج پژمردہ نظر آتا ہے۔ پتے زرد ہو گئے ہین۔ شاخین جُھک گئین اور ٹھٹھر کے رہگیا ہے۔ جو پودا مین نے اس نیت سے لگایا تھا کہ جب بڑا ہو کر وہ پھولے پھلے گا اور اُسکی شاخین دُور دُور پہونچین گی تو تم میرے بعد اسکے سائے تلے چین سے پاؤن پھیلا کر سوؤگے۔ مگر افسوس مجھے اب وہان تمہاری قبر بنی نظر آتی ہے۔ اے نا عاقبت اندیش عقل کے دشمنو جاگو جاگو! ابھی وقت ہے۔ دیکھو اسکی جڑ مین نفاق کا کیڑا اپنا گھر بنا رہا ہے ایسا نہ ہو وہ اسے کھوکھلا کر دے۔ اب بھی خبر لو۔ اور میری محنت کو اس بیدردی سے خاک مین نہ ملاؤ۔ اور لسان الغیب کا یہ شعر یاد رکھو۔

نہال دوستی بنشان کہ کام دل ببار آرد
درخت دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد

عبدالحق

نوٹ یہ مضمون حیدرآباد نیگ مینس ریڈنگ فورم کے روبرو پڑھا گیا تھا۔ ایڈیٹر

Marfat.com

اکبر کی دو آنکھین

یہ کیا فیضی نے شاہنشاہ اکبر سے سوال
اے شہ کسریٰ خدم اے خسرو جمشید فر

ہندو مسلم رعایا تیری ہین دونون ضرور
تیرے ظلِ عاطفت مین دونون کرتی ہین بسر

لیکن ان دونون مین تجھکو کون ہی شاہا عزیز
کسکے شامل حال ہی تیری عنایت کی نظر

یون دیا اُس شہریارِ عدل گستر نے جواب
گوشِ دل سے سُن یہ بات اے شاعر نیکو سیر

ہین مرے نزدیک ہندو اور مسلمان دونون ایک
دونون قومین ہین برابر میری منظور نظر

مین سمجھتا ہون برابر دونونکو ہر بات مین
فرق ان دونونمین مین رکھتا نہین ہون بال بھر

مانتا ہون مین کہ ہم مذہب مسلمان ہین مرے
بادشاہ وقت کا ہوتا نہین مذہب مگر

جانتا اچھی طرح ہون مین رموزِ پالٹیکس
اور آئینِ جہانبانی سے ہون مین باخبر

کر نہین سکتا ہون ان دونونمین مین تفریق کچھ
سلطنت کو میری اِس سے سخت پہونچیگا ضرر

ایک کو مین دوسرے پر کسطرح ترجیح دون
کشورِ ہندوستان ہو جبکہ اِن دونون کا گھر

سلطنت مین کیون نہ دونونکے مساوی ہون حقوق
ملک کی خدمت پہ جب دونون نے باندھی ہو کمر

میری شان معدلت سے یہ بہت ہوگا بعید
ایک سے اُلفت تنفر دوسرے سے ہو اگر

سلطنت کو میری ان دونونکے دم سے ہی قیام
مملکت کو ہے بقا میری انھین سے سربسر

ہی انھین دونون سے وابستہ حکومت میری آج
یہ نہین تو پھر کہان یہ تخت اور یہ تاج سر

فرض اگر ہندوستان کو کیجیے اک آسمان
تو مسلمان اور ہندو اسکے ہین شمس و قمر

فرض اگر ہندوستان کو کیجیے اک بوستان
تو ہین اثمارِ مقاصد کے یہ بار آور شجر

گلشن ہندوستان پھولے پھلیگا خاک کیا
اُسکی رکھوالی سے یہ دو قومین ہین غافل اگر

ہندو مسلم اگر ملکر نہ سینچین گے اِسے
ہند کا نخل تمنا ہوگا کیسے بار ور

الغرض ہندو مسلمان لوگ کہتے ہین جنھین
نام میری دونون آنکھون کے ہین قصہ مختصر

Marfat.com

مجکو ہین محبوب دونون مجکو دونون ہین عزیز ہی محبت دل مین ان دونوں کی برد جلوہ گر

یا الٰہی یہ رہین محفوظ جورِ چرخ سے

خارجی آفات سے ان کو نہ کچھ پہونچے ضرر

سید محمد فاروق

Marfat.com

جلال الدّین اکبر

شہنشاہان مغلیہ بلکہ سلاطین ماضیہ میں جلال الدین اکبر ان چند اور چیدہ حکمرانوں میں گذرا ہے جن کی شہرت کا دامن قیامت کے دامن کے ساتھ وابستہ ہے جن کا نام ہمیشہ نیکی اور منصفی۔ فراخدلی اور بے تعصّبی رعایا پروری اور ہمدردی کے لیے یادگار زمانہ رہے گا جنکے نقش قدم پر چلنے سے موجودہ نسلیں اور آنیوالی قومیں اپنے اور دنیا کے لیے برکت اور مغفرت حاصل کر سکتی ہیں جنکی زندگی اور طرز عمل کو پیش نظر رکھ کے ہم لوگ ارتباط باہمی اور قومی زندگی کے مدارج طے کرکے ترقی کی شاہ راہ پر قدم مار سکتے ہیں جنکی زندہ جاوید خیال آجکل شور و شر اور حسد و نفاق کے زمانے اور زوال و پستی کی حالت میں ہماری رہنمائی کے لیے چراغ ہدایت کا کام دیتے ہیں جن کی نیک مثال اس طوفان بے تمیزی میں قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کیلیے ایک منار ثابت ہو سکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج تین سو برس بعد بھی شہنشاہ اکبر کا نام ادب اور عزت محبّت اور تقدس کے ساتھ لیا جاتا ہے اور اس کے کارناموں کی یاد تازہ کرنا ملک کی بکھری ہوئی جمعیت کو اکٹھا کرنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ کارنامے زبان زد خاص و عام ہیں۔ اور بجائے خود اکبر کی روشن ضمیری دریا دلی بلند حوصلگی اور دور اندیشی کے بہترین نمونے ہیں۔ اور انہیں یاد کرکے اس ترقی یافتہ دور میں بھی سب کو انکی تقلید کی ضرورت محسوس اور موجودہ حکمرانوں کو انپر کاربند دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مگر مجھے ان سب سے زیادہ دلچسپ۔ دلکش اور قابل قدر خود اکبر کی ذات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ انسانی صفات کا ایک بے نظیر مجموعہ اور کمالات دنیوی کا گنجینہ تھی۔ دنیا کی بیشمار خوبیاں اس ذات واحد میں جمع ہو گئی تھیں اور بہ حیثیت مجموعی اکبر انسان کے بہترین طبقے میں شہ نشینی کا مستحق ہے اور انہیں ذاتی خوبیوں کی بدولت اسے یہ شہرت اور ہردلعزیزی حاصل ہوئی ہے۔ انھیں کی بدولت اس کی حکومت کا سکہ تمام رعایا کے

Marfat.com

دل پر بیٹھ گیا۔ اور اب تک اُسکا اثر عام دلوں پر باقی ہے۔ انہیں کی بدولت اُس کے گرد اُس عہد کے تمام اہل کمال اور اہل ہنر جمع ہو گئے اور اُس کے مقاصد کے ساتھ ہمدردی بہمت اور استقلال کے ساتھ آمادہ ہو گئے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اُس کے بلند حوصلوں کی تکمیل اور اُس کے نیک ارادوں کی کامیابی کے لیے اپنے جان و مال کوشش اور لیاقت کو صدق دل سے نثار کرنے لگے۔

دلوں کی تسخیر مشکل بات ہی۔ ایسی مشکل کہ سخت سے سخت مہم بھی اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اور اسی سے اُسے جج اکبر کا معزز خطاب دیا گیا۔ دنیا کی تمام فتوحات عارضی ہیں اور بے دیرپا۔ اکبر کی یلغاروں کشور کشائیوں محاصروں اور اُس کی شان و شوکت بلکہ عظیم الشان سلطنت کا آج نام و نشان بھی باقی نہیں۔ کہاں ہیں وہ ریاستیں جن کے معزز سرداروں کو اس نے اپنی تلوار اور جان نثاروں کے بل پر ایک مرتبہ نیچا دکھا دیا تھا۔ کہاں ہیں وہ صوبے جنھیں اُس نے اپنے زیر حکومت اور زیر اقتدار کر لیا تھا۔ انہیں پر کیا منحصر ہے ؟ تمام شاہان سلف کی فتوحات کا کہیں نام و نشان تک باقی نہیں لیکن اکبر نے جس طرح اور جسقدر دلوں کو مسخر کر لیا تھا اُس کے نشانے آج بھی ویسے ہی دلکش اور زندہ جاوید ہیں اور عام دلوں پر اسوقت بھی اسکی حکومت اُسیطرح قائم ہے۔

آخر وہ کیا بات تھی کہ برسوں کی کھوٹ دور ہو گئی۔ باہمی رشک اور قومی عناد دلی نقص اور مذہبی تعصب سب یک لخت مٹ گئے ؟ اور ہندوی زند شمشیر اسلام کا معاملہ ہو گیا۔ وہ اکبر کے جوہر ذاتی تھے جن اوصاف کا وہ مالک تھا وہ ایک ذات میں کم جمع ہوتے ہیں نیکی ہیں نیک نیتی ہیں دلاوری ہیں۔ جوانمردی ہیں۔ شان و شکوہ ہیں رعب و داب ہیں۔ رحم و انصاف بے تعصبی اور فراخدلی فیاضی۔ اور علم دوستی اور رعایا پروری میں اکبر کا پایہ بہت اعلیٰ ہے یوں تو دلی اور دماغی دونوں قسم کی قابلتیں اُس کی ذات میں موجود تھیں۔ مگر دل کو دماغ پر فوقیت تھی دماغی قابلتوں میں بیرونی مدد مل سکتی ہے لیکن دلی نقص کی کوئی تلافی ممکن نہیں بچپن سے مرتے دم تک اکبر کی ایک ایک بات اُس کے اہل دل اور اہل محبت ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ کہتے ہیں کہ فتح کابل کے وقت اکبر کی عمر دو برس سوا دو مہینے کی تھی اور اُسے اپنی ماں سے علیحدہ ہوئے سال سوا سال کے قریب ہو گیا تھا۔ مگر بیگمات کی سواریاں محلیں

Marfat.com

پہنچیں اور اکبر سے ماں کے پاس جانے کو کہا گیا تو بھولے بھالے بچے نے پہلے کھڑے ہوکے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر سیدھا ماں کی گود میں جا بیٹھا- برسوں کی بچھڑی ہوئی ماں کے آنسو نکل پڑے- لوگ- کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر یہ چھوٹا سا واقعہ اکبر کی دلی محبت کی گواہی دیتا ہے-

آگے چل کے اس کے قلب کی کیفیت اور نمایاں ہوئی شاہزادہ سلیم کی سرکشی اُسکی محبّتِ پدری میں کوئی فرق نہ پیدا کر سکی- اُس کی سرتابی اور متواتر عدول حکمیوں کے باوجود اب شفقت اور ملائمت سے کام لیتا رہا- اکبر کو اسکی ہر بات کی خبر پہنچتی تھی اُس کے عندیہ بغاوت پر دربار میں ہل چل سی مچگئی- امرا بہت کچھ کہتے تھے مگر خیر اندیش باپ نے محبّت کو اپنا شیر بنا رکھا تھا- برابر جاگیر پر جاگیر نامزد کرتا رہا اور اُس کی تالیف قلب کے لیے کوئی ممکن تدبیر اُٹھا نہ رکھی آخر میں جب بڑی کوششوں کے بعد سلیم آگرہ آیا اور مریم مکانی والدہ اکبر کے محل میں اترا تو اکبر خود چلا گیا- اور جیسے ہی بیگمات سلیم کو اکبر کے سامنے لائیں وہ بیٹے کو چھاتی سے لگا کر دیر تک روتا رہا- اور اپنی دستار اس کے سر پر رکھ دی- یہ باتیں تھیں جنہوں نے اکبر کا دام محبّت دور تک پھیلا رکھا تھا- بعض کوتاہ نظر ان باتوں کو رموز مملکت سے تعبیر کرتے ہیں- اور کہتے ہیں کہ انکی محرک مصلحت ملکی تھی- نہ کہ دلی محبت میں کہتا ہوں کہ ایک سلیم کو جانے دیجئے اکبر کے نو کر کو بھی کہ جب اُس کی شکائتیں بادشاہ تک پہونچیں تو اُس نے کہا کہ میرے اُس کے درمیان دودھ کا دریا بہتا ہے جسے میں عبور نہیں کر سکتا-

یہاں پر ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس محبت کا اظہار صرف اسکی ذات خاص تک محدود تھا یعنی اس جذبہ کا اثر اکبر نے محض اپنی ذات تک محدود رکھا تھا- اپنے خلاف عداوت یا بغاوت کے معاملوں میں اس کا برتاؤ ہمیں برخلاف آئین محبّت نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ طرح دیتا رہا- مگر جب کسی معاملہ میں انصاف کا خون ہوتا تو اکبر اپنے دلی جذبات کو دبا کے اور طبیعت پر جبر کر کے انصاف ہی کو ترجیح دیتا تھا- اور بیجا پاسداری کو کبھی دخل نہیں دیتا تھا-

اکبر اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی محبّت اور فراخدلی سے پیش آتا تھا- ہیموں کے خون سے اُسنے اپنا ہاتھ نہیں رنگا- ایک اور غنیم کو اُس نے اپنی چھاگل سے پانی پلایا تھا- ان دو باتوں سے اُسکی دلی کیفیت اور محبّت کی حقیقت آئینہ وار اور اُس کے برتاؤ کی سچائی بخوبی دلنشین ہو جاتی ہے

Marfat.com

راجہ جے مل کہ اکبر کا جاں نثار اور مزاج شناس تھا کسی کار ضروری سے بنگالہ گیا تھا۔ راستے ہی میں انتقال کر گیا۔ اکبر نے یہ خبر سنکے بہت افسوس کیا جب محل میں آیا تو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اور چند راجپوت اس کی رانی کو ستی ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔ بادشاہ کو راجوں کی جو خاطر داری دل سے منظور تھی وہ سب پر ظاہر ہے ہندوؤں کی تالیف قلب کے لیے بادشاہ نے جس بلند نظری سے ان کے رسوم اور آئین کو اختیار کر لیا تھا۔ اسکا حال بھی سب پر روشن ہے۔ مگر نہیں اصلی محبت اندھی محبت نہ تھی۔ وہ اسے حکمت عملی کے طور پر نہیں برتتا تھا۔ اور موقع پر کبھی نہیں چوکتا تھا۔ اسیواسطے یہاں صبر کی تاب نہ لا سکا۔ فوراً صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور محل واردات پر پہنچکے رانی کی جان بچائی اور وہ بھی بزدلی نہیں بلکہ راجپوتوں کو قائل کر کے۔ اکبر کی تدبیریں ہمیشہ صلح و آشتی پر مبنی ہوتی تھیں۔ غصے کو وہ بہت کم راہ دیتا تھا۔ اور اسکی صدق دلی اسکی کوششوں اور ارادوں کو کامیابی کا تاج پہناتی تھی۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ دو جانباز راجپوت قدر دانی کی امید پر حاضر ہوئے بادشاہ نے محبت سے ان لوگوں کا سلام لیا۔ اور فرمایا کہ کیا چاہتے ہو اور کیا ہنر رکھتے ہو۔ جانباز راجپوتوں کے ہاتھ میں نیزے تھے۔ معاً دونوں نے نیزے سیدھے کر لیئے اور ایک دوسرے پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ دونوں کی نوک سناں سینوں کے پار ہو گئی۔ دو بہادر جاں بحق ہو گئے اکبر اس جانبازی کو دیکھکر بے قرار اور بے قابو ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ خود بھی اسیطرح جان دیدے۔ تلوار کو ایک دیوار میں گاڑ کے بار بار اس پر اپنا سینہ ٹکراتا تھا۔ مگر بہوا خواہان دولت فوراً دوڑ پڑے اور بادشاہ کی کمر پکڑلی تاہم اس کا جوش بڑھتا گیا۔ لیکن ہوا خواہوں کی مستعدی اور ہمت کی داد دینا چاہیے جنہوں نے اس جوش کو یہیں تک نہیں بڑھنے دیا۔ گو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ مگر اس سے قلب کی سچی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اکبر کا دل ایک صاف شفاف آئینہ تھا جس پر ہر چیز کا اثر پڑتا۔ اور اثر پذیر ہوتا تھا۔

اس کی محبت اور بہادری وغیرہ کوئی بھی مصنوعی یا نمائشی نہ تھی۔ بلکہ سب میں سچائی کا رنگ جھلکتا تھا۔ وفاداروں کے ساتھ اس کے محبت کے سلوک آگے چلکر بیان ہو نگے دشمنوں کے ساتھ بھی محبت اور فراخدلی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ تخت نشینی کے بعد ہی

Marfat.com

شاہ ابوالمعالی لبغاوت کے جرم میں گرفتار ہوکے دربار میں لایا گیا۔ اور بیرم خاں نے اکبر سے اُس کے قتل کا اشارہ کیا۔ مگر اکبر نے منع کیا۔ بہ حیثیت بادشاہ یہ اُس کا پہلا رحم تھا۔

مجروح ہیموں کو بھی گرفتار دیکھکر اکبر کو ایسا ہی ترس آیا تھا۔ یہ سر جھکائے خاموش کھڑا تھا شیخ گدائی صدر الصدور دربار بولے کہ پہلا جہاد ہے "حضور دستِ مبارک سے تلوار ماریں کہ جہاد اکبر ہو" مگر نوجوان بادشاہ نے نہایت بلند حوصلگی سے جواب دیا کہ یہ تو آپ مرا ہی اسکو کیا ماروں"

اکبر کی محبت طبقہ انسان ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اس کی ہمدردی بہت وسیع تھی اُسکی محبت کا دایرہ بتدریج بڑھتا گیا۔ اور آخر کار اسی وجہ سے اسکی طبیعت ترک حیوانات کیطرف مایل ہوئی۔ اس قسم کی دوسری باتیں بھی اسکو واضح کرتی ہیں بیشک اکبر کی محبت عالمگیر تھی۔ اکبر کو بے جا تشدد اور زیادتی کی برداشت نہو سکتی تھی ہندوؤں کے تالیف قلب کی اس کے عہد میں فی الواقع بڑی زبردست کوشش ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ راجپوتوں نے بھی جاں نثاری کو حد سے گذار دیا۔ مگر اکبر کے وسیع اگر یہ ارتباط محض مصلحت ملکی تک محدود ہوتا تو اُن کے یہاں کے قدیم اور مذموم رسموں کی اصلاح کیطرف اس کا خیال بھی نہ جاتا۔ مگر نہیں۔ اکبر نے رسم ستی کے انسداد کی کوشش کے علاوہ صغرسنی کی شادی کے خلاف بھی حکم جاری کیا۔

اسی محبت کا ایک نتیجہ اکبر کی رعایا پروری ہے۔ ذاتی نفع کا خیال اُس کے لیے بہت معمولی بات تھی۔ ستے کہ جزیہ کی کثیر آمدنی کی مطلق پروا نہ کی گئی۔ اکبر کو اپنی رعایا سے دلی اُنس تھا۔ وہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتا تھا کہ رعایا کے حالات اور خیالات اُن کے مصایب اور مشکلات سے واقف ہو اور اُن کی دادرسی کرے۔ اور اسمیں کوئی وقت بھی اُسے وقت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ عدالتوں میں ہندو و مسلمانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی مہلیت معلوم ہوتے ہی اُسے علما کی مخالفت کی بالکل پروا نہ ہوئی۔ اور اس نے اِس ضروری اصلاح کے متعلق ضروری احکام صادر کرنے میں ذرا دیر نہ کی۔

اکبر کی سب سے بڑی تعریف یہی ہے کہ باوجود منبع محبت ہونے کے اُس نے اپنے ذاتی جذبات کو کبھی انصاف اور عدالت گستری پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ اپنی دایہ اور اپنی کوکہ کے ساتھ اکبر کا جیسا برتاؤ تھا اُس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مگر ایک بار اکبر کے ایک کوکہ نے

Marfat.com

رشک و حسد کی آگ سے مشتعل ہو کر وزیر اعظم کو عین دربار میں قتل کر ڈالا۔ اور رعایت خسروانہ کے زعم میں در دولت پر جا کھڑا ہوا لیکن اکبر نے اُسے فوراً اپنی سزا کو پہونچا دیا۔

اکبر بڑا دلیر اور شجاع، محنتی اور جفاکش، الوالعزم اور بلند حوصلہ تھا۔ اکثر یلغاروں اور محاصروں میں وہ خود فوج کے ہمراہ ہوتا تھا اور وہاں کارنمایاں کرتا تھا۔ اُسے ہمیشہ اپنی ذاتی مثال سے اپنے جاں نثاروں اور ہوا خواہوں کی دلداری اور حوصلہ افزائی مدنظر رہتی تھی۔ اکثر موقعوں پر بہت قلیل جمعیت کے ساتھ اُس نے محض اپنی ہمت اور دلاوری اور مستعدی کی بدولت کثیر التعداد دشمنوں پر فتح حاصل کی۔ ایک بار دکن کی ایک مہم میں اکبر کے پاس صرف سَو سپاہی تھے سامنے دریا تھا اور دشمن کی تعداد بہت کثیر تھی یہ اکبر ہی کی ہمت تھی کہ فتح حاصل ہوئی۔

احمد آباد کی مہم میں پروفیسر آزاد لکھتے ہیں کہ وہ سفید بُراق گھوڑے پر سوار تھا۔ اور عام سپاہیوں کی طرح تلواریں مارتا پھرتا تھا۔ ایک موقع پر کسی دشمن نے اُس کے گھوڑے کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ چراغ پا ہو گیا۔ اکبر نے بائیں ہاتھ سے اُس کے بال پکڑ کے سنبھالا۔ اور حریف کے ایسا برچھا مارا کہ زرہ توڑ کر پار ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ پھر مارے مگر پھل ٹوٹ کر زخم میں رہ گیا۔ اور بھگوڑا بھاگ نکلا۔ ایک نے آکے ران پر تلوار کا وار کیا۔ ہاتھ اوچھا پڑا تھا خالی گیا۔ اور بزدل گھوڑا نکل گیا۔ ایک نے آکر نیزہ مارا چھتہ بدگوجر نے برچھا پھینک کے اُس کا کام تمام کیا۔ غرض جہاں جاتا تھا اسی قسم کی بہادریاں دکھاتا تھا۔

اور اس پر لطف یہ کہ بہادری اور سپہ گری کے آئین سے ایک قدم تجاوز نہیں کرتا تھا اُس کے دل کی نیکی نے اُسے دشمنوں کی زیردستی اور مجبوری سے کبھی بے جا فائدہ نہیں اٹھانے دیا مہم گجرات کے سر ہونے میں ذرا دیر لگی تھی کہ اکبر ایک روز علی الصباح صرف چند سپاہی ہمراہ لے کر چل دیا اور اس دور و دراز فاصلے کو دن رات چل کے نو دن میں موقع جنگ پر پہونچ گیا۔ غنیم کو بہادر دن پہلے خبر معلوم ہوئی تھی کہ اکبر دارالسلطنت میں موجود ہے انھیں اُس کی موجودگی کا اعتبار نہ آتا تھا۔ اکبر چاہتا تو دھوکے سے فائدہ اُٹھا کر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں اُس نے باقاعدہ طور پر پہلے جنگی نقارہ بجانے کا حکم دیا۔ غنیم اب بھی اُسے دھوکہ بازی سمجھے ہوئے تھے بالآخر جنگ ہوئی اور اقبال اکبری فتحیاب ہوا۔

اکبر کی بہادری فطرتی تھی۔ ۱۶ برس کی عمر میں جب بغاوت سرکشی اور مخالفت کا چاروں طرف

Marfat.com

زور تھا۔ جب ہیموں نے دلی و آگرہ پر قبضہ کر لیا تھا جب بڑے بڑے سورما سردار ہمت ہار بیٹھے تھے اور لشکر میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ جب ایک ایک کا منہ تک رہے تھے اور کابل بھاگ چلنے کی رائے دے رہے تھے۔ اس وقت اگر ہمت نہ ٹوٹی تو بوڑھے خان خاناں اور نوعمر اکبر کی۔ خانخاناں نے دربار میں تمام امراء کو سمجھایا بجھایا سب باتوں کے نشیب و فراز بتلائے اور کہا کہ جس ملک پر بزرگوں نے تلواریں مار کر اور ہزار طرح کی جان جوکھوں اٹھا کر قبضہ پایا ہے اُسے مفت غنیم کے حوالے کرنا کہاں کی عقلمندی ہے یہ بھی غیرت دلائی کہ اگر جانیں لیکر نکل گئے تو منہ کس ملک میں دکھائیں گے اور لوگ یہ نہ کہیں گے کہ بادشاہ تو بچہ تھا کم کہن سال سپاہیوں اور دیرینہ نمک خواروں کو کیا ہوا تھا۔ مار نہ سکتے تھے تو مر ہی گئے ہوتے۔

جب اس مردانہ تقریر نے بھی گرمجوشی پیدا کرنے کے بجائے ایک خاموشی اور سکتے کا عالم طاری کر دیا۔ اور امرائے دربار و سرداران جان نثار چپ سادھے بیٹھے رہے تو اکبر نے کہا کہ میرے دل کی بات تو یہ ہے کہ اب ہندوستان کے ساتھ سر لگا ہوا ہے۔ جو ہو وہ یہیں ہو۔ یا تخت یا تختہ۔ اس دلیرانہ جملے نے نیم جانوں کو بھی جاندار بنا دیا۔ اور سب جان توڑ کر لڑے۔ اور آخر کار فتحیاب ہوئے۔

اوپر کی مثال میں اکبر کی دماغی یکسوئی اور عیت میں اسکی دلی طمانیت کی کیفیت بھی واضح ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ بہادری کے متعلق اکبر میں کل ضروری اوصاف موجود تھے۔ اُس کی خدالی کا حال بیان ہو چکا ہے۔ مزاج میں عفو بہت تھا۔ مہم کشمیر کی ناکامیابی پر پہلے تو اپنے سرداروں سے ناراض رہا۔ مگر پھر جلد سب کو معاف کر دیا۔

مستعدی میں بہت کم لوگ اکبر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کام کیوقت کبھی اُسے اپنے ذاتی آرام کا خیال نہ ہوتا تھا۔ اکثر دفعتہً مہموں کی مدد پر چل دیتا تھا۔ اور دنوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرتا تھا۔ ایک بار چوبیس گھنٹے برابر سفر کرتا رہا۔ دمیر تک اکثر پیدل چلا جاتا تھا۔ بادشاہ ہو کر کون ایسی جفاکشی کا عادی ہے وقت کو وہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ چتوڑ کے محاصرے میں یہ ایک پہاڑی سے جنگ کے حالات دیکھ رہا تھا کہ راجپوتوں کا سردار فصیل قلعہ پر دکھائی دیا۔ اس نے فوراً ہی اپنی بندوق سر کر دی اور وہ وہیں سسک کر رہ گیا۔

اکبر چشم بینا رکھتا تھا۔ دیکھ بھال۔ غور و تامل اور معائنہ و مشاہدہ کی اُسمیں بہت

Marfat.com

عادت تھی۔ سیر و سفر کے زمانے میں اس کی نظر ہمیشہ گرد و پیش کے حالات پر رہتی تھی۔ جب اسنے اس وسیع سلطنت کے زیادہ تر حصے کو ویران پایا تو اسکی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اور زمین کو ناکارہ یا رعایا کو کاہل اور کام چور قرار دے کر اپنی تسلی نہیں کی۔ فی زمانا حکام کی تمام قابلیت اسی میں صرف ہوتی ہے کہ قحط اور طاعون وغیرہ کے لیے رعایا ہی کو متہم کریں۔ مگر اکبر نے انتظام سلطنت پر غائر نظر ڈالکر اسکی خامیاں دور کرنے کی فکر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک کی صوبہ بندی ہو کر نیک حاکم مقرر ہوئے۔ اور مالگذاری میں بھی معقول تخفیف ہوئی۔
اکبر میں بہت سی اخلاقی خوبیاں تھیں۔ جن کے مفصل بیان کے لیے یہ چند اوراق کافی نہیں ہیں۔ وہ قول کا پکا اور بات کا دھنی تھا۔ ایک بار باغیوں میں سے ایک نے اس سے صلح کر لی۔ مگر بعد میں اس کے اور رفقا اس عہد کو مسترد کر کے آمادہ بجنگ ہوئے۔ اکبر اپنے افسروں کو برابر منع کرتا رہا۔ اور حتی المقدور عہد شکنی سے بچتا رہا۔ آخر جب باغیوں نے جنگ جوئی میں پیش قدمی کی تو اسے بھی مجبوراً انکے کیے کی سزا دینی پڑی۔

اکبر اگرچہ کتابی علم سے بے بہرہ تھا۔ مگر علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا وہ علماء سے بھی زیادہ شائق اور دلدادہ تھا۔ اسکی خداداد طبیعت میں ہر فن اور ہر علم کے جاننے کی صلاحیت کسب کمال اور تحصیل علم کے لیے وہ ایک سچے طالب علم اور جویائے حقیقت کی طرح کسی قسم کی محنت۔ تکلیف۔ اور نفس کشی میں بند نہ تھا۔ اگلے زمانے کے ہندوں میں علم قومی حدود کے اندر مقید رہا۔ اور غیر قوم کو اس کی تعلیم نا واجب تھی۔ مگر اکبر سا متلاشی علم ان ممنوعات کو کب خاطر میں لاتا تھا۔ اور اسلیے علمائے ہنود کی دلجوئی میں اسطرح دریغ نہ کرتا تھا۔ اور وہاں ایک برہمن جو ایک کھٹولے میں بیٹھکر رسی کے ذریعے سے کھڑکی کے پاس پہنچتا تھا۔ ہندو مذہب کے متعلق تحقیقات کرتا تھا۔ شہنشاہ وقت ہو کر علم کی خاطر اس قدر تکلیف گوارا کرنا اور تنگ خیال علما کے اوہام کا اس درجہ لحاظ رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ علمی ترقی کے لحاظ سے اکبر کا زمانہ تاریخ ہند کا بہترین زمانہ گزرا ہے۔ اکبر کا دربار علمائے وقت کا مجموعہ تھا۔ ایک ایک تصنیف پر جوہر شناس بادشاہ لاکھوں روپے دیتا تھا۔ ترجمہ کا شعبہ علیحدہ قائم تھا اور سنسکرت۔ یونانی عربی کتابوں کے ترجمے کا جداگانہ انتظام تھا۔ سنسکرت کے بعض بہت مشہور علمی خزانے اسکی قدر شناسی کی بدولت فارسی میں منتقل ہو گئے۔ سنگاسن بتیسی اتھرون وید۔ رامائن۔ راج ترنگنی مہابھارت۔ نل دمنتی۔ لیلاوتی کلیلہ دمنہ۔ تاجک۔ ہری بنس جوتش۔ سب اسی کے عہد میں سنسکرت سے ترجمہ ہو کر فارسی میں آئیں۔

Marfat.com

فنونِ لطیفہ سے بھی اُسے بیحد دلچسپی تھی۔ تصویر کشی وغیرہ سے اُسے بڑا شوق تھا۔ موسیقی میں بھی اچھا ملکہ تھا۔ سیر و شکار۔ چوگان بازی اور دیگر مردانہ اشغال کا بھی اُسے نہایت شوق تھا۔ اکبر طبع موزوں بھی رکھتا تھا۔ اور اکثر اشعار اس کے یادگار ہیں۔ ایجاد کا مادہ بھی موجود تھا۔ آئین اکبری میں اس کے ایجاد و اختراع کی مفصل کیفیت درج ہے۔

باایں ہمہ اکبر کا مزاج بہت سادہ تھا۔ کھانا ہمیشہ دن میں ایک بار کھاتا تھا۔ اور وہ بھی بہت سادہ۔ خشک و تر میوہ جات اس کے دسترخوان کا ضروری جزو ہوتے تھے۔ انکی کاشت کا بھی بڑا شوق تھا۔ ایران و توران کے باغبانوں کو آگرہ میں بلایا تھا۔ کابل قندھار اور سمرقند کے میوہ جات آگرہ میں سہل الحصول تھے۔

اکبر دیر تک جاگتا رہتا تھا۔ اسکی راتیں اکثر علمی مباحث۔ مذہبی تحقیقات اور علما کی صحبت میں صرف ہوتی تھیں۔ صبح ہوتے ہی یہ بیدار مغز بادشاہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر دربار میں جلوہ افروز ہوتا۔ اور وہاں سب کی عرض و معروض سنتا تھا۔ دوپہر تک دربار کرتا۔ اس کے بعد کھانا کھاتا۔ پھر ذرا دیر آرام کرتا۔ بعض اوقات صبح کے گھنٹے شکار وغیرہ کی نذر ہوتے تھے اور شام چوگان بازی میں صرف ہوتی تھی۔

یہ ہیں ذاتی اوصاف اُس عظیم الشان شاہنشاہ کے جس کا نام تاریخ ہند میں ہمیشہ آفتاب بنکے چمکے گا۔ جس پہلو سے چاہیے دیکھئے اکبر شاہنشاہان ہند میں لاثانی نظر آئے گا۔ اصول مملکت اور طریق حکومت کو لیجیے۔ برسوں کی عداوتیں تعصبات اور خیالات میں کیسا انقلاب عظیم ہو گیا۔ دوست دشمن ہر کس و ناکس کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا دلفریب تھا۔ امرا و وزرا بھی اُسے کیسے باکمال۔ اہل ہنر۔ وفادار اور جاں نثار ملے تھے۔ آدمی جس قابل ہوتا ہے اُسی طرح کے دوست بھی مل جاتے ہیں۔ اس برگزیدہ صفات اور جامع الکمالات بادشاہ کو ابوالفضل ایسے مدبر۔ فیضی ایسے مشیر۔ ٹوڈرمل سے وزیر اور مان سنگھ سے جاں نثار اور خانِ زماں سے بہادر اور جاں باز مل گئے تھے اور لطف یہ کہ سب کے سب وفاداری عقیدت مندی یکدلی جفاکشی اطاعت اور خیرخواہی ایمانداری میں یکتائے روزگار۔ ہمت و دلاوری میں عدیم النظیر تھے۔ عجیب بات ہے کہ جس طرح اکبر میں شجاعت اور ذہانت کے دونوں اوصاف یکجا ہو گئے تھے۔ اسی طرح اُس کے درباری تلوار اور قلم دونوں پر یکساں قادر تھے۔ سب بات کے دھنی۔ قول کے پورے اور مالک کے نام پر جان تک قربان کرنے والے۔ سب اس کے کام کو اپنی سرخروئی کا باعث بلکہ زندگی کا مقصد اور ماحصل سمجھنے والے سب اُس کے اغراض کی تکمیل کو

اپنا فرضِ منصبی بلکہ مذہبی جاننے والے اور اُن کے حصول کے لیے کیسے کیسے کارنمایاں کرتے تھے مگر اب تک احسنت و مرحبا کی صدائیں بلند ہوتی ہیں فقط لہ

ایڈیٹر

Marfat.com

شہنشاہ اکبر

اور

موبدان مجوس

(نوشتہ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری - ایم - آر - اے - ایس - ایف آر - ایچ - ایس)

"اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کو مذہبی تحقیقات کا جیسا شوق تھا ایسا کسی بادشاہ کو دنیا میں نہیں ہوا۔ اُس نے یہودی ۔ عیسائی ۔ مسلمان ۔ برہمن ۔ مجوسی ۔ علماء کو دور دور سے بلا کر اپنے دربار میں جمع کیا اور بے شمار دولت خرچ کر کے تمام مذاہب کی مقدس کتابیں فارسی میں ترجمہ کرائیں۔"

(پروفیسر میکس مولر)

اکبر کے دین الٰہی سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اس لئے ان حالات کو زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اکبر نے اپنی عمر کے ابتدائی بیس سال ملک گیری اور کشور کشائی میں صرف کئے۔ اس عرصہ میں جب اُسے ہندوستان کے بہت بڑے حصہ پر تسلط حاصل ہو گیا تو باقی عمر کو امن چین سے بسر کرنا چاہا۔ اور اس غرض کے لئے سیکری کی کوہستانی زمین انتخاب کی اور وہاں ایک عظیم الشان شہر فتحپور بسا کر رہنے لگا۔ اس اطمینانی زندگی نے اکبر کی طبیعت علوم و فنون کی طرف راغب کر دی۔ اُس نے ۹۸۳ھ ۱۵۷۵ء میں اپنے محلات کے پاس ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام "عبادت خانہ" رکھا۔ یہاں ہر جمعہ کو نماز کے بعد ایک علمی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی جس میں بڑے بڑے علما۔ فضلا۔ فقہا جمع ہوتے۔ خود اکبر بھی شریک ہوا کرتا اور بڑے بڑے

Marfat.com

اہم مسایل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ شیخ ابوالفضل علامی کا بیان ہے کہ اہل محفل کو دینی اور فقہی مسائل مین خوب لطف آتا تھا سوال و جواب پرزور و شورسے رد و قدح ہوتی تھی۔ اور ہر ایک فریق دوسرون کے خیالات کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا اس کشمکش اور باہمی مخالفت سے اکبر کے مذہبی اعتقادات کو سخت نقصان پہونچا اور اسکی نگاہون مین اسلام اور دیگر مذاہب یکسان نظر آنے لگے

اب اکبر کو تمام مذاہب کی تحقیقات کا شوق پیدا ہوا اور اُس نے ۹۸۶ھ کو اسی عبادت خانہ مین ایک مذہبی کانفرنس قائم کی اور اس مین ہر مذہب و ملت کے علما کو آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت دیگئی۔ صوفی۔ حکیم۔ متکلم سنی شیعہ برہمن جین۔ بُدھ۔ عیسائی۔ یہودی زردشتی وغیرہ سب آآکر جمع ہوگئے ان لوگون نے اپنے اپنے آئین و قوانین کو نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ ان مباحث کے سننے مین اکبر نے بھی خوب دلچسپی ظاہر کی اور تمام مذاہب کی ان باتون کو لے کر جو اسے پسند آئین ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالی اور اسکا نام "دین الٰہی" رکھا۔

دین الٰہی کے جو آئین و قوانین تیار ہوئے اگر انکی تفصیل لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب و آتش کی پرستش شروع ہوئی۔ محل مین ہوم جلنے لگا۔ قدیم پارسی رسم کے موافق آتشکدے بنے۔ عیدین کی بجاے نوروز کے جشن ہونے لگے۔ یہ تمام مراسم جو پارسی مذہب سے ماخوذ تھے "دین الٰہی" کا رکن اعظم قرار پائے۔

اب یہ بحث درپیش ہے کہ "کن لوگون کی صحبت مین اکبر کو زردشتی مذہب سے اسقدر دلچسپی پیدا ہوگئی" اس بارے مین ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ گجرات کے قصبہ نوساری مین چند آتش پرست رہتے تھے۔ جنھین بادشاہ نے اپنے دربار مین طلب کیا۔ اور اُن سے شاہان کیانیہ کے طریقے سیکھے۔ ابوالفضل کی نگرانی مین آتشکدے بنوائے۔ ہندو رانیون کے ساتھ ہوم جلانے لگا۔ یہانتک کہ جلوس کے پچیسوین سال (۹۸۸ھ) آفتاب و آتش کی علانیہ عبادت شروع کردی۔ اسکی اصل عبارت یہ ہے۔

آتش پرستان کہ از شہر نوساری از ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت راحق نمودند و تعظیم آتش را عبادت عظیم گفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح و راہ و روش کیانیان واقف ساختند۔ تا فرمودند کہ آتش را باہتمام شیخ ابوالفضل بروش ملوک عجم کہ آتشکدہ ایشان ہمیشہ برپا بودہ۔

۱۔ نیز انڈ اکبری جلد سوم صفحہ ۳۲۰ ۔ ۲۔ اکبرنامہ مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحہ ۲۵۲ ۔ ۳۔ منتخب التواریخ مطبوعہ کلکتہ جلد دوم صفحہ ۲۶۱

دائم الاوقات چہ در شب چہ در روز در محل نگاہ می داشتہ باشند کہ آیتی است از آیات خدا و نوری است از انوار وے۔ و ہوم کہ عبادت از آتش پرستی بہ موافقت دختران راجہائے ہند خود از عنفوان شباب درون حرم معمول بودہ در ایام نوروز سال بست و پنجم از جلوس سجدہ آفتاب و ہم سجدہ آتش علانیہ می کردند و مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم ساختند۔ لہ

ذوالفقار اردستانی مصنف دبستان نے ملا صاحب کے اس بیان پر اور اس قدر اضافہ کر دیا ہے کہ بادشاہ نے ایران و کرمان سے بہت سے مجوسی طلب کئے۔ اردشیر ایران سے آیا۔ آذر کیوان نے آنے سے معذرت کی۔ مگر اپنی تصنیف سے ایک عجیب و غریب کتاب بھیجی جس میں یہ صنعت تھی کہ نقطوں کو اول بدل کریں تو عربی اور الفاظ الٹ دیں تو ترکی۔ اور مصحف کریں تو ہندی ہو جاتی تھی۔ اردستانی کے خاص الفاظ یہ ہیں :۔

و ہم چنین آتش پرستان کہ از قصبہ نوساری کہ از ولایت گجرات آمدہ بودند درین زردشت راحق و تعظیم آتش را عبادت عظیم می گفتند حضرت ایشان را بجانب خود خواندند از راہ و رسش کیانیان وقوف حاصل نمودند و ہم اردشیر نام زردشتی دانا را از فرستادہ از ایران آوردند۔ و آتش را باہتمام تمام بنواب علامی شیخ ابوالفضل سپردند و مقرر ساختند کہ بر آئین موبدان بطریقی کہ آتش کدہ کیان مجم ہمیشہ برپا بود دائم الاوقات چہ در شب چہ در روز اندر زمان شبستان نگہ دارند کہ آیتی است از آیات خداوند نوری است از انوار ایزد بلند۔ و ہم چنین از کرمان آتش پرستان را بخواندند و دقائق دین زردشت از ایشان پرسیدند و نامہ ہا بہ آذر کیوان کہ سرگروہ یزدانیان و آبادانیان بود بفرستادہ او را بہ ہند طلبیدند۔ آذر کیوان از آمدن عذر خواست و نامہ از تصنیفات خود فرستاد۔ در ستایش واجب الوجود و عقول و نفوس و سماوات و کواکب و عناصر و در نصائح بادشاہ مشتمل بہ چہاردہ جزو ہر اول سطر آن پارسی بحت دری بود و تصحیف آن را چون می خواندند عربی می شد۔ چون قلب می کردند ترکی بود۔ چون تصحیف آن میخواندند ہندی میگشت۔ لہ

نواب صمصام الدولہ نے ماثر الامراء میں صرف اردشیر اور آذر کیوان کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے :۔

و چون عرش آشیانی را شوقی باستکشاف مسائل و مذاہب فرق انام بہم رسید دکمتر زمانی مجلس بادشاہی مجمع دانایان ہر ملت و مذہب گردید۔ اصحاب ملل و نحل فراہم آمدند و باہمہ راہ مدارا و آشتی الفت مراعات میگشت داولہ ہر فریق و منقولہ ہر طائفہ با تعصب مذکور میکردند و ہم سن و مساوی ہر طائفہ با تکلف

لہ منتخب التواریخ مطبوعہ کلکتہ جلد دوم صفحہ ۲۶۳ لہ دبستان مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ [illegible]

Marfat.com

بیان می شد۔ وہر یکے در قدح و نکوہش دیگرے میکوشید۔ یہودی یا نصرانی سنی یا شیعہ و مجوسی و برہمن با اسلامی مناظرہ و مجادلہ می نمودند و نعوذ باللہ بے محابا انواع قبائح و شنائع بذوات مقدسہ انبیاء عظام و ائمہ کرام نسبت میکردند۔ طرفہ ہنگامہ بر پا شد و مکابرہ بہ جائے انجامید کہ علما و فقہائے اسلامیہ با ہم در افتادہ تکفیر یکدیگری نمودند۔ حکیم فلسفی میگفت کہ عقلا در ہمہ ادیان موجود اند۔ ترجیح بلا مرجح چرا۔ تابع ناموس اکبر عقل کہ ممیز و حاکم است میان حسن و قبح باید بود۔ اعتماد بر دیوا فسانہا نباید کرد کہ خانہ نقول خراب است۔ اردشیر نام زردشتی را از ایران طلبیدند او آتش با خود آورد آن را از انوار ایزدی ۔ انستہ اہتمام آن بشیخ ابوالفضل مفوض شد کہ بدستور آتش کدہائے فارس باحتیاط نگاہ دارد و فرمانی بہ طلب آذر کیوان کہ سر آمد مجوسیان ایران و یار بود رقم پذیرفت او عذر خواست و نامہ از مولفات خود کہ مشعر ستائش مجردات و کواکب و متضمن نصائح و حکم بود فرستاد مشتمل بر چہاردہ جز ہر سطرش فارسی بحت بود و تصحیف آن عربی و چون قلب میکردند ترکی و باز مصحف آن ہندی می باشد" [1]

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے دربار مین

(۱) قصبہ نوساری سے چند آتش پرست آئے تھے۔

(۲) ایران سے اردشیر نام ایک مجوسی عالم طلب ہوا تھا۔

انھین لوگون سے اکبر نے زردشتی مذہب کے تعلیمات حاصل کئے تھے۔

اکبر کے دربار مین میر جمال الدین حسین انجو ایک زبردست عالم تھے۔ شیراز ان کا وطن تھا۔ چار ہزار ماہانہ کی جاگیر مقرر تھی۔ ۱۵۹۹ء مین اکبر نے ان سے فارسی لغات مدون کرنے کی فرمائش کی اور تالیف مین مدد لینے کے لئے بہت سی کتب لغات خرید کر دین۔ فارس سے چند مجوسی علما بھی بلوائے تاکہ قدیم الفاظ کی تصحیح مین مدد دیا کرین۔ کتاب بارہ سال کی محنت کے بعد جہانگیر کے عہد مین ختم ہوئی اور میر صاحب نے اس کا نام فرہنگ جہانگیری رکھا۔ [2]

میر صاحب نے اس کتاب مین لفظ برسام کی تحقیق کرتے ہوئے اردشیر کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے۔

---

[1] مآثر الامراء۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۰ء جلد دوم صفحہ ۳۸۴ تا ۳۸۶

[2] H. Blochmann's contributions to Persian Lexicography J. A. S. B. Vol XXXVII (1868) PP. 12, 14

برسام ...... شرح این لغت از مجوسی کہ در دین خود بغایت فاضل بود و اردشیر نام داشت و او را مجوسیان موبدی دانستند۔ و حضرت عرش آشیانی اکبر محض بجہت تحقیق لغات فرس مبلغہا از برایش فرستادہ او کرمان طلبیدہ بود مدد تحقیق نمودہ نوشت۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردشیر محض تحقیق لغات کے لئے طلب ہوا تھا۔ دستور اسفندیار کامدین نے بھی اپنی گجراتی کتاب پارسی پرکاش مین اردشیر کے آنے کا یہی سبب لکھا ہے۔ چنانچہ اس بارے مین اُسنے جو طول وطویل عبارت لکھی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اکبر نے جب فارسی لغات لکھوانی شروع کی تو اردشیر کو تصحیح الفاظ کے لئے ایران سے بلوایا۔ ۱

مسٹر مانک جی رستم جی کی شائع کردہ کتاب فارسی حکایات مین اردشیر کا ایک خط درج ہے جسکو اُسنے ہندوستان آنے کے بعد قیام دین پدم کے نام لکھا تھا۔ اس خط کی ابتدا اسطرح ہوئی ہے ۲

وقتے کہ دستور اردشیر نوشیروان کرمانی از ایران زمین در ملک ہندوستان پیش شاہ اکبر آمدہ بود آنگاہ این مکتوبات بدستور قیام دین پدم نوشتہ بود۔

آخر مین کتابت کی تاریخ حسب ذیل تحریر ہے۔

بنفشتہ شد در روز دین ماہ فروردین قدیم ۹۶۷ شمسی یزدجرد شاہنشاہ۔

اس حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اردشیر دربار اکبری مین ۹۶۷ شمسی یزدجرد مین پہونچا تھا جو ۱۰۰۶ ہجری کے مطابق ہے۔

اردشیر کے متعلق اوپر دو بیان گزرے ہین۔ دبستان اور ماثر الامرا والون نے اس کے آنے کی غرض تحقیق مذاہب بتلائی ہے۔ فرہنگ جہانگیری مین تحقیق لغات لکھا ہے۔ ملا جمال الدین حسین انجو چونکہ اکبر اور اردشیر کا معاصر ہے۔ اس لئے اسکی تحریر قابل وثوق معلوم ہوتی ہے۔ دبستان اور ماثر الامرا اکبر کے بہت عرصہ کے بعد تصنیف ہوئی ہین اور ممکن ہے کہ اس عرصہ مین یہ روایت مسخ ہوگئی ہو۔ ۳

شیخ ابوالفضل اور ملا عبدالقادر بدایونی کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۹۸۶ھ ۱۵۷۸ء مین اکبر کی مذہبی

---

۱ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۵۰۱ و ۵۰۵ ۲ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۵۰۴ ۳ دبستان مین سنہ تصنیف درج نہیں ہے مگر بہ وثوق کے ساتھ کہتے ہین کہ یہ کتاب گیارھوین صدی کے ثلث ثانی مین مرتب ہوئی ہے۔ کیونکہ مصنف نے ۹ ربیع الاول ۱۰۶۳ھ کے واقعہ (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۹۳) کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ گویا وہ بہت ہی قریب کا زمانہ ہے۔ ماثر الامرا اس کتاب سے تقریباً ایک صدی بعد لکھی گئی ہے اور گمان غالب ہے کہ اس مین اردشیر کا واقعہ دبستان ہی سے نقل ہوا ہے۔

Marfat.com

کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ دو سال تک زور و شور سے بحث مباحثے ہوتے رہے اس عرصہ مین دین الٰہی کا ڈھانچہ تیار ہوگیا۔ اور یہ کارروائی جلوس کے چھبیسوین سال (۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء) ختم کردی گئی۔ اس بنا پر اگر اردشیر تحقیق مذہب کے لئے طلب ہوا تھا تو اس کو ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء اور ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء کے مابین آنا چاہئے تھا۔ لیکن خود اردشیر کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء مین ہندوستان پہونچا۔ جبکہ مذہبی کانفرنس کو برخاست ہوکر اٹھارہ برس گزر چکے تھے۔ اس سے صاف صاف عیان ہو رہا ہے کہ اردشیر کو مذہبی معاملات سے کچھ بھی سروکار نہ تھا۔

نوساری والے مجوسی کون تھے اور ان کے نام کیا تھے؟ اسلامی تاریخون سے اسکا جواب نہین ملتا۔ لیکن بعض مجوسی تصنیفات سے صرف اس قدر پتہ چلا ہے کہ قصبہ نوساری سے دستور ماہیار رانا ایک زبردست عالم دربار اکبری مین طلب ہوا تھا اور اس کی ہمراہی مین چند ذی علم شاگرد بھی آئے تھے۔ دستور شاپورجی مانک جی (۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء – ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء) نے قصۂ آتش بہرام کے نام سے ایک منظوم کتاب ۱۲۳۵ یزدجرد مین تصنیف کی ہے اور آتش کدہ نوساری کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ دستور (ماہیار) نام ایک عالم اکبر کے دربار مین پہنچا اور اپنے مذہب کی حقانیت پر بہت سے دلائل پیش کئے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے اصل ابیات یہ ہین۔

"درین ایام دستوران دستور | کہ نام او بود سہراب پرنور
کر نسل او ست از دستو ماہیار | بدانی باب آن رانا نکوکار
ہمیشہ دین بہ را جلوہ دادہ | گنہ گاران نگون سر شد زیادہ
بہ نزدیک شہ اکبر رفتہ بوداو | بسے برہان دین ظاہر نمود او
کہ نام او بہ جاہست ظاہر | مرآن دستور بود او پاک طاہر"

مشہور عالم شرقیات پروفیسر ڈارمسٹر DARMESTETER کی تحریرات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے جیسا کہ انکے مقدمہ ژند اوستا سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایران کے مجوسی اکبر سے بہت پہلے ہندوستان مین آکر آباد ہوچکے تھے۔ دستور ہوشنگ ثریان ایک مجوسی عالم بھڑوچ مین گزرا ہے اس کے بعض مکتوبات بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ مین ابتک محفوظ ہین منجملہ ان کے ایک مکتوب ماہ آبان ۸۵۰ یزدجرد (۱۴۸۱ء) کا لکھا ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت مغربی ساحل کے اکثر شہرون مین ان لوگون کی آبادی موجود تھی۔

Marfat.com

نام ستایش ویاری دادار اورمزد بکام و نام وسایہ شادمانی وزندگانی وفیروزی وبہروزی کدخدایان بہدینان ہندوستان وسالار شہر نوساری چنگشاہ وباقی انوزمان وروان وہیربدان نوساری ودیگر سورت وانگلیشر وبروچ وکمبایت ۔ لہ

قصبہ نوساری ان کا مذہبی مرکز تھا اور وہاں کئی ایک مذہبی پیشوا بود و باش رکھتے تھے۔ دستور دارابہ پہلان نے اپنی کتاب خلاصہ دین میں اُنکا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مہیرجی رانا ان میں سب سے بڑا دینی پیشوا یا موبدان موبد تھا۔

زنسل پاک تن ماہیار رانا　　　　کہ دستور مہین بود او بدنیا

دستور ماہیار کا نسب نامہ یہ ہے۔ دستور ماہیار بن ہیربد رانا بن ہیربد جیسنگ بن ہیربد دادا بن ہیربد جیسنگ بن ہیربد موبد بن ہیربد قیام دین بن ہیربد موبد بن ہیربد کام دین بن ہیربد زردشت بن ہیربد ہرمزدیار بن ہیربد رام یار۔ ہیربد رانا قصبہ نوساری میں رہتا تھا۔ اور اپنے علم وفضل کے اعتبار سے یکتائے روزگار گنا جاتا تھا۔ عربی فارسی پہلوی زبانوں میں اسکو خوب مہارت تھی۔ خوش نویس بھی اعلی درجے کا تھا۔ اُسنے اپنے مذہب کی بہت سی کتابیں نقل کی ہیں اور ان کے آخیروں خاتمے بھی لکھے ہیں۔ جن سے اس کے بعض حالات پر تھوڑی بہت روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ذیل میں دو کتابوں کے خاتمے درج کرتے ہیں۔ کہ

خاتمہ پازند حکیم جاماسپی نوشتہ سنہ ۱۵۹۱ء

"تمام شد این کتاب جاماسپی من دین بندہ ازکترین خاک رویان رانا بن ہیربد جیسنگ بن ہیربد دادا بن ہیربد جےسنگ بن ہیربد موبد بن ہیربد قیام دین بن ہیربد موبد بن ہیربد کام دین بن ہیربد زرتشت بن ہیربد ہرمزدیار بن ہیربد رامیار۔ از نسخہ نویشنی ہیربد کہ این بیک، چیو ہیربد چی نوشتم ارجت دالشتنی نوفرہنگیا نو اوکرفہ وخشنی بہدنیان راتن ورستی ویر زلشتی امہ بیہ گیتی اشویہ جیوی روانو اگر درتمال باد روز مہرماہ اردی بہشت سال ہشتصد وہفتاد وسہ بہ ہندوی سال"

خاتمہ بہمن نامہ نوشتہ سنہ ۱۵۹۵ء

"تمام شد این کتاب بہمن نامہ پنتوا اوشہی تمام شد این داستان شاہ بہمن بن اسفندیار شاہ

Bombay University M.S. of Darab Hormazdyar Kinvat
Vol I ص 11. a. 11. 13. 14.

لہ یادگار بردش صفحہ ۲۳ ۔ کہ یہ کتابیں آتشکدہ نوساری میں موجود ہیں۔

Marfat.com

ملوک ایران ہ یزدان کام باد فرجید پدر رود شادی درانشی و دیوز تشتی من دین بندہ کاتب الحروف ہیربد رانان بن ہیربد جے سنگ بن ہیربد واد از گوہر موبد ہورمزدیار ہیربد ماہیار اندر قصبہ نوساری در عہد محمود شاہ سلطان بن لطیف خان برادر زادہ بہادر شاہ سلطان بروز اشتاد ماہ آذر سال نہصد و پانزدہ ہجری از تاریخ ایزدزرد شہریار روشہور سنہ خمس و خمسین و تسعمائہ و ہندی سال سمرت سول چہ و نوہ"

دستور ماہیار رانا کے حالات نہین ملتے۔ پارسی پرکاش سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ نوساری مین اسکی ولادت ہوئی اور وہین اپنے باپ سے تعلیم پائی۔ فارغ التحصیل ہوکر دینی خدمات انجام دینے لگا۔ ۹۶۷ھ ۱۵۵۹ء مین نوبڑے بڑے موبدون نے ملکر اس کو ایک سند دی اور اسمین اس کو نوساری کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا تسلیم کیا۔[1] ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء مین اکبر نے گجرات فتح کیا تو وہان کے اعیان و امرا اور علما و زہاد کو مدد معاش کے لئے جاگیر و زمینات عنایت کئے اس تقریب مین مہیار کو بھی دو سو بیگہ زمین معافی مل گئی۔

اکبر نے جب مذہبی کانفرنس منعقد کی تو دستور مہیار اور اس کے چند ذی علم شاگردون کو نوساری سے طلب کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ لوگ دربار مین اسوقت پہونچے جب کہ دم دار ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔[2] شیخ ابوالفضل نے بائیسوین سال جلوسی مین اس سیارہ کا اسطرح ذکر کیا ہے

روز آزاد بیست و پنجم آبان ماہ الٰہی بشگامی کہ نیر اعظم در برج عقرب سعادت می افزود در برج قوس این نشان آسمانی باختر رویہ مائل بشمال چہرہ تابش افروخت و نبالہ دراز داشت چنانچہ بحدی رسید کہ در بعضی بلاد تا پنج ماہ دیدند[3]

۲۵ آبان ۲۲ جلوسی (شعبان ۹۸۵ھ مطابق اکتوبر ۱۵۷۷ء) کو یہ سیارہ طلوع ہوا۔ اور بقول نظام الدین احمد کے تین ماہ (یعنی ذی القعدہ ۹۸۵ھ مطابق دسمبر ۱۵۷۷ء) تک نظر آتا رہا۔ اس اعتبار سے دستور ماہیار اور اس کے ہمراہی ۹۸۵ھ اور ۱۵۷۷ء کے اخیر ایام تک دربار مین پہونچ گئے تھے۔

دو سال کے بعد جب کانفرنس برخاست ہوگئی تو یہ لوگ بھی اپنے وطن گجرات کو واپس آگئے۔

۱۰۰۰ھ ۱۵۹۱ء مین بمقام نوساری دستور ماہیار کا انتقال ہوگیا۔ کیقباد نام اسکا ایک فرزند تھا۔ دستور ماہیار کو مدد معاش کے لئے جو (۲۰۰) بیگہ زمین مقرر تھی۔ اکبر نے اس مین اور (۱۰۰) بیگہ زمین اضافہ کر کے کیقباد کے

---

[1] پارسی پرکاش جلد اول صفحہ ۸ [2] منتخب التواریخ مطبوعہ کلکتہ جلد دوم صفحہ ۲۴۱ و [3] اکبر نامہ مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحہ ۲۲۴

نام منتقل کردی۔ اسکے متعلق ماہ اسفندار سنہ ۴۰ جلوسی (۲۴ ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۵ء) کو فرمان شاہی صادر ہوا۔ بسنہ ۱۰۰۹ھ ۱۶۰۰ء مین اکبر نے حکم دیا کہ ساکنین گجرات کو مدد معاش کے لئے جو وظیفے اور جاگیرات مقرر ہین آیندہ نصف نصف کردیئے جائین۔ اس سلسلہ مین کیقباد کے پاس صرف (۱۵۰) بگیہ زمین بچ رہی اُسنے دربار مین پہونچکر درخواست دی کہ یہ زمین میری قوت بسری کے لئے ناکافی ہے۔ اس بناپر سنہ ۴۶ جلوسی ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۲ء کو ایک اور فرمان صادر ہوا۔ اور اسمین کل زمین کی بحالی کا حکم دیدیا گیا۔ اس زمانہ مین گجرات کی حکومت خانخانان کو تھی کیقباد جب فرمان لیکر پہنچا تو اُس نے اپنے ماتحت حکام وعمال کے نام ایک عام حکم نامہ لکھ دیا اور اُسمین یہ تاکید کردی کہ فرمان کے موافق تمام ضبط شدہ زمین واگذاشت کردی جائے۔

یہ فرامین آتش کدہ نوساری مین ابتک محفوظ ہین اور اوراق مابعد مین ان کی بجنسہٖ نقول درج کی جاتی ہین۔ امید ہے کہ انکا مطالعہ تاریخ بین حضرات کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ فقط

Marfat.com

Birbal.

o. s. p.

Marfat.com

راجہ بیربر

نورتن اکبری کے مایہ ناز دربار اکبری کے جلیل القدر سردار اکبر اعظم کے محرم راز راجہ بیربر کا اصلی نام مہیش داس تھا۔ ذات کے بھاٹ اور کالپی کے رہنے والے تھے ابتداے حال مین معمولی بھاٹون کی طرح کبت اور دوہرہ پڑھ پڑھ کر گاؤن گاؤن پھرتے اور نہایت پریشان حالی اور خستہ روزگاری سے زندگی بسر کرتے تھے مگر فن موسیقی لطائف وظرافت اور شاعری مین کمال کا درجہ رکھتے تھے مردون کو ہنسانا اور معمولی معمولی باتون مین عمدہ عمدہ نکات پیدا کرنا اُن کے بائین ہاتھ کا کرتب تھا۔ تقدیر کے سکندر تھے کہ معمولی حالت سے ترقی کرکے رام چند بھٹ کی سرکار مین نوکر ہوگئے۔ اسکے بعد ابتداے جلوس مین کسی مقام پر اکبر سے ملاقات ہوگئی۔ قسمت زور سار رہی تھی کہ باتون باتون مین ملازمت شاہی مین داخل ہوگئے پھر کیا تھا چند ہی روز مین اپنی سخن سنجی اور لطیفہ گوئی سے بادشاہ کے مزاج مین ایسے دخیل ہوئے کہ "یک جان دو قالب" کا مضمون ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہوگئے۔ زمرہ ندیمان اور مخصوصان مجلس بادشاہی مین منتظم ہوکر اول خطاب کب راے (ملک الشعرا) سے موصوف اور مصاحب و دانشور کے لقب سے موسوم ہوئے آخر مین یہانتک نوبت پہنچی کہ کسی طرح کا پردہ درمیان مین نہ رہا اور حرم سرا کے اندر بھی بلاے جانے لگے۔ دو ہزاری منصب تھا۔ لیکن عنایات اس قدر تھی کہ لاکھون روپیہ کے جواہرات برس بلکہ مہینون مین عطا ہو جاتے تھے صاحب السیف والقلم خطاب مین داخل تھا لاکھون روپیہ کے جواہرات راجہ مہاراجہ اور سرداروں کے یہان سے نذرانہ مین آجاتے تھے۔

سنہ جلوس مین خطاب راجہ بیربر (یعنی شجاع و بر معنی عمدہ) سے موصوف

Marfat.com

ہوکر مہم نگر کوٹ پر دیگر امرا کے ساتھ متعین ہوئے اور راجہ بڑی چند سے قیمتی پیشکش جس مین پانچ من سونا بھی شامل تھا لیکر واپس آئے۔ اکبر کو انپر ایسا بھروسہ تھا کہ اکثر راجگان ہندوستان کے درباروں مین یہ سفیر بناکر بھیجے گئے اور معاملات سلطنت کی گتھیاں سلجھانے کے علاوہ کئی رشتہ ناتے انھی کی کوشش اور رسائی اوراک سے عمل مین آئے جواب تک ہندوستان کی تاریخ مین ہندو مسلمانوں کے قدیم اتحاد کی یادگار ہین۔

۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۶ء مین زین خان کوکہ یوسف زئی پٹھانوں کی تنبیہ کے واسطے جنہوں نے کوہستان سواد و باجوڑ مین شورش مچارکھی تھی سپہ سالار بناکر بھیجے گئے انہوں نے وہان سے کمک کے واسطے لکھا دربار مین تجویز درپیش تھی کہ کون امیر اس مہم پر روانہ کیا جائے اسی عرصہ مین ابوالفضل نے درخواست کی کہ فدوی اس خدمت پر مامور کیا جائے۔ بیربر سے بھی نہ رہا گیا فوراً بول اٹھے کہ غلام کو بھیجدیا جائے اگرچہ بادشاہ کو ان کی جدائی ناگوار تھی مگر ان کے اصرار سے مجبور ہوکر دونوں کے نام کا قرعہ ڈالا چونکہ ان کا پیمانہ حیات لبریز ہوچکا تھا موت کے فرشتہ نے ان کا نام سامنے کردیا۔ بادشاہ نے دوسرے دن بادل ناخواستہ انھیں رخصت کیا اور خاصہ کا توپخانہ ساتھ کردیا۔ چلتے وقت نہایت محبت سے بازو پر ہاتھ رکھکر کہا۔ بیربر تمہاری مفارقت بیتاب رکھے گی جلد آنا اکبر نے بیربر کو بھیجنے کو تو بھیج دیا مگر دوسرے دن یہ خیال کرکے کہ لاڈلا راجہ محلوں کا شیر ہے اس کی تیغ زبان کا کوہستانی پٹھانوں پر چلنا مشکل ہی حکیم ابوالفتح کو کافی فوج کے ساتھ مدد کے واسطے روانہ کیا۔ اتفاق سے ان تینوں سرداروں کے درمیان چشمک تھی۔ زین خان کو نسبت کوکلتاشی اور سپہ سالاری کا زعم اور راجہ کو بادشاہ کی مصاحبت اور خصوصیت کا گھمنڈ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ شاہی توپخانہ میرے ساتھ ہے سب پر میری اطاعت واجب ہے مختصر یہ کہ ان پہاڑی مقامات پر راجہ کی ناتجربہ کاری اور آپس کی نااتفاقی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہی لشکر کو شکست عظیم واقع ہوئی اور کل مال و اسباب کے نقصان کے علاوہ آٹھ ہزار آدمی جان سے

Marfat.com

مارے گئے کسی کو کسی کی خبر نہ رہی حکیم ابوالفتح اور زین خان نے نہایت ذلت سے بھاگ کر جان بچائی. راجہ کا کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں اور کس طرح کام تمام ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ اکبر کو کسی امیر کے مرنے کا اس قدر رنج نہیں ہوا کہ جس قدر بیربر کے لاپتہ ہونے کا غم ہوا دو روز تک مطلق کھانا نہیں کھایا سب سے زیادہ افسوس لاش نہ ملنے کا تھا بار بار کہتا تھا کہ افسوس صد افسوس اس کی لاش بھی نہ آئی کہ آگ اس تک پہنچتی پھر اپنے دل کو سمجھاتا کہ وہ سب قیدوں سے آزاد تھا آفتاب کی گرمی اس کے پاک کرنے کو کافی ہے بلکہ وہ ایسا پاک ہے کہ اس کے پاک کرنے کی ضرورت بھی نہیں اکبر کے رنج والم کا اندازہ اس فرمان کی عبارت سے بخوبی ہوتا ہے جو بیربر کے ماتم میں خانخانان میرزا عبدالرحیم کے نام لکھا گیا تھا اور دفتر اول ابوالفضل میں موجود ہے اس کے چند فقرے اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں۔

(القاب و حالات شکست کے بعد) دریں انتا عمدہ محرمان راز۔ زبدۂ مصاحبان دمساز صاحب فطرت عالی ان مثال ہمتا لی۔ نقادہ مقربان درگاہ خلاصۂ ملازمان ہوا خواہ۔ انجمن آرائے حریم بادشاہی۔ باریک بین دقائق آگاہی۔ ہمدم دلکشائے مجلس خاص۔ محرم خلوت سرائے وفا و اخلاص رنگ آمیز موز عشق و محبت۔ نخلبند حدائق خلوص صدق و عقیدت۔ طالب بیقرار راہ حقیقت طلبی و حق جوئی۔ عاشق اطوار حق گزاری و حق گوئی نقشبند طراز معنی آفرینی۔ نکتہ پیوند لبساط ہمزبانی و ہمنشینی۔ دقیقہ یاب اسرار سلطانی۔ رمز شناس عالم مزاج دانی۔ گرہ کشائے خاطر مشکل پسند صیقل نمائے ضمیر آسمان پیوند سر حلقہ دائرہ نکتہ سازان۔ سر دفتر انجمن سخن پردازان جلیس مجلس انس۔ انیس خلوت قدس۔ مصاحب دانشور راجہ بیربر کہ خود را در محبت ما درباختہ بود و پیش از فدا شدن در راہ اخلاص ما فدا ساختہ با وجود تعلق دنیوی کمال بے تعلقی داشت و با گرفتاری ظاہری سراسر رقم آزادگی می نگاشت۔ ناگہان ازیں جہان

Marfat.com

فانی و خاکدان ظلمانی رحلت اوست برلبست و قالب عنصری او درہم
شکست و سلوک براہے کہ ہمہ را ناگزیر است اختیار نمود و بجلباب اختفا
و لقاب عدم مختفی و محتجب گردید ازین واقعہ جان فرساے و حادثہ اندوہ افزاے
عیش محفل سپہر مشاکل منغص و مکدر شد و خاطر دریا مناظر غبار آلودہ گردید
اگرچہ معراج گرم روان شاہراہ وفاد وفاق آنست کہ در کار قبلہ گاہ
خود جان نثاری و جان سپاری نمایند لیکن چشمداشت آن بود کہ در خدمات
بلند و ترددات ارجمند این معنی بظہور رسد۔ از حادثہ این مصیبت اتفاقی
ملامت تمام روے داد و اقسام حزن و اندوہ پیرامون خاطر اقدس گشت
افسوس ہزار افسوس کہ بادۂ این خمخانۂ دُرد آلودہ اوست و نبات این
شکرستان ہلاہل اندود۔ عالم سرابیست تشنہ فریب و منزلیست پر فراز و
نشیب مستی این بزم را در پے خمارے است و عاقبت این سود را
در سر بخارے۔ بواسطہ بعضے موانع کہ آمدن ایلچی و لزوم بیگانہ باخذ نگذاشت
کہ خود را متوجہ شدہ نقش و از چشم صورت ہم میدیدیم و آن عطوفت
و مہربانیہا کہ ما ابوالبرکہ ظاہر سفیر مودیم تا ارباب ظاہر را حالت عنایت و التفا
ما ظاہر شد کہ تا کسے کہ در راہ ما باخلاص و عقیدت رفتہ ما او را چہ قدر میخواہیم
اگر بدیدۂ بصیرت این منظور شدہ خاطر نشان ارباب معنی شدہ است اما چون تعلق
کار داریم این گرہ در دل ماند

کدام دل کہ ازین واقعہ جگرخون نیست   کدام دیدہ کزین حادثہ دگرگون نیست

زین خان اور ابوالفتح اس شبہہ پر کہ انہون نے نفاق کی وجہ سے بیربر کو
ہلاک کرا دیا مدت تک دربار سے مردود اور کورنش سے محروم رہے۔ جب
لوگون نے دیکھا کہ بادشاہ کو بیربر کی مفارقت کا سخت صدمہ ہے تو اس کی
زندگی کی خبرین اڑائین اور مشہور کیا کہ وہ نگرکوٹ کے پہاڑون مین جوگیون
اور سناسیون کے ساتھ سیر کرتا پھرتا ہے اکبر کو بھی یقین ہو گیا اور کہا کہ چونکہ
وہ تعلقات دنیوی سے آزاد تھا اس سبب سے عجب نہین کہ شکست کی
خفت سے اس نے فقیری اختیار کر لی ہو چنانچہ ایک امیر تحقیقات اور تلاش

Marfat.com

کے واسطے نگر کوٹ بھیجا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد یہ افواہ اڑی کہ وہ کالنجر کے قلعہ مین جہان اس کی جاگیر بھی موجود ہے تحقیقات کے بعد یہ افواہ بھی بے بنیاد ثابت ہوئی اور بیربر کا یہ آخری لطیفہ بھی مدت تک تازہ رہا اور طرح طرح کی پھلجھڑیان چھوٹتی رہین۔

راجہ بیربر کی جود و سخاوت کی مورخین نے تعریف لکھی ہے صاحب ماثرالامرا لکھتے ہین "کہ در جود و سخاوت از یکتایان روزگار بود و در بخشش و انعام شہرہ آفاق"۔ بیربر کی نسبت بیان کیا جاتا ہو کہ وہ ہمیشہ اکبر کو مذہب اسلام کے خلاف تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس قسم کے بہت سے لطیفے مشہور ہین اور منتخب التواریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے غور کرنے سے ان واقعات کی نسبت یہ رائے قایم ہوتی ہے کہ بیربر کا اصلی مذہب زمانہ سازی تھا۔ چنانچہ ابتداے عہد مین جبکہ دربار اکبری مین قال اللہ قال الرسول کا چرچہ رہتا تھا انہی بیربر نے راجہ نگر کوٹ سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ اہتمامی خطبہ اور سکہ کے علاوہ قلعہ کانگڑہ کے دروازے کے سامنے ایک مسجد تعمیر کی جائے پس جبکہ اکبر کی لا مذہبی یا نرم الفاظ مین صلح کل خیالات کے زمانہ مین ہم بڑے بڑے امیرون اور علما اور مشائخین کو اس کا ہم مشرب پاتے ہین تو غریب بیربر پر کیا الزام قایم کر سکتے ہین۔

بیربر اور ملا دو پیازہ[۱] کی نوک جھونک کے دلچسپ لطیفے مشہور ہین جن مین یہ دونون برابر کے پہلوان نظر آتے ہین بیربر کا حال کم و بیش سب تاریخون مین موجود ہے لیکن بیچارے ملا بزرگوار کا نام بھی سوائے زبانی افسانون کے کہین نظر نہین آتا۔

بیربر کے بیٹے کا نام لالہ تھا یہ شاہی منصبدارون مین داخل لیکن مغرور اور بے عقل تھا اسی وجہ سے ترقی نہ کر سکا۔ فتح پور سیکری کے محلات شاہی مین بیربر اور اکبر کے بے نظیر اختلاط کی یادگار مین ایک مکان موجود ہے جسے عوام لوگ بوجہ زنانخانہ سے ملحق ہونے کے بیربر کی لڑکی کا مکان کہتے ہین لیکن اکبرنامہ سے واضح ہو کہ اکبر نے یہ مکان بیربر کی فرمایش پر اُس کے

[۱] ملا دو پیازہ کے حالات بھی زمانہ مین جلد شایع ہونگے۔

Marfat.com

واسطے تعمیر کرایا تھا جو اخیر ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں بن کر تیار ہوا راجہ نے نئے مکان میں اکبر بادشاہ سے ضیافت کے لیے عرض کیا۔ بادشاہ نے اس دعوت کو منظور فرمایا اور ۷ تاریخ ماہ بہمن کو جشن دعوت منعقد ہوا بیربر نے بہت کچھ نثار کے قیمتی جواہرات پیشکش کیے۔

جس طرح نورتن اکبری میں قربت اور مصاحبت کے لحاظ سے کوئی عالیجاہ امیر اور سردار بیربر کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اسی طرح قصر بے مکانی بے المثال صناعی اور خوشنمائی میں کسی امیر کبیر کا قصر عالی اس مختصر مکان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سنگ تراشان باکمال نے تیشہ جادو تراش سے ایسی نفیس و باریک گل تراشی کی ہے جس کی دوسری نظیر اس عہد کی عمارتوں میں نہیں ملتی۔ فرگسن صاحب جو آثار قدیمہ کے مشہور مورخ ہیں لکھتے ہیں کہ بیربر اور ترکی سلطانہ کا مکان سب سے زیادہ بیش قیمت اور سب سے زیادہ خوبصورت اور اکبر کی تمام عمارتوں میں سب سے زیادہ صنعت والی عمارتیں ہیں۔ یہ اگرچہ مختصر ضرور ہیں لیکن کہیں ایسے عمدہ نقش و نگار اور تصاویر دیکھنا ناممکن ہے کہ جہاں کوئی جگہ ایسی نہیں کہ کچھ نہ کچھ نقش و نگار موجود نہ ہوں یا بھدے طور سے بنائے گئے ہوں۔"

سید احمد مارہروی

شمرو کی بیگم

یہ مشہور بیگم جس نے بڑھتے بڑھتے اتنی وقعت اور شہرت حاصل کی کہ آج تاریخ ہند مین بڑی عزت کے ساتھ اُسکا ذکر ہوتا ہی ابتدا مین ایک نہایت معمولی اور ذلیل درجے کی عورت تھی۔ گو اسکے حسب ونسب کے حالات پر بالکل تاریکی چھائی ہوئی ہو حتی کہ کوئی اسکے والدین اور خود اسکے اصلی نام کو بھی نہین بتلا سکتا تاہم کچھ حالات اسکے بچپنے اور جوانی کے ملتے ہین۔ اور وہ یہ ہین کہ یہ اقبالمند بیگم کشمیر جنّت نظیر کی کسی خوشنوار گھاٹی مین پیدا ہوئی۔ اسکے بعد اسکے حالات دریافت کرنیکے لیے تاریخ جہان ہمین لیجاتی ہی وہ ایک ایسا مکان ہی جسمین کچھ موہنی موہنی صورتونکی لڑکیان پائی جاتی ہین۔ یہ بیگم بھی انہی مین ہی اور سب کے ساتھ ملکر ناچنا گانا سیکھتی ہے۔

اسکی صورت اسقدر دلکش تھی کہ بے اختیار لوگ اسکی طرف کھنچتے تھے اور آواز ایسی شیرین پائی تھی کہ لوگ سُنکر مست ہو ہو جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اسے تو قدرت نے اس کام کے لیئے موزون بنایا ہی۔ اور حقیقت مین اس تیز طبع لڑکی نے ایسی تیزی کے ساتھ اس فن مین ترقی کرنی شروع کی کہ سب لڑکیون مین ممتاز ہوگئی اور ابھی پورے شباب کو نہ پہونچی تھی کہ اسنے باقاعدگی کے ساتھ اس پیشہ کو شروع کر دیا۔ منی بیگم اس زمانے مین بڑی رقاصہ اور مغنیہ تھی۔ وہ اسکی اُستانی تھی مگر وہ بھی اتنی جلدی اسکام مین اپنے تئین ممتاز نکر سکی تھی۔ دکن مین رقص وسرود ایک حد تک مذہبی پہلو لیئے ہوئے ہوتا ہی مگر شمالی ہند مین یہ بات نہین ہی۔ یہان محض کھانے کمانے کی غرض سے اس پیشہ کو سیکھا جاتا ہی۔ چنانچہ اسنے بھی روپیہ کمانا شروع کیا اور چونکہ زنانہ حُسن کی ایک ایک چیز قدرت نے اسمین جمع کردی تھی۔ لہذا اسکی قدر بھی خوب ہونے لگی اور تھوڑے ہی دنون مین اسکے پاس اتنا روپیہ ہوگیا کہ وہ نہایت آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگی۔

Marfat.com

عین عالم شباب مین تقدیر نے زور کیا اور ایک یورپین کی اسپر طبیعت آگئی یہ یورپین اکثر میرا کار ہنے والا ایک فرنگو جرمن تھا اور جس زمانے مین مسلمانون اور انگریزون کی بنگال مین چھینا جھپٹی ہو رہی تھی اسنے بڑے کار نمایان کیے تھے۔ اسکا نام اصل مین والٹر رینہارٹ تھا مگر عرف عام مین لوگ اسکو شمرو کہا کرتے تھے۔

اس بہادر سپاہی نے اول اول نواب میر قاسم کے سپہ سالار گرگی خان کے ہان نوکری کی اور بہت جلد اسکا منظر بن گیا۔

یہ نہایت جنگجو اور قتل و خون کا مشتاق شخص تھا۔ انسان کو مار ڈالنا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ وہ ایسے موقعون کا متلاشی رہتا تھا اور جب موقع پاتا تھا انسان کی جان لینے مین کبھی نہین چوکتا تھا۔ ابلیس کے دل دہلانیوالے قتل عام مین اسنے بڑا زبردست حصہ لیا تھا۔ اور اسکے تابعین نے ابتدا ۱۷۶۳ء مین بمقام پٹنہ بڑی دند مچائی تھی۔ یہ وہ سال تھا جسمین بنگال کے معاملات کا دو ٹوک فیصلہ ہو گیا۔

جولائی مین میر قاسم سے لڑائی شروع ہوئی اور ملک کے امن و امان مین فرق آیا۔ مگر جھگڑے نے طول نہین پکڑا اور نواب دو تین جگہ پے در پے شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ جنرل شمرو جس نے گرگی خان کی پر اسرار موت کے بعد نواب کی فوج مین ملازمت اختیار کر لی تھی اسوقت اسکی عزت بڑی دلیری اور جانکاہی کے ساتھ لڑا مگر جب اسنے دیکھا کہ نواب کا اقبال بالکل رو بہ تنزل ہی تو اسنے اسکی ملازمت چھوڑ دی اور بادشاہ دہلی کی ماتحتی مین آگیا جس نے اسکی بڑی آؤ بھگت کی۔ جس زمانے مین یہ حمری جنگجو سپاہی شاہی ملازمت مین تھا۔ یہ کشمیری الھڑ رقاصہ جوش جوانی مین سرشار ہندوستان مین حسن و کمال دکھاتی اور سب پر اپنا رنگ جماتی پھر رہی تھی۔ ادھر بھی اسکا آنا ہوا اور جونہی شمرو اور اسکی آنکھین دو چار ہوئین۔ دونون ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے اور چونکہ دو دل راضی تھے۔ کشمیری عورت شمرو کے گھر مین آگئی اور بہت جلد دونون جائز طور پر میان بیوی بن گئے۔

شمرو کی بھی قسمت اسوقت یاوری پر تھی۔ اسکی ماتحت فوج کے اخراجات کے لیئے بادشاہ نے سردھنہ کا حصہ اسکو جاگیر کے طور پر دیدیا تھا۔ جسے اُسنے ایک خاصہ صوبہ بنا لیا۔ اب چونکہ نقد بھی اسکے پاس بے حساب تھا وہ اپنی حسین بیوی کو

Marfat.com

اپنے ساتھ لیکر وہان جا رہا اور شہزادون کی طرح پر بہت پُر لطف زندگی بسر کرنے لگا اُس کی بیوی ایک معمولی رقاصہ کی حیثیت سے شہزادانہ رتبہ کو پہونچ گئی اور سمرو کی بیگم کے نام سے مشہور ہو گئی۔

اپنے شوہر کے دل پر اسنے ایسا قبضہ حاصل کر رکھا تھا کہ ۱۷۷۸ء مین جب وہ مرنے لگا تو اُسنے کل زر و زمین اسکے نام کر دی اور اسکا بیٹا زندہ موجود تھا مگر اسے کچھ ندیا۔ زمانہ بھی بیگم ہی کا طرفدار تھا۔ وزارت پناہی کے ہان سے بھی اسی کے حق مین فیصلہ ہوا۔ اور سمرو کا لڑکا اپنے ورثے سے محروم رہا۔ بیگم نے بادشاہ سے وفادار اور مددگار رہنے کا عہد کر لیا تھا اور اپنے خاوند کے تمام مقبوضات پر حاوی ہو کر شاہانہ طور پر سب پر حکمران ہو گئی اسکی فوج خاصی بڑی تھی۔ سپاہی سب جرار اور قواعد دان تھے جب سندھیا نے شاہی طرفدار ہو کر اسنے پر سر آرتھر ولزلی سے جنگ کی تھی۔ تو اسکی فوج کا بھی ایک دستہ سندھیا کی ماتحتی مین تھا۔ لیکن دلی کی لڑائی اور ۱۸۰۳ء مین اسے واپ پر انگریزون کی فتح کے بعد جب اسنے دیکھا کہ بادشاہی حالت روز بروز گرتی جاتی ہی تو اسنے انگریزون کی اطاعت قبول کر لی اور انھین اپنا سرپرست بنایا۔ اور آخر عمر تک اُنکی وفادار رہی۔ جب تک اُسکا خاوند زندہ رہا وہ اپنی باپ دادا کے مذہب پر قائم رہی۔ اور قرآن مجید کی تلاوت کرتی اور تمام مذہبی رسمون مین پوری طور سے حصہ لیتی لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد وہ بیوہ ہو گئی اور اسکے دل پر کچھ ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ اسنے ۱۷۸۱ء مین مذہب عیسوی قبول کر لیا۔ اور رومن کیتھولک چرچ مین بپتسما لیا اور اسکا نام جوہنا رکھا گیا۔ لیکن یہ نام مقبول نہ ہوا۔ اور وہ سمرو کی بیگم ہی کہلاتی رہی حتی کہ تاریخ بھی اسکا اسی نام سے ذکر کرتی ہے۔ بیگم سے اپنے خاوند کی زندگی مین کوئی بات اسکی وفاداری کے خلاف سرزد نہین ہوئی۔ لیکن جب اسکا انتقال ہو گیا۔ اور وہ پھندا جو اُس سے نکاح کر لینے سے اسکے گلے مین پڑ گیا تھا ٹوٹ گیا تو وہ آزاد ہو کر اپنی مرضی کی مختار ہو گئی۔ اور وہی پہلے کی سی عادتین اختیار کرنی شروع کین۔ اپنی فوج کے بڑے بڑے افسرون سے جو سب کے سب یورپین الاصل تھے اسنے اپنا ارتباط بڑھایا اور انھین سے ایک کو جو اسکے ہان کرنیل تھا اور جسکا نام لیولیسو تھا اپنا منظر بنا لیا۔ یہ شخص نہایت مشین اور وجیہ سردار تھا

اور چونکہ لوفوج کا اعلیٰ عہدہ دار تھا اسلیئے کوئی تعجب کی بات نہین ہو۔ اگر بیگم کے اسپر عنایت اور مہربانی کی نظر کی تھی لیکن دوسری قومی افسرون کو رشک وحسد پیدا ہوا اور ہر شخص اپنے زعم مین اپنے تئین بیگم کا مدنظر ہونیکی قابل سمجھنے لگا۔ اسطرح فوج مین ایک قسم کی بیچینی سی پیدا ہو گئی اور بیگم مطعون و بدنام ہونے لگی۔ اس ناگوار حالت کو روز بروز ترقی کرتے دیکھکر بیگم نے خیال کیا کہ امن قائم رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہی کہ لیویسو سے جائز طور پر تعلقات مستحکم کرے۔ چنانچہ اسنے اس سے شادی کرلی۔ لیکن یہ خانہ آبادی اور بربادی کا سبب ہوگئی۔ جونہی شادی کا اعلان ہوا دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی اور ایکدم بلوہ ہو گیا۔ زیریاب خان الیاس ایلوئی سیس اینہارٹ اسکا سوتیلا بیٹا بلوائیونکا سرغنہ بنا۔ بیگم اور لیویسو بھاگ گئے مگر انکا تعاقب کیا گیا۔ بھاگنے سے پہلے اُنھون نے آپسین عہد کرلیا تھا کہ جسطرح سچے عشاق کا قاعدہ ہے کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا جینا حرام سمجھتا ہے اسطرح ہم مین بھی اگر کوئی پہلے موت کا شکار ہوجائے تو دوسرا اسکے بعد نہ جیئے۔ چنانچہ جب بیگم کی پالکی پکڑی گئی اور اُسنے دشمنون کے ظالم ہاتھون سے بچنے کیلیئے اپنے سینے مین چھُرا مار لیا تو لیویسو نے بھی یہ معلوم کرتے ہی اپنے گولی مار لی۔ لیکن بیگم کے زخم کاری نہ لگا تھا اور وہ ہلاک نہ ہوئی۔ بلوائی اسے واپس لے گئے۔ اور اسکی تمام دولت و طاقت ضبط کرکے اسے قید مین ڈالدیا۔

اس بُری حالت مین اسنے چھ دن کاٹے۔ یہانتک کہ اسکے ایک پُرانے جنرل جارج ٹومسن نے جو ۱۸۰۳ء مین محاربہ کولگڈھ مین اسکی فوج کا کمانڈر تھا۔ اسے قید سے چھڑایا اور پھر تمام دھن دولت کا مالک بنادیا۔ ادھر تو خلاف اُمید اسکی دن پھرے اور اُدھر اسکے سوتیلے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔

یہ نوجوان شخص جیسا کہ عام طور پر اس درجہ اور مرتبہ کے لوگ ہوتے ہین نہایت آوارہ اور اوباش تھا۔ شراب خواری ہی کی زیادتی سے ۱۸۰۲ء مین یہ ایک بیٹی چھوڑکر راہی ملک عدم ہوا۔ اس لڑکی نے بیگم ہی کے افسرون مین سے ایک افسر سے نکاح کرلیا اور اس سے وہ لڑکا پیدا ہوا جسکا نام تھا ڈیوڈ اختر لونی ڈائس سومبر یہ لڑکا بیگم کے مرنے کے بعد اسکے مال کا دعویدار ہوا اور بہت سی دولت کا مالک بھی ہوگیا۔ ڈیوڈ اختر لونی جسوقت بیگم کا انتقال ہوا ہے سردھنہ ہی مین تھا اسوقت

اسکا بین اسو سال کا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ دیوانہ ہو گیا اور بالآخر ۱۷۹۵ء مین پیرس مین جاکر مرگیا۔ اور اٹھارہ برس کی ایک لڑکی اپنی دختر دائی کو تنہا سینٹ ونسنٹ کو بیوہ چھوڑ گیا۔

اب بیگم کا ہوا خواہ اس کا محسن جارج ٹومس ہو گیا ہوا اور انتظام و انصرام مملکت مین بھی اسکا دست بازو بن گیا۔

بیگم خود معمولی قسم کی عورت نہ تھی اسمین حکمرانی اور انتظام کی قابلیتین کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھین۔ اسنے اپنے شوہر کے مقبوضات کو اور بڑھانا شروع کیا۔ اور یہ اُسکی عقل وسمجھ کے سامنے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اسنے سردھنہ کی جاگیر کے علاوہ اپنی ذاتی کوششون اور ترکیبون سے پچاس میل تک کا حصہ سردھنہ کی جنوب کی طرف کا اپنے قبضہ مین کرلیا اور ادھر شاہی دارالخلافہ کی طرف بھی اسیطرح اس کے مقبوضات پھیل گئے۔

اس تمام مملکت پر وہ نہایت ہوشیاری اور دانشمندی سے حکومت کرتی تھی۔ اسکے مقبوضات مین امن وامان کا دور دورہ تھا۔ اسکی رعایا اُن تمام باتون سے جو ایک اچھی گورنمنٹ سے اسے ملسکتی تھین مستفیض ہوتی تھی۔ ہندوستان کے عام لوگون کا جو عام پیشہ ہے یعنی زراعت اُسے اسنے ترقی دی اور عروج کو پہونچا دیا۔ اسیطرح اسنے اور بہت مفید اصلاحین اور اپنی رعایا کے فائدہ کے کام کئے! اور کسی مشکل سے مشکل کام سے کبھی جی نہ چرایا اور مُنہ نہین موڑا اسطرح اسنے اپنے تئین اعلیٰ درجے کی مدبرہ ثابت کردیا اور اپنی چھوٹی سی سلطنت کو اس معراج کمال پر پہونچایا کہ وہ آس پاس کی نظر و نمین کھٹکنے لگی۔

اگرچہ اسنے اسلام سے انکار کردیا تھا۔ تاہم وہ اپنا وہی پُرانا پہناوا پہنتی تھی۔ اور فارسی اور ہندوستانی بڑی فصاحت سے بولتی تھی دربار کے موقع پر وہ ایشیائی عورتون کیطرح برقع اوڑھکر اور نقاب ڈالکر بیٹھتی تھی۔ مگر جب یورپین سوسائٹی مین جاتی تو میز پر بیٹھکر کھانا کھاتی۔ مگر بجائے مرد خدمتگارون کی عورتین حاضر رہتین۔

دسمبر ۱۸۲۵ء مین اسکے متعلق کچھ خراب خیالات پھیل گئے اور بشپ ہیبر انکے معلوم کرنیکے لئے اسکے صدر مقام تین آیا۔

اسنے جو خیالات اپنی قیمتی اور دلچسپ رسالہ مین اسکی نسبت لکھے ہین وہ حسب ذیل ہین۔

"اسکی سکونت اسکی جاگیر کے عین وسط مین بمقام سردھنہ ہی جو میرٹھ سے ۱۲ کوس کے فاصلے پر واقع ہی۔ نگریان بھی اسکا ایک مکان ہی جسمین وہ اپنا بہت سا وقت صرف کرتی ہی۔ وہ ایک عجیب طرح کی بڑھیا ہی۔ اُسکی آنکھین چمکدار نہین ہین مگر اُنسے شرارت پائی جاتی ہی حسن کے آثار اُسکے خط و خال مین موجود ہین۔ وہ نہایت ہوشیار اور حاضر جواب عورت ہی مگر صرف ہندوستانی بولتی ہے۔

اسکی عقلمندی اور بہادری کیوجہ سے جو اُسنے مرہٹون کی لڑائیون مین دکھائی تھی۔ (جسمین اُسنے خود گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی رسٹالے کی سپہ سالاری کی تھی) اسکے تمام سپاہی۔ اسکی رعایا اور تمام قرب وجوار کے باشندے اسکا ادب اور احترام کرتے ہین۔ مگر وہ نہایت بے رحم اور سخت جگر ہے۔ اور چونکہ اپنی مملکت مین اُسے لوگون کی موت و زندگی پر اختیار حاصل ہی۔ اسکے مظالم کی بہت سی روایتین سُننے مین آتی ہین کسی کی ناک کٹوادی کسی کے کان اُڑوادیے۔ ایک واقعہ جو ایک دیسی شخص کی زبانی اسکی بے رحم بیگی نسبت سُننے مین آیا ہی نہایت ہولناک ہی ایک ناچنے والی لڑکی نے کسی بات پر اُسے ناراض کردیا بیگم نے اس غریب کو ایک چھوٹے سے تہ خانے مین زندہ بند کرادیا جو اسی غرض سے ناچ گھر کے فرش کے نیچے بنوایا گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ تمام ملازم اور سپاہی اس مظلومہ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے ہین اور کہتے ہین جونہی بیگم چلی جائینگی ہم اس مظلومہ کو گڑھے سے نکالکر غائب کردینگے۔ اس نے اسیوقت کھڑے کھڑے اپنی آنکھون کے سامنے اسکا مُنہ بند کروادیا اور خاص اسی جگہ پلنگ بچھاکر کئی راتین وہان گذارین۔ اور جب تک بھوک اور پیاس نے اسکا خاتمہ کرکے اسکے کراہنے والی آواز کو خاموش نکردیا اُسنے اپنا پلنگ وہان سے نہین سرکایا"

یہ کیفیت محض مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہی۔ لیکن اگر کچھ حصہ اس بیان کا درست بھی مان لیا جائے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہی کہ وہ دل کی سخت تھی اور ملازمین سے اسکا برتاؤ ایک حد تک خراب تھا۔

Marfat.com

اسکے بہادر ہیروئن اور عمدہ حکمران ہونیمین کسی کو کلام نہین ہی بلاشبہ ہیر
بھی تسلیم کرتے ہین کہ اسکی دانشمندی اور بہادری محتاج بیان نہین ہی ابھی کسی
صاحب نے ایڈوکیٹ آف انڈیا مین اسکے کیرکٹر کے متعلق کچھ لکھا تھا جو بالکل درست
اور صحیح ہی - وہ لکھتا ہی کہ "بیگم میدان جنگ مین ایک بہادر سردار تھی اور انتظام
مملکت مین بڑی مدبر اور قابل حکمران - اسکا زمانہ نہایت ترقی کا رہا اور امن و امان
کے لئیے ضرب المثل ہوگیا ہی - اگرچہ سردھنے کی یہ حالت ہی کہ وہ ایک معمولی گاؤن
سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا مگر اسوقت اسکے تحت مین ایک صوبہ کا صوبہ تھا جس سے
بہتر کسی اور صوبہ کا انتظام نہ تھا" ہمنے شروع مین کسی جگہ لکھا ہی کہ اسکی فوج کے ایک
بہادر دستے نے جارج تومس کے ماتحتی مین شہنشاہ دہلی کو گوکلگڈہ کی لڑائی مین کسی سخت
موقع پر مدد دی تھی یہ بہادرانہ خدمت بادشاہ کو بہت پسند آئی اور اسنے اسے زیب النساء
کا خطاب دیکر اسکی عزت افزائی کی - اگرچہ جوانی کے زمانے مین بیگم نہایت آزاد طبع تھی
اور ایک حدتک اسمین تیزی اور اکڑپن پایا جاتا تھا مگر بڑھاپے مین جب خون سے
حرارت جاتی رہی تو بالکل سیدھی سادی ہوگئی - نہایت حلیم الطبع - مہربان - مہمان نواز
اور مخیر تھی مگر عادت جو پختہ ہوجاتی ہی اسکا بالکل چھوٹنا مشکل ہی ہوتا ہی - کبھی کبھی پھر بھی
اُسے پرانی عادتون کی ہڑک اُٹھ آتی تھی - بیگم نے روپیہ کا ہمیشہ عمدگی کے ساتھ استعمال
رکھا اور اُس کے ذریعے سے بہت سے نیک کام اس سے سرزد ہوئے خانگی امور کے
لئے اسکے ہان دو پادری مقرر تھے - ایک آئرلینڈ کا رہنے والا تھا جس کا نام فادر
میگڈانلڈ تھا دوسرا اٹلی کا تھا اور یہ وہ مشہور فادر جولیس سیزر تھا جسے بعد مین تقدس مآب
پاپائے روم نے اپسکوپیٹ کے معزز درجہ تک پہونچادیا - بیگم نے ایک کالج سینٹ
جونز کالج بنایا اور بہت سی کیتھولک گرجاؤن کی روپیہ سے خدمت کی مثلاً کلکتہ - آگرہ -
بمبئی - مدراس کے گرجاؤن کے لئے بہت بہت سی جائداد وقف کردی سردھنہ مین
اس نے ایک محتاج خانہ کھولدیا - اور میرٹھ مین ایک نئے سرے سے کیتھولک گرجا
بنوایا - خیراتی کامون کے واسطے اسنے کلکتہ کے لارڈ بشپ کے ہاتھون مین ایک لاکھ
روپیہ نقد دیدیا - اور ہندو مسلمانون کے انسٹیٹیوشنز نے اس کی فیاضی سے فائدہ
اُٹھایا در اصل بیگم ہندوستان مین حکمرانی کرنے کے قواعد کو سمجھتی ہی نہین تھی - انہر

Marfat.com

بہت آسانی لیسے عملدرآمد بھی کرسکتی تھی چنانچہ باوجود اسکے کہ اسنے اپنا مذہب تبدیل کرلیا تھا لیکن تمام مراسم اسلامی کا ادب کرتی تھی- عیدون مین وہی درباری داریان ہوتی تھین جو اُس زمانے کے اسلامی عہد کا دستور تھا- غریبون کے اخراجات بیگم کے دربار سے اسلامی طریق کی موافق مقرر تھے- سردہنہ کے قریب برناوہ کی چشتیہ نظامیہ خانقاہ مین اسکی جانب سے معقول نذر مقرر تھی- اسیطرح مسجدون مندرون کی خدمت گذاری دلی خلوص سے کرتی تھی- اسکی فوج مین عموماً ہندو مسلمان افسر تھے جنکی دلجوئی اسکو بے حد مدنظر تھی-

یہ مشہور بیگم جسکی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہی- اپنی عمر طبیعی کو پہونچکر ۱۸۳۶ع مین سب ٹھاٹ چھوڑکر قبر مین جاسوئی- اسکی قبر پر بطور یادگار نہایت صاف اور شفاف سنگ مرمر کی ایک عمارت بنائی گئی- اور اسمین ایک اونچی جگہ اسکا بت رکھا گیا اس خوبصورت اور شاندار عمارت کو اسوقت تک زمانے کے سخت ہاتھون نے کچھ نقصان نہین پہونچایا- اور یہ جون کی تون قائم ہے- اور اُن اچھے زمانون کی یاد دلاتی ہے جب وہان عجیب رونق تھی-

(ترجمہ از انگریزی)

سید محمد ارتضیٰ- واحدی- دہلوی

Marfat.com

بیگم شمرو

(از جناب شیخ محمد حفیظ صاحب بی۔ اے)

سولھوین صدی کے آخر تک ایشیا کے لوگ فنون سپہ گری اور جنگ مین خاصی مہارت رکھتے تھے اور شاہ اکبر ثانی کے عہد تک یوروپین اقوام اس فن مین ہندوستانی سپاہ سے ہمسری کا دعویٰ کرتی تھین اور اُن کا دعویٰ بیجا نتھا۔ مگر مغربی اقوام زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی رہین اور فن جنگ کی ترقی اور اصلاح مین مشرقی اقوام سے گوئے سبقت لے گئین چنانچہ اٹھارہوین صدی کے اختتام پر ہندوستان مین مغربی سپاہیون کے اقبال کا ستارہ چمکا۔ ہندوستانی ریاستون مین مغربی افسرون کا تسلط اور رعب آہستہ آہستہ جم رہا تھا اور روز بروز وہ لوگ اپنی جنگجوئی، دلیری، شجاعت اور اولالعزمی کا سکہ ہندوستانی فرمارواؤن اور حاکمون کے دل پر جما رہے تھے۔ ڈوپلے اور پسی ایسے تجربہ کار ماہران فن نے اپنی حیرت انگیز فتحیابیون کا ڈنکا بجادیا اور ہندوستان کے نوابون اور راجاؤن کو دکھا دیا کہ بغیر اُن کی امداد کے ملک مین امن قائم رکھنا اور ملک کی حفاظت کرنی بالکل ناممکن ہے۔ لہذا ہندوستانی والیان ریاست یہی چاہتے تھے کہ اپنی فوجون کو باقاعدہ طور پر مغربی افسرون کے ماتحت رکھ کر فوجی تعلیم دلوائین۔

مغربی متلاشیان روزگار سپاہیون کے لئے اس سے زیادہ اور کیا اچھا موقعہ ہو سکتا تھا۔ اکثر نے اپنی قسمت آزمانی چاہی اور اُس مین کامیاب ہوئے۔ چنانچہ اُسی زمانے کا ذکر ہے کہ والٹر نامی ایک جرمن سپاہی چندر نگر کی فوج مین جو ایک فرانسیسی افسر کی کمان مین تھی بھرتی ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ مین انگریزون نے چندر نگر چھین لیا اور والٹر وہان سے بھاگ کر کلکتہ ہو، میر قاسم نواب بنگالہ کے دربار مین پہونچا اور وہان ملازمت اختیار کر لی۔

۱۷۶۴ء مین بکسر کی لڑائی مین انگریزون نے نواب مذکور کو شکست فاش دیکر اُنکی فوج کو پراگندہ کر دیا۔ اب والٹر نے وہان سے نکل کر ایک چھوٹی سی فوج تیار کر لی۔ اُنکی بہادری کی شہرت بہت جلد گرد و نواح مین پھیل گئی اور نجف خان نے اُسے تیس ہزار روپیہ ماہوار پر اپنی فوج مین ملازم کر لیا۔ اُدھر شاہ عالم دوم کو اُسی وقت سکھون سے لڑنے کی ضرورت ہوئی اور چونکہ والٹر کی لیاقت کا شہرہ ہو چکا تھا اسلئے اُسے بلا کر سکھون سے لڑنے کا حکم دیا۔ آخیر مین نجف خان کی سفارش سے اُسے ایک جاگیر مل گئی جو دوسعت مین علی گڈھ سے لے کر مظفر نگر تک تھی۔ سردھنہ مین والٹر نے سکونت اختیار کر لی اور جاگیردار بن بیٹھا مگر موت نے مہلت نہ دی ۱۷۷۸ء مین بادشاہ دہلی کی جانب سے گورنر بنا کر آگرہ بھیجا گیا جہان اُس کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

اسکا مزاج متین سنجیدہ اور خشک واقع ہوا تھا اسلئے اُسے لوگ سومبر (SOMBRE) کہنے لگے جو بگڑ کر سمرو بن گیا۔

۱۷۶۵ء کا ذکر ہے کہ محاصرۂ دہلی کے موقعہ پر سمرو نے ایک حسین لڑکی دیکھی جس سے ملاقات ہوتے ہی اسکی خوبصورتی نے سمرو کے دل میں گھر کر لیا۔ یہ عربی نسل کی ایک مسلمان لڑکی تھی اور اپنی ماں کیساتھ دہلی میں رہتی تھی، اُسکے باپ کا نام لطف علی تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اُس لڑکی کے سوتیلے بھائی نے اپنی ماں اور سوتیلی بہن کو گھر سے نکال دیا۔ یہ دونوں آفت کی ماری ۱۷۶۰ء میں دہلی پہنچیں اور وہیں سکونت پذیر ہو گئیں ۱۷۶۵ء میں سمرو سے اس لڑکی کا بیاہ ہوا اور وہ بیگم سمرو بن گئی۔ شادی کے بعد اُس نے اپنی ذہانت اور حسن تدبیر سے سمرو کو اپنا گرویدہ کر لیا وہ ریاست کا کل کاروبار اپنے قبضہ میں لینا چاہتی تھی کہ سمرو کے لئے موت کا پیام آگیا اور اس طرح خودبخود اُسے جاگیر کی حکومت کا موقع ہاتھ آیا۔

سمرو کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا جس کا نام ظفریاب خان تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ریاست کا وہی حقدار تھا مگر شاہ دہلی نے اُسے ناقابل سمجھ کر بیگم ہی کو مسند حکومت پر بٹھایا اور سردھنہ کی جاگیر کا کل ملکی اور فوجی انتظام اُسی کے سپرد کر دیا۔ ۱۷۸۱ء میں بیگم نے عیسائی مذہب اختیار کیا حکومت کی اہم ذمہ داری کا احساس اور اُسکے انتظام کی صلاحیت بیگم میں موجود تھی۔ پانچ سال تک وہ نہایت قابلیت اور ہوشیاری سے حکومت کے کام کو سرانجام دیتی رہی۔ اسی زمانے میں جارج تھامس نامی آئرلینڈ کا ایک سپاہی دربار میں آیا جس نے بہت جلد بیگم کے دربار میں رسوخ حاصل کر لیا۔ آخرکار اُسکے جوہر ذاتی سے متاثر ہو کر بیگم نے اپنی فوج میں اُسے افسری کا عہدہ دے دیا۔ یہ شخص نہایت کامیابی کے ساتھ کئی مہموں کو سر کرتا رہا۔ اتفاقاً اُسی زمانے میں ایک اور سپاہی لواسو نے دربار میں باریابی حاصل کی۔ رفتہ رفتہ بیگم کو اُسکی ادائیں بہت بھلی لگنے لگیں! اور اُسکی قابلیت، ذہانت اور طباعی کا اثر بیگم کے دل پر ہونے لگا۔ چنانچہ بیگم اُسکو زیادہ چاہنے لگی اور اُسکو اعلیٰ عہدے پر ممتاز کیا۔ تھامس بیگم کی اس لطف و کرم کی نگاہ کو بنظر حسد دیکھنے لگا اور اپنے رقیب کو روز بروز ترقی کے زینہ پر چڑھتا ہوا دیکھ کر اور دل برداشتہ ہو کر ملازمت سے دستبردار ہو گیا۔ اب لواسو کے لئے ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ رفتہ رفتہ یہ شخص بیگم کے دل پر قابض ہو گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم نے چالیس برس کی عمر میں اس نوجوان سے خفیہ طور پر عقد کر لیا۔ اب لواسو کے اقتدار کا آفتاب عروج پر تھا۔ یہ شخص بہادر، تعلیم یافتہ اور مہذب سپہ سالار تھا، مگر ساتھ ہی ساتھ نہایت مغرور، متکبر اور خوددار تھا۔ اُسکی تنک مزاجی اور غرور کی وجہ سے سپاہ اور درباری افسر اُس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ بیگم سے بیاہ کرنے کے بعد اُسکے تیور اور بھی بدل گئے، لوگوں نے اپنی حکایت جتانی شروع کر دی۔ بیگم کی غیر معمولی شفقت اور اطاعت کو دیکھ کر لوگ اور بھی حیران تھے کہ اصل واقعہ کیا ہے مخفی عقد کا حال اُن پر ابتک ظاہر نہ ہوا تھا، اسلئے لواسو کی نخوت انہیں اور بھی ناگوار گزرتی تھی، آخرکار کینہ اور

Marfat.com

عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی اور رعایا بغاوت کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ ظفر یاب خان کو رعایا کی طرف سے پیغام بھیجا گیا کہ آکر عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔

ظفر یاب خان دہلی سے آیا اور مسندِ حکومت پر بٹھا دیا گیا، اب لوآسو کی آنکھیں کھلیں مگر اب پچھتانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ چارو ناچار بیگم اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے آدھی رات کو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، مگر ابھی بہت دُور جانے نہیں پائے تھے کہ باغیوں نے اُن کو جا لیا۔ بیگم اپنی ڈولی میں تھی اور اُس کا شوہر گھوڑے پر اُسکے ہمراہ جا رہا تھا، اگر لوآسو چاہتا تو اکیلا اپنی جان لیکر بھاگ سکتا تھا مگر محبت اور وفا شعاری نے اُسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ باغیوں کے پہنچتے پہنچتے بیگم نے اپنے سینہ میں خنجر بھونک لیا اور زخمی ہو کر ڈولی میں بیہوش ہوگئی لوآسو سمجھا کہ بیگم کا خاتمہ ہوگیا، چاروں طرف سے مایوس ہو کر لوآسو نے اپنی جان اور عزت بچانے کیلئے اپنی بندوق سے اپنا کام تمام کر لیا، باغی بیگم کو قید کر کے سردھنہ لے گئے اور اُس پر طرح طرح کے ستم ڈھائے، غریب کو ایک ہفتہ تک بے آب و دانہ تیز دھوپ میں ایک گن مشین کے نیچے بندھا رکھا اور اُسکی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا کوئی وفادار خادمہ چوری چھپے بیگم کو کچھ کھانے پینے کے لئے کبھی دے جاتی تھی، آخرکار ایک افسر کو رحم آیا اور اُس نے بیگم کو اس ذلت سے بچا لیا، اور گو وہ قید ہی رہی مگر اُس نے ہمت نہ ہاری اور چپکے چپکے اپنی رہائی کا انتظام کرنے لگی۔ تھامس اُس کا سابق سپہ سالار اس زمانے میں مرہٹوں کے دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہو گیا تھا۔ بیگم نے اُسے خط لکھ کر اپنی قابلِ رحم حالت سے آگاہ کیا اور نہایت عاجزانہ درخواست کی کہ وہ اپنی فوج لے کر اُس کی رہائی کی فکر کرے اور دوبارہ حکومت حاصل کرنے میں اعانت کرے۔ اِس خدمت کے صلے میں اُس نے بہت سا روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا

تھامس نے دیکھا کہ اُس کی مالکہ مصیبت میں گرفتار ہے اور جب یہ سُنا کہ لوآسو بھی انتقال کر گیا تو اُسے رحم آیا، لہذا کچھ فوج لیکر سردھنہ روانہ ہوا، باغی تابِ مقاومت نہ لا سکے اور اپنی بغاوت سے باز آ کر بیگم کو بار دیگر برسرِ حکومت کیا۔ بیگم مرتے دم تک تھامس کا احسان نہ بھولی اور اُسکے ساتھ ہر طرح سے سلوک کرتی رہی۔ تھامس کے انتقال کے بعد بھی اُسکی بیوی بچوں کی خبر گیری کرتی رہی اور اپنی جائداد کی آمدنی میں سے ۴۴۰۰ روپیہ اُن کے نام لکھ دیا۔

مسندِ حکومت پر دوبارہ قبضہ پا لینے کے بعد بیگم نے ظفر یاب خان کو قید کر کے دہلی بھجوا دیا جہاں وہ ۱۸۰۲ء میں فوت ہوگیا۔ اِن مصائب کے بعد بیگم اپنی کمزوریٔ نفس پر بہت پچھتائی اور اپنی غلطی کی ہر طرح تلافی کرتی رہی اور اپنے پہلے شوہر کی یاد میں اپنا نام بیگم شمرو ہی رکھا اور مرتے وقت تک کسی سے اپنے عقدِ ثانی کرنے کا ذکر نہ کیا۔

Marfat.com

چونکہ سردھنہ کی جاگیر شاہ دہلی نے عطا کی تھی اسلیے بیگم کا دہلی کے انتظام سلطنت سے بہت کچھ تعلق تھا چنانچہ بیگم کی کچھ فوج دلی مین بادشاہ کی خدمت مین حاضر رہتی تھی اور اُس نے کئی موقعون پر بادشاہ کو دشمنون کے حملون سے بچا یا تھا۔ اسکے اور بادشاہ کے درمیان ہمیشہ شگفتہ تعلقات رہے اور بادشاہ بھی بیگم کی رفاقت کی قدر کرتے رہے اسکے بعد جب انگریزون نے اپنا تسلط جمایا تو بیگم نے انگریزون سے بھی ویسے ہی دوستانہ تعلقات قائم کر لئے بوقت ضرورت انگریز بیگم سے مدد چاہتے تھے۔ اور وہ خود بھی اپنی عقیدت اور خلوص کا ثبوت دینے کیلئے ہر وقت موقع ڈھونڈھتی رہتی تھی۔ انگریزی حکومت کے پختہ طور پر قائم ہو جانے کے بعد لارڈ ویلزلی کے عہد مین انگریزون نے سردھنہ کی جاگیر اپنے قبضہ مین کر لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا مگر بیگم کی اطاعت شعاری اور وفاداری کا لحاظ کر کے وہ علاقہ بیگم کے زیر حکومت رہنے دیا۔ اسی زمانے سے بیگم برٹش حکومت کی ایک رُکن بن گئی اور اپنا سارا وقت ملک کی معاشرتی اور تمدّنی اصلاح مین صرف کرنے لگی۔ اپنے وفادار خدّام کے لئے جائداد مین سے بہت سا روپیہ وقف کر کے گورنر سے منظوری حاصل کی۔ وہ برابر رعایا کی بہبودی اور ترقی کے لئے حتی الامکان کوشش اور غریبون اور بے نواؤن کی حاجت روائی کرتی تھی۔ لوگ بھی اُس سے خوش تھے۔ ملک مین امن تھا اور چارون طرف ترقی کے آثار نمایان تھے۔ بیگم کی فیاضیون کی شہرت عام وخاص مین پھیل گئی تھی۔ اُس نے تصرف بہت سا روپیہ انگلستان کے کلیساؤن کو نذر کیا بلکہ خود اپنے ہان سردھنہ اور میرٹھ مین بھی عالیشان گرجے بنوائے۔

چونکہ اُس کو عمارات کا شوق تھا اسلئے نہایت خوبصورت کوٹھیان اپنے رہنے کیلئے دہلی، میرٹھ، سردھنہ اور فیض آباد مین تعمیر کرائین جن مین سے اکثر ابتک موجود ہین۔ بیگم فیاض تھی مگر مسرف نہ تھی کل اخراجات کا حساب کتاب خود لکھتی تھی، جاگیر کا انتظام خود کرتی تھی۔ فوج کی کمان آموزدہ کار سپہ سالارون کے سپرد تھی اور وہ خود فن سپہ گری کے اصول و قواعد سے واقف تھی۔ لڑائی کے موقع پر ڈولی مین بیٹھ کر فوج کو حملہ کے لئے تیار کرتی اور اُنکی رہنمائی کرتی تھی۔ آخر ۱۸۳۶ء مین وہ اس جہان فانی سے انتقال کر گئی۔

بیگم ایک بیدار مغز، تعلیم یافتہ، مہذب، محنتی اور دلیر خاتون تھی۔ حسین تھی مگر کسی قدر پستہ قد اور فربہ اندام بھی تھی آنکھین سیاہ اور چمکدار تھین۔ نہایت قیمتی اور مکلّف ہندوستانی لباس زیب تن کرتی تھی۔ ہندوستانی زبانین جانتی تھی اور فارسی مین کامل دستگاہ رکھتی تھی۔ اسکی گفتگو دل آویز اور شیرین ہوا کرتی تھی۔ ہندوستانی رسم و رواج کی پابند تھی اور اپنی رعایا سے بھی پابندی کرواتی تھی۔ دربار مین پردہ مین بیٹھتی اور پردے کے آڑ مین اُمور ریاست پر بحث مباحثہ کیا کرتی تھی۔ الغرض بیگم ایک بے نظیر ہندوستانی خاتون گذری ہے۔ اسکا نام ابتک زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگا اسکی وفات کے بعد اُس کی جاگیر انگریزون کے قبضہ مین چلی گئی۔

Marfat.com

بیگم سمرو

(از مسٹر شہنشاہ حسین رضوی ایم۔اے۔ایل ایل۔بی۔(علیگ) ایم۔آر۔اے۔ایس۔ایڈوکیٹ لکھنؤ)

میرٹھ سے تقریباً تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر شمال مغربی گوشہ میں ایک تاریخی قصبہ ہے جس کا نام سردھنہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی راجہ سرکت تھا جس کا خاندان مسلم فاتحین کے ورود قدوم سے پیشتر اس کو اپنا دارالحکومت بنائے کامرانی کرتا تھا۔ اسی راجہ نے شاید سردھنہ آباد کیا تھا۔ زمانہ کے انقلابات کے بعد دھوسر اور بشنوئی مہاجنوں کا اس پر قبضہ ہوگیا اور پھر اس کے بعد نہ معلوم اس کا کیا حشر ہوا

سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب اقبال نصف النہار تک پہونچا بھی اور زوال پذیر بھی ہونے لگا۔ اسی ہنگام میں جبکہ بابر کی قائم، اکبر کی مستحکم، اورنگ زیب کی وسیع کی ہوئی سلطنت کا چراغ حیات ٹمٹما رہا تھا سردھنہ کا نام پھر زباں زد ہونے لگا۔ کیونکہ اب وہ بیگم سمرو کا مسکن تھا۔ بیگم نے اجڑے ہوئے سردھنہ کو گلزار بنادیا تھا اور ایک ایسا کلیسا تعمیر کرایا جو ہندوستان کے کلیساؤں کی صف میں ممتاز جگہ پائیگا۔ اور ہندوستانی یوروپین عمارات کی تاریخ میں درخشاں رہیگا۔

اس گرجا کی تعمیر میجر انتونیو رگلینی (Major Antonio Reghelini) کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔ جو غالباً بیگم کی ملازمت میں تھا اور شاید پادوا (Padua) کا رہنے والا تھا۔ گرجا میں ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے جو لاطینی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس گرجے کی رومن کیتھولک فرقہ کے رسم و رواج کے مطابق ۱۸۲۲ء میں تعمیر ہوئی تھی

فارسی کتبہ کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

بامداد خدا افضل مسیحا	بسالِ ہژدہ صد عشرین و اثنا
بدل زیب النسا عمدہ اراکیں	بنا فرمود عالیشان کلیسا

تذکروں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً چار لاکھ یا اس سے کچھ زائد روپیہ کلیسا کی تعمیر میں صرف ہوا تھا عمارت فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

Marfat.com

بیگم کی حقیقت | بیگم شمرو کی حقیقت کیا ہے؟ یہ عجیب معمہ ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ رقاصہ تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میرٹھ کے شمال ومغرب میں کوئی تیس میل پر کوٹنہ ایک گاؤں ہے جس میں سادات کی اچھی خاصی بستی تھی، اور بیگم وہیں کے ایک غریب سید کی لڑکی تھی۔ بیگم کا اصلی نام کیا تھا، یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ تذکروں کی ورق گردانی کیجئے اس کی زندگی کے تمام واقعات ملیں گے مگر نام ندارد ہے اور ہر جگہ وہ بیگم شمرو کے نام سے موسوم ہے۔ البتہ بیگم نے اپنے متبنّٰی ڈائس سومبری (Dyce Sombre) کے نام اپنی جائداد کا ایک ہبہ نامہ کیا ہے جس میں اس کا نام جوناسومبری (Jonna Sombre) المعروف بہ عمدۃ الاراکین زیب النسا بیگم تحریر ہے۔ مسیحیت قبول کرنے کے بعد شاید اس کا نام جونا ہوگیا۔ "عمدۃ الاراکین زیب النسا بیگم" شاہی خطاب ہے جو شاہ عالم نے ۱۷۸۲ء میں دیا تھا۔

ابتدائی حالات | وہ ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئی۔ باپ کا سایۂ عاطفت نہ رہا اور اس کے سوتیلے بھائی نے اس کی ماں اور اس کے ساتھ بدسلوکیاں کرنا شروع کیں تو وہ چاروناچار تقریباً ۱۷۶۰ء میں دہلی چلی آئی۔ یہاں اس کا شمرو خاندان سے تعارف ہوگیا۔

وہ خوبصورت نازک اندام تھی، قد موزوں تھا۔ اور تمام اعضا نہایت موزوں تھے، آنکھیں بڑی تھیں جو غائر نگاہوں سے دلوں کی تہوں میں در آتی تھیں۔ وہ فارسی نہ صرف روانی کے ساتھ بول سکتی بلکہ لکھ پڑھ سکتی تھی۔ اس کی باتوں میں ایسی دل آویزی تھی کہ سننے والا مسحور ہو جاتا تھا۔ اس کی شادی غالباً ۱۷۶۵ء میں سمرو کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس وقت سمرو راجہ بھرت پور کا ملازم اور محاصرۂ دہلی میں مصروف تھا۔

سمرو | سمرو کا اصلی نام والٹر رینہارٹ (Walter Reinhardt) تھا جو سالٹبرگ (Salts burg) کا رہنے والا تھا۔ وہ فرانسیسی سپاہ میں شامل ہو کر ایک سرفروش کی حیثیت سے ہندوستان آیا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس نے انگریزی ملازمت کرلی لیکن پھر فرانسیسی سپاہ میں واپس گیا۔ اس کے بعد میر قاسم ناظم بنگال کے ارمنی جرنیل گرگیری (Gregory) یا گرجین خاں کے زیر کمان نظر آتا ہے اور ۱۷۶۳ء میں پٹنہ کے ہولناک قتل عام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پھر میر قاسم کے ساتھ بھاگ کر اودھ آتا ہے اور کچھ دن سرگرداں پھرنے کے بعد آخرکار چار دستے پیادہ ایک رسالہ سوار اور چھ توپوں کی ایک مختصر فوج فراہم کرلیتا ہے۔ اور اس طرح کبھی ایک سردار کے ساتھ کبھی دوسرے کے ساتھ ہو جاتا ہے، آج راجہ جے پور کی سپاہ میں کل بھرت پور کے عساکر میں نظر آتا ہے۔ اور بھرت پور کے لئے تو وہ چند خونریز معرکے سر بھی کرتا ہے۔ آخرکار، وہ شاہی ملازمت اختیار کرلیتا ہے۔ اور شہنشاہ دہلی کی جانب سے

Marfat.com

وہ ایک علاقہ کا سردار مقرر کیا جاتا ہے جس کا دارالحکومت وہ سردھنہ کو قرار دیتا ہے۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرتا کہ ہم اس کو آگرہ کا گورنر دیکھتے ہیں اور وہیں ۴۔ مئی ۱۷۷۸ء کو وہ تیرِ قضا کا نشانہ ہوتا ہے۔
سمرو کے بعد | سمرو کی وفات کے بعد اس کی سپاہ کی کمان جو یوروپین اور ہندوستانی نبرد آزماؤں پر مشتمل تھی۔ بیگم کے ہاتھ میں آئی۔ ابتدا میں سپاہ میں بدنظمی رہی لیکن بیگم نے اپنی ذکاوت اور ذہانت سے بہت سے خودسروں کو زیر کرلیا۔ لیکن اس دوران میں ایک واقعہ بیگم کی زندگی میں ایک اور یادگار ہوگیا۔ ایک فرانسیسی قسمت آزما موسیو لی وسالٹ (Mouseeur LeVassoult) اس کی فوج میں داخل ہوا، اور بہت جلد اس کی سپاہ کا کماندار اعظم ہوگیا۔ بیگم اور ویسالٹ میں ارتباط بڑھ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی، لیکن شادی اس کو راس نہ آئی، اور سمرو کی خودسر سپاہ نے دونوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا۔ موقع کی نزاکت یہاں تک ترقی کرگئی کہ آخر ویسالٹ اور بیگم کو معہ اپنے تمام اثاثہ کے سردھنہ چھوڑنا پڑا۔

دونوں نے برطانوی علاقہ میں پناہ لینے کا تہیہ کرکے اپریل ۱۷۹۴ء میں اُنھوں نے گورنر جنرل کو براہِ راست لکھا، اور مہاراجہ سندھیا کی اجازت سے ان کو اس شرط پر خفیہ بھاگنے کی اجازت ملگئی کہ ویسالٹ بوجہ فرانسیسی ہونے کے ایک جنگی قیدی متصور کیا جائیگا کیونکہ یورپ میں اس وقت انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ ہورہی تھی، اور دنیا کے جس خطہ میں جہاں جہاں بھی فرانسیسی اور انگریز تھے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ شومیِ تقدیر کہ سپاہ کو بھی ان دونوں کے فرار ہونے کی اطلاع ہوگئی۔ بیگم پالکی میں تھی اور ویسالٹ گھوڑے پر، ابھی وہ صرف تین میل آگے بڑھے ہونگے کہ باغی سپاہ نے ہر چہار طرف سے ان کا محاصرہ کرلیا۔ ویسالٹ اور بیگم میں یہ عہد تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی مرجائیگا تو دوسرا اپنی جان دیدیگا۔ یکایک بیگم کی سہیلیوں نے گریہ و بکا کا نالہ بلند کیا۔ ویسالٹ نے سراسیمہ ہوکر مڑکر دیکھا تو بیگم کے سینہ سے خون کا ایک پرنالہ جاری تھا اور وہ دم توڑ رہی تھی۔ بیگم نے خنجر خون آشام سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ویسالٹ سے یہ خونیں منظر دیکھا نہ گیا اور اُس نے پستول اپنی کنپٹی پر رکھکر دوسرے لمحہ میں جان دیدی۔ بیگم گرفتار ہوگئی اور سردھنہ واپس لائی گئی، اس کا زخم کاری نہ تھا اور وہ رفتہ رفتہ مندمل ہوگیا۔

ظفریاب خاں | جان تو بچ گئی لیکن اب دوسری مصیبت پیش آگئی ظفریاب سمرو کا پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا جس نے موقع کو غنیمت سمجھکر دہلی سے کچھ رفقا ساتھ لیئے اور سردھنہ پہونچکر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ لیکن بیگم نے جو خطرہ کے وقت کبھی [illegible] نہ ہوتی تھی۔ دہلی کے مرہٹہ گورنر جارج ٹامس کی مدد سے جو ایک زمانہ میں سمرو کا

Marfat.com

نمک بھی کھا چکا تھا۔ ظفریاب کے رفقا کو منتشر کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور اس طرح وہ پھر اپنی جاگیر پر قابض ہو گئی، اور مرتے دم تک اس کے اقتدار کو پھر کوئی ضرب نہ لگی۔ جارج طامس George Thomas کو اس کی خدمات کے صلہ میں گرانبہا جہیز کے ساتھ بیگم کی ایک پروردہ لڑکی کی شادی کر دی گئی۔

بیگم کی سپاہ بیگم کے پاس پہلے چار دستے تھے، ۱۷۹۷ء میں ایک دستہ کا اور بعدہٗ ۱۷۹۵ء اور ۱۸۰۲ء میں دو دستوں کا اور اضافہ کیا گیا۔ ان میں سے پانچ کرنل سیلیور (Saleur) کی کمان میں سندھیا کے ساتھ دکن کی مہم پر گئے تھے لیکن کوئی کارنمایاں نہیں دکھلا سکے بلکہ چار توپیں کھو کر چلے آئے۔ بیگم کی سپاہ کی وردی کا رنگ گہرا نیلا تھا، کوٹ پاجامہ بہت نیچا ہوتا تھا اور پیروں تک پہونچتا تھا لیکن سرخ کمربندوں سے وہ کسی قدر اونچا ہو جاتا تھا۔ دستاریں سرخ ہوتی تھیں جو دھوپ میں بہت خوشنما معلوم ہوتی تھیں۔ فوج کے ہر سپاہی کے پاس گھوڑا تھا اور وہ بہترین اسلحہ سے مسلح ہوتے تھے۔

بیگم اور انگریز | جب انگریزوں نے علیگڈھ کا قلعہ فتح کر لیا تو رابرٹ اسکنر (Robert Skinner) کی تحریص و ترغیب سے ۱۸۰۳ء میں بیگم نے انگریزوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اس وقت سے اس نے اپنی معاشرت اور وضع کو بالکل بدل دیا۔ اب تک تو وہ پردہ نشین تھی اور فینس میں نکلتی تھی لیکن اب گاڑی اور ہاتھی پر سوار ہونے لگی، بعض اوقات وہ گھوڑے پر بھی نکلتی تھی لیکن انگریزی ٹوپی کے نیچے نقاب سے منہ کو چھپائے ہوتی تھی۔

آخری کارنامہ | اس کی زندگی کا آخری شجیعانہ کارنامہ ۱۸۲۵ء میں ظہور پذیر ہوا، جبکہ وہ لارڈ لیک کے ہمرکاب قلعہ بھرت پور کی تسخیر میں مع اپنی سپاہ کے شریک تھی۔ برطانوی سپاہ کو جو فتح حاصل ہوئی یقیناً اس میں اس کا بھی نمایاں حصہ تھا۔ لارڈ لیک (Lord Lake) نے اس کی شجاعت استقلال اور وفاداری کا اعتراف کیا ہے۔

ظفریاب خاں کی اولاد | ظفریاب خاں ۱۸۰۳ء میں بعارضہ ہیضہ دہلی میں انتقال کر گیا، اور آگرہ میں اپنے باپ سمرو کے پہلو میں مدفون ہوا۔ اس کی ایک دختر تھی جو ۱۸۰۶ء میں کرنل ڈائس Colonal Dyce کو منسوب ہوئی، ڈائس سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہوا جس کا نام ڈیوڈ آچٹر لونی ڈائس سومبری (David Achter Loney Dyce Sombre) تھا۔ یعنی والٹر ریہناٹ کا پڑپوتا۔ اس لڑکے کو بیگم نے اپنا متبنیٰ کیا جو اس کے بعد اس کی جائداد اور املاک کا وارث ہوا۔

امور خیر | مئی ۱۷۸۱ء میں سمرو کے مرنے کے بعد اُس نے رومن کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا

Marfat.com

اور وہ اپنے مذہبی عقائد میں پختہ بھی تھی۔ اپنے اظہار عقیدت میں اُس نے صرف کثیر سے کلیسا تعمیر کرایا اور اس کے قیام و بقا کے لئے ایک لاکھ روپیہ وقف کیا۔ پچاس ہزار مساکین سردھنہ کیلیے دیا اور ایک لاکھ روپیہ سینٹ جانس کالج سردھنہ کے قیام کے لئے، ڈیڑھ لاکھ روپیہ رومۃ الکبریٰ بھیجا گیا اور پچاس ہزار روپیہ کاگراں بہا ہدیہ آرک بشپ آف کنٹربری Arch Bishop of Canterbury کو نذر کیا گیا۔ ایک لاکھ بشپ کلکتہ کو کلکتہ کے پروٹسٹنٹ چرچ کے غربا میں تقسیم کے لئے دیا گیا۔ اسکے علاوہ مستحق قرضداروں اور عام مساکین کی گلو خلاصی کے لئے پچاس ہزار روپیہ کلکتہ اور بھیجا گیا۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے کیتھولک چرچوں کو ایک لاکھ روپیہ اور آگرہ چرچ کو تیس ہزار روپیہ دیا گیا۔ میرٹھ میں اُس نے ایک خوبصورت کلیسا تعمیر کرایا اور اس طرح ایک پاکباز مستطیع مسیحی عورت پر جو فرائض اُخروی عائد ہوتے تھے اُس نے انجام دیے۔

کیرکٹر | وہ بہادر اور دلیر تھی تو رحمدل اور فیاض بھی تھی، اُس میں غضب کی ذکاوت اور ذہانت تھی اور مردوں کی سی جرأت اور رکھ رکھاؤ۔ وہ پاکباز تھی اور اپنے مذہبی عقائد میں پختہ۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے ہندوستان کو خیرباد کہتے وقت جو کلکتہ سے ۱۷۔ مارچ ۱۸۳۵ء کو بیگم کے نام خط لکھا تھا اسمیں بیگم کے بلند کیرکٹر کی ستائش کی ہے اور لکھا ہے کہ "میں آپ کے بلند کیرکٹر پر اپنی انتہائی عقیدت اور جذبۂ احترام کا اظہار کئے بغیر ہندوستان نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کی سخاوت نے ہزاروں کو آپکا گرویدہ بنا دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بحیثیت بیواؤں اور یتیموں کی دستگیر ہونے کے بہت زمانہ تک زندہ رہیں گی۔"

موت | چند روزہ بستر علالت سے ہمکنار رہنے کے بعد وہ ۲۷۔ جنوری ۱۸۳۶ء کو اسّی سال سے زائد عمر میں سردھنہ میں داعیِ اجل کو لبیک کہتی ہوئی ہندوستان کے سیاسی اسٹیج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ لیکن اُنیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی نصف میں وہ کیریکٹر چھوڑ گئی جو تاریخ ہند کا یقیناً ایک مستقل باب بننے کا استحقاق رکھتا ہے۔

Marfat.com

بیگم شمرو

(مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی)

بیگم شمرو کے نام کے ساتھ ایک پُرشکوہ داستان وابستہ ہے۔ اُس کو دُنیا سے رخصت ہوئے ایک صدی گذر چکی ہے، لیکن اس کے کارنامے ابھی تک بدستور زندہ ہیں، اور رہتی دُنیا تک زندہ رہینگے۔

میرٹھ سے تیسؔ میل جانب شمال مغرب کوتانہ نامی ایک قصبہ میں غالباً ۱۷۵۳ء میں بیگم شمرو ایک ذی مرتبہ شخص لطیف علیخان کے یہاں پیدا ہوئی۔ اُس کے اجداد عرب سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے، اور پھرتے پھراتے کوتانہ میں آبسے۔ ایک ہی دو پشتوں میں اُن کی قومیت ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے سانچے میں ڈھل گئی۔ اور چونکہ رشتہ داریاں بھی ہندوستانی شرفا کے یہاں ہوئیں اِس لئے رفتہ رفتہ اُن کی زبان بھی فارسی ہوگئی۔

بیگم شمرو ابھی چھ سال ہی کی تھی کہ اُس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اُس کے بڑے بھائی نے جو پہلی بیوی سے تھا۔ اُسے اور اُس کی والدہ کو بہت پریشان کیا۔ جس سے تنگ آکر وہ دونوں دہلی چلی گئیں، بیگم شمرو بلا کی حسین اور فطرت کی بہترین صناعی کا دلکش نمونہ تھی۔ قد لبنہ، بدن گداز، بڑی بڑی سیاہ اور چنچل آنکھیں، خد و خال نازک و لطیف، طبیعت کی بہت دلیر اور مستقل مزاج تھی۔ کسی بڑے سے بڑے خطرہ کو خطرہ نہ سمجھتی تھی۔ وہ اُنیس بیس برس کی تھی کہ اُس پر رینہارڈ نامی ایک خوبصورت جرمن نوجوان کی نظر پڑ گئی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں دونو رشتۂ مناکحت میں منسلک ہوگئے۔

والٹر رینہارڈ ایک قسمت آزما سپاہی کی حیثیت سے ہندوستان آکر فرانسیسی فوج میں بھرتی ہوگیا تھا۔ مئی ۱۷۵۷ء میں جب کلائیو نے چندر نگر کی فرانسیسی آبادی پر خلاف معاہدہ اچانک حملہ کرکے قبضہ کرلیا۔ تو فرانسیسی فوج کے ایک مختصر دستہ نے انگریزوں کی اطاعت قبول نہ کی۔ رینہارڈ بھی اسی جماعت میں شامل تھا۔ یہ مختصر جمعیت لا کی سرکردگی میں مرشد آباد پہنچی اور نواب بنگال کے ہاں ملازم ہوگئی۔ ۱۷۶۱ء میں جب اُن کا بہادر سرپرست گرفتار ہوگیا تو رینہارڈ نے پٹنہ جاکر خواجہ گریگوری[1] خان کی

---

[1] خواجہ گریگوری خان یا گرگین خان مشہور آرمینی مدبر اور تاجر خواجہ پطرس کا بھائی اور میر قاسم کی افواج کا داروغہ۔ صفحہ ۱۳۱

ماتحتی میں ایک فوجی عہدہ قبول کر لیا۔ رفتہ رفتہ کچھ ایسے انقلابات رونما ہوئے کہ میر قاسم کا ستارہ چمکا جسے انگریزوں نے بنگال کا نواب بنا دیا۔ میر قاسم کے عروج کے ساتھ ریہنارڈ کا ستارہ بھی چمک اٹھا۔

ریہنارڈ فوجی آدمی تھا جسے زیادہ تر گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ اُس کی اس معاشرت نے اُس کے رنگ پر بھی اثر ڈالا۔ پھر اُس کی طبیعت میں افسردگی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ ان وجوہ کے باعث اُس کے یورپین رفقاء اُسے سومبر کہنے لگے۔ یہی سومبر ہندوستانیوں کی زبان پر آکر شمرو بن گیا۔ اور وہ اسی مہمل لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

شمرو ہندوستانی افواج کو قواعد جنگ سکھاتا تھا۔ ایک پورا بریگیڈ اُس کے کمان میں تھا۔ جب نواب بنگال اور انگریزوں میں اختلاف ہو گیا اور مقابلہ تک نوبت آگئی تو شمرو اپنی فوج لے کر انگریزوں کے مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ یہ ۲؍ اگست ۱۷۶۳ء کی مشہور لڑائی کا ذکر ہے۔ یہ لڑائی اگرچہ صرف چار ہی گھنٹے جاری رہی، لیکن انگریزوں کا بہت نقصان ہوا۔ اُن کی یورپین بٹالین ۸۴ قریب قریب تہس نہس ہو گئی، نیز ۲ توپیں بھی چھن گئیں۔ میر قاسم انگریزوں کی بدعہدی پر بہت بگڑا ہوا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام یورپین قیدی پٹنہ پہنچائے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ میر قاسم نے ان قیدیوں کو پٹنہ میں موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اس ظالمانہ خدمت کو شمرو نے انجام دیا۔

اسی زمانہ میں برطانی فوج جو پٹنہ میں مقیم تھی، وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے رویّہ سے ناخوش و غیر مطمئن ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔ اسمیں ہندوستانی فوج بھی شامل تھی اور یورپین فوج بھی، ۱۱ فروری ۱۷۶۵ء

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) سپہ سالار اور وزیر جنگ تھا۔ اُس کی ماتحتی میں میر قاسم کی فوج کی کایا پلٹ ہوئی تھی۔ اپنی قابلیتوں کے باعث جوانی ہی میں اُس نے تمام منزلیں طے کر لی تھیں۔ میر قاسم کی فوج کے ایک اور عہدہ دار غلام حسین کو اُس سے پرخاش تھی، گرگوری خان کی ترقیاں اُس سے نہ دیکھی گئیں۔ وہ مختلف طرق پر اُس کے خلاف میر قاسم کے کان بھرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر قاسم صرف گرگوری خان ہی سے نہیں بلکہ اپنے تمام فوجی افسروں سے بدظن ہو گیا۔ اُس کو یقین دلایا گیا تھا کہ گرگوری خان کی انگریزوں سے ساز باز ہے۔ لہٰذا میر قاسم نے ایک مغل سپاہی کو اُس کے قتل پر مامور کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنے آقا کا دلی خیر خواہ اور وفادار تھا۔ چنانچہ ایک اور ارمنی طامس خواجہ مل اس کی تائید کرتا ہے، وہ لکھتا ہے: "انگریزوں نے خفیہ طور پر اُس کو پیغام بھیجا کہ نواب کو قید کر دے تو اس کو معقول معاوضہ و انعام دیا جائیگا۔ مگر اُس نے صاف جواب دیا کہ یہ نمک حرامی مجھ سے نہ ہو گی"۔ میر قاسم کے پاس گرگوری خان اور تقی خان یہی دو قابل اعتماد آدمی تھے، اور جب اپنی حماقت سے اُس نے ان دونوں کو کھو دیا تو اُس کے پاس اب اور کیا رہ گیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں انگریز بنگال پر مسلط ہو گئے۔

Marfat.com

کا ذکر ہے کہ یوروپین بٹالین نے مسلح ہو کر توپ خانہ پر قبضہ کر لیا اور پھر بنارس کی طرف چلدی۔ اِس فوج کو شمرو نے واپسی کی ترغیب دی۔ انگریزی سپاہیوں نے شمرو کی صلاح مان لی اور باغیوں نے اپنا کوچ جاری رکھا۔ انگریزی سپاہیوں کو شمرو کی سفارش پر میر قاسم نے اپنی فوج میں ملازم رکھ لیا۔ شمرو کا یہ وہ سخت ترین گناہ تھا جس نے انگریزوں کو ہمیشہ بے چین رکھا۔ اور جب کبھی کسی دیسی ریاست سے کمپنی کا کوئی معاہدہ ہوا تو اُسمیں شمرو کی گرفتاری کی شرط بھی درج ہوتی رہی۔

۲۳ ر اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کی لڑائی نے بنگال کا تختہ اُلٹ دیا۔ نواب بنگال کو زوال ہوا۔ بنگال پر انگریز مسلط ہو گئے اور اسی کے بعد سے شمرو کو عروج ہونے لگا۔

بکسر کی شکست کے بعد شمرو نے اپنی فوج کی حفاظت میں نواب بنگال کو الٰہ آباد پہنچایا۔ جہاں اُس وقت شاہ عالم بادشاہ اور وزیر اَودھ مقیم تھے۔ ابھی شرائط صلح مرتب ہو ہی رہی تھیں کہ شمرو نے بندیلکھنڈ کی سرکش ریاستوں کو دبانا اور اُن سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ شاہ عالم اور وزیر اَودھ نے انگریزوں سے بطور خود معاملات طے کر لئے اور نواب بنگال کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا۔ نواب روہیلکھنڈ کی طرف بھاگ گیا۔ شمرو نے بھی اُدھر کا رُخ کیا۔ اُس کی فوج کے یوروپین سپاہیوں کو جب اُن کی بقایا تنخواہ مل گئی تو اُنمیں گویا از سر نو جان پڑ گئی۔ اب انھیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کسی طرح دیسی ریاستوں کو کمپنی کے پنجۂ استبداد سے محفوظ رکھا جائے۔ شمرو نے بھرت پور کا رُخ کیا۔ مغل سلطنت کی حالت ڈانواڈول تھی۔ بنگال اور دکن ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ ادھر شمالی ہندوستان میں مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں اور سکھوں نے سر اُٹھا رکھا تھا۔ شمرو نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اُس نے بطور خود ایک فوج مرتب کی، جو چار پیادہ پلٹنوں، ایک رسالہ اور چھ توپوں پر مشتمل تھی۔ اِس فوج کو اُس نے یوروپین طرز پر قواعد سکھائی۔ شمرو کی فوج کے تمام افسر و عہدیدار یوروپین تھے۔ اب جس رئیس کو اُس کی خدمات کی ضرورت ہوتی وہ بمعاوضہ زر کثیر اپنی فوج لے کر پہنچتا۔ روپیہ کمانے کی یہ انوکھی اور عجیب ترکیب شمرو کی ایجاد تھی۔ ہندوستان کی تاریخ میں اِس قسم کی اور مثال نظر نہیں آتی۔ فوج مرتب کرنے کے سات آٹھ برس بعد تک شمرو جے پور کا ملازم رہا یا بھرت پور کا۔ اور انھیں دونوں کے زمانۂ ملازمت میں اُس کی فوج نے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔

شاہ عالم بہت عرصہ تک اپنے پایۂ تخت سے غیر حاضر رہا۔ اُس کی غیر حاضری میں نجیب الدولہ (نواب سہارنپور) نے دہلی اور اُس کے ملحقات کا نہایت عمدگی اور خوبی سے انتظام کیا۔ اُس کی وفات پر اُس کا بیٹا ضابطہ خان اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن دسمبر ۱۷۷۲ء میں جب شاہ عالم دہلی واپس آیا تو اُس نے

Marfat.com

قلمدانِ وزارت نجف خاں نامی ایک ایرانی امیر کو تفویض کر دیا۔ نجف خاں نے شاہ عالم کے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت کی تھیں اور اُس کے دُکھ درد میں برابر شریک رہا تھا۔ ضابطہ خاں نے شاہ عالم کے اس رویہ کو اپنی اہانت تصور کیا اور کھلی بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ نجف خاں سے شمرو کے حالات چھپے نہ تھے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اُس کی فوج نے کیسے کیسے معرکے سر کئے ہیں۔ لہذا اُس نے فوراً شمرو کو طلب کر کے ضابطہ خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

شمرو نے پہنچتے ہی غوث گڈھ کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسمیں شک نہیں کہ ضابطہ خاں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن شمرو کی فوج کے سامنے اُس کی ایک پیش نہ گئی۔ چند ہمراہیوں کو لے کر وہ اودھ کی طرف فرار ہو گیا۔ اُس کے متعلقین نیز اُس کا خزانہ شمرو کے ہاتھ آئے۔ اس کامیابی سے نجف خاں کی باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے شاہ عالم کو مشورہ دیا کہ شمرو کی فوج کو باقاعدہ ملازم رکھ لیا جائے۔ شاہ عالم نے اس تجویز کو منظور کیا، اور چھ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر فوجی مصارف کیلئے شمرو کو عطا فرمائی۔ شمرو نے سردھنہ[1] کو اپنا صدر مقام قرار دیا جو اُس کی جاگیر کے عین وسط میں واقع تھا۔ یہ جاگیر ۱۷۷۳ء میں عطا ہوئی تھی۔ جاگیر کا عرض گنگا سے جمنا تک اور طول مظفر نگر سے نواح علیگڈھ تک تھا۔

ڈیڑھ دو برس کے بعد نجف خاں کو خیال ہوا کہ شمرو کی فوج کی مدد سے اُن صوبوں کو دوبارہ کیوں نہ حاصل کیا جائے جو ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ سب سے پہلے شمرو کو راجہ بھرت پور کے مقابلہ پر جانا پڑا جس کا وہ مدتوں ملازم رہ چکا تھا۔ سخت اور خونریز جنگ کے بعد راجہ بھرت پور کو اطاعت قبول کرنا پڑی۔ یہ لڑائی ۱۷۷۵ء میں بسانہ میں ہوئی تھی، جو دہلی کے جنوب میں ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

اس کے بعد نجف خاں نے آگرہ کو مرہٹوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کیلئے شمرو کو دوسری بار آگرہ کا سول و ملٹری گورنر مقرر کیا۔ وہ اپنے فرائض کو نہایت عمدگی سے انجام دے رہا تھا کہ ۴ مئی ۱۷۷۸ء کو اُس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

بیگم شمرو ہر اہم کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھی، اور ہر سفر اور مہم میں اُس کے ساتھ رہتی تھی لہذا شمرو کی وفات کے بعد اُس کی فوج کے یورپین افسروں اور دیسی سپاہیوں نے شاہ عالم سے درخواست کی کہ شمرو کی بیوہ کو فوج کا سردار تسلیم کیا جائے۔ چونکہ شاہ عالم کو ذاتی طور پر بیگم شمرو کی خداداد ذہانت و قابلیت کا علم تھا، اس درخواست کو منظور فرما کر فرمان جاری کر دیا، اور وہ بدستور سردھنہ کی جاگیر پر قابض رہی۔ بیگم شمرو کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، لیکن پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا جس کا نام ظفر یاب خاں تھا

---

[1] ضلع میرٹھ میں سردھنہ ایک مشہور تحصیل ہے۔ جو میرٹھ چھاؤنی سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

Marfat.com

شمرو کی پہلی بیوی بھی مسلمان تھی، جو بعد کو مرضِ دیوانگی میں مبتلا ہو گئی اور زندگی بھر اسی حالت میں رہی اور ۱۸۳۶ء میں بمقام سردھنہ اُس نے انتقال کیا۔ شمرو کی وفات کے وقت ظفریاب خاں نابالغ تھا۔ اسلئے بیگم شمرو جاگیر کی وارث ہوئی۔

شمرو کی وفات کے تین برس بعد بیگم شمرو نے آگرہ میں ۷ مئی ۱۷۸۱ء کو مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ اور اُس کا نام جوآنا رکھا گیا۔ اسی موقع پر ظفریاب خاں بھی والٹر بیلتھزر رینہارڈ کے نام سے مسیحی گلہ میں شریک کیا گیا۔

۱۷۸۷ء کے موسم برشگال کے خاتمہ پر ضابطہ خاں کے بیٹے غلام قادر نے سر اُٹھایا، اور بڑھتے بڑھتے دہلی تک آن پہنچا۔ اُسکی خواہش تھی کہ اپنے باپ کی کھوئی ہوئی عزت اپنے زور بازو سے دوبارہ حاصل کرے، جب وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا تو علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اُس زمانہ میں سیندھیا حقیقی معنوں میں دہلی پر قابض تھا۔ غلام قادر مرہٹوں کی مورچہ بندی توڑ کر قلعہ پر قابض ہو گیا۔ اور شاہ عالم کو قید کر لیا۔ بیگم شمرو اُس وقت پانی پت میں سکھوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اُس نے شاہ عالم کی اس دُرگت کی کیفیت سُنی تو فوراً دہلی پہنچی، اور قلعہ کے لاہوری دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دئے۔ غلام قادر نے اُس کو سلطنت مغلیہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنے کی ترغیب دی، لیکن بیگم شمرو نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ قلعہ کے سامنے اپنی توپیں جما دیں اور غلام قادر کی گولہ باری کا جواب دینے لگی، غلام قادر سمجھ گیا۔ کہ بیگم شمرو سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، اُس کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ اس طرح بیگم شمرو کی بروقت امداد سے شاہ عالم کی جان بچی۔ شہنشاہ نے اُس کی ان جانفروشانہ خدمات کے صلہ میں اُس کو "زیب النساء" کا لقب عطا کیا۔

۱۷۸۸ء میں نجف قلی خان نے سر اُٹھایا کیونکہ اُسکی جاگیر کا کچھ حصہ ضبط کر لیا گیا تھا۔ اُس کی سرکوبی کو شاہ عالم بہ نفس نفیس گوکل گڑھ متصل ریواڑی گیا۔ بیگم شمرو بھی مع فوج ساتھ تھی۔ جو تین پلٹن اور ایک توپ خانہ پر مشتمل تھی۔ ۵ اپریل کو علی الصبح نجف قلی خاں کی سپاہ نے شاہی کیمپ پر زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ یہ حملہ اچانک ہوا تھا، شاہی کیمپ میں کھلبلی پڑ گئی۔ اندیشہ تھا کہ شاہ عالم کہیں مع خاندان قتل یا قید نہ ہو جائے۔ بیگم شمرو نے یہ کیفیت دیکھی تو سب سے پہلے شاہی خیموں کی طرف بڑھی، اور بادشاہ اور اُس کے متعلقین کو بحفاظت اپنے کیمپ میں پہنچایا۔ اس دوران میں اُس کی فوج نے جارج ٹامس کی زیر کمان آگے بڑھکر ایسا شدید حملہ کیا کہ نجف قلی خاں کی سپاہ کے چھکے چھوٹ گئے۔ اسی اثنا میں شاہی فوج بھی آ گئی، اور دونوں نے ملکر باغی فوج کو پسپا کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ہر شخص

Marfat.com

نے وہیں سے اعتراف کیا کہ اگر بیگم شمرو اس درجہ ہوشمندی اور بہادری سے کام نہ لیتی تو شاہ عالم کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ شاہی دربار منعقد ہوا اور شاہ عالم نے بیگم شمرو کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کر کے اُس کو خلعت فاخرہ سے ممتاز کیا اور پرگنہ بادشہ پور جو دہلی کے جنوب میں جمنا کے کنارے واقع ہے بطور انعام مرحمت فرمایا۔ اس موقع پر بیگم شمرو نے نجف قلی خاں کی سفارش کی جو منظور ہوئی۔ اُس کی خطائیں معاف کر دی گئیں اور اُس کو ازسرنو مقربانِ شاہی میں شامل کر لیا گیا۔

بیگم شمرو بہت جاہ و جلال اور رعب وداب کی مستقل مزاج اور بہادر عورت تھی۔ ۱۷۹۰ء کا ذکر ہے کہ بیگم شمرو امیر الامراء کی افواج کے ساتھ متھرا میں مقیم تھی۔ ایک دن اُسکو خبر ملی کہ اُسکی دُو لونڈیوں نے اُس کے آگرہ والے خس پوش مکانات میں آگ لگا دی ہے۔ بیگم کی تمام قیمتی اشیاء' اُس کے خاص افسروں کی بیویاں، بیوائیں اور بچے بھی انھیں مکانات میں تھے۔ بہت سی جانیں آگ کی نذر ہو گئی اور اگر جلد سے جلد آگ فرو نہ کر دی جاتی تو بہت سی جانیں بھی آگ کی نذر ہو جاتیں۔

دونوں لونڈیاں آگرہ سے گرفتار ہو کر بیگم شمرو کے روبرو متھرا کے شاہی کیمپ میں لائی گئیں۔ بیگم شمرو نے معاملہ کی تحقیقات اپنے یوروپین اور مسیحی افسروں کے سپرد کی۔ لونڈیوں پر جرم ثابت ہوا۔ بیگم شمرو نے حکم دیا کہ دونوں کے کوڑے لگائے جائیں اور بعد ازاں دونوں کو زندہ دفن کر دیا جائے۔ بیگم شمرو کا یہ فعل بظاہر بڑا ظالمانہ معلوم ہوتا ہے لیکن لونڈیوں کے جرم کے مقابلہ اُن کی سزا کو زیادہ سنگین اور ظالمانہ نہیں کہا جا سکتا۔

اپریل ۱۷۹۱ء میں انوپ شہر کے کمان افسر کرنل اسٹوارٹ کو ایک سکھ سردار بھنگا سنگھ نے قید کر لیا۔ میجر پامر نے بیگم شمرو کو اس معاملہ کی اطلاع دیکر امداد چاہی۔ بیگم شمرو نے پندرہ ہزار زرِ فدیہ دیکر ۲۴ اکتوبر ۱۷۹۱ء کو کرنل اسٹوارٹ کو رہا کرا دیا۔ سکھوں نے کرنل اسٹوارٹ کو دہلی بھیجدیا۔ بیگم شمرو اپنے چار انگریز افسروں اور ایک دستہ فوج کو لے کر دس میل تک پیشوائی کو گئی اور کرنل اسٹوارٹ کو اپنے ساتھ لے آئی۔ گورنر جنرل نے بیگم شمرو کے اس ہمدردانہ رویہ کی اپنی کونسل میں بڑی داد دی اور اُس پندرہ ہزار کی رقم کی واپسی کے علاوہ ایک مناسب تحفہ بھی اُس کو پیش کیا۔

۱۷۹۲ء سے بیگم شمرو کی زندگی کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ۱۷۷۸ء میں جب بہادر شمرو نے انتقال کیا تو اُس کے ماتحتوں نے بیگم شمرو کو کامل طور پر اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اس جماعت میں کچھ سرکش اور مفسد لوگ بھی تھے۔ باہمی رنجش، حسد، رقابت وغیرہ کے کریہہ جذبات نے اُنکی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے۔ آئے دن ایک نہ ایک نیا قضیہ پیدا ہوتا تھا۔ بیگم شمرو ان گتھیوں کو

Marfat.com

سلجھانے کی لاکھ کوشش کرتی مگر حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ بالآخر بیگم شمرو کو مشورہ دیا گیا کہ اگر وہ دوسری شادی کرلے گی تو اپنے جدید شوہر کی مدد سے ان مشکلات پر غالب آسکیگی۔ اس وقت اس کی عمر کم وبیش بیتالیس برس کی تھی۔

جارج طامس کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس نے ۱۷۸۷ء میں بیگم شمرو کی ملازمت اختیار کی، ہر موقع پر اس نے اپنی ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھائے تھے، اور بیگم شمرو کے مشیروں پر بھی اس کا خاصا اثر تھا اس نے بیگم شمرو سے شادی کرنے کی خواہش کی۔ لیکن بیگم شمرو اپنے ایک فرانسیسی افسر لے ویشو کی طرف مائل تھی۔ لے ویشو عالی خاندان ہونیکے علاوہ تعلیم یافتہ اور نیک اطوار شخص تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں افسروں میں نوک جھوک ہونے لگی، اور اسی طرح فوج میں بھی دو گروہ ہوگئے، مجبوراً جارج طامس اپنی خدمات سے مستعفی ہوکر دہلی چلا گیا۔ ۱۷۹۳ء میں بیگم شمرو نے لی ویشو سے شادی کرلی، جو نامبارک ثابت ہوئی کیونکہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں نے اس شادی کو اپنے مرحوم سردار کی ذلت واہانت تصور کیا انھیں اندیشہ لاحق ہوگیا کہ وہ جاگیر جو اُن کے گذارے کیلئے عطا ہوئی تھی، اب ایک اجنبی کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ لی ویشو بلا کا ضدی اور متکبر تھا۔ اور اُس کی انھیں عادتوں کی وجہ سے دیگر فوجی افسر اُس سے کبیدہ تھے۔ رفتہ رفتہ تمام فوج باغی ہوگئی۔ بیگم شمرو اور اُس کے شوہر کے لئے یہ صورتِ حالات ناقابل برداشت تھی۔ بیگم نے سوچا کہ ریاست کو مندرجہ ذیل شرائط پر سیندھیا کے سپرد کردیا جائے تو بہتر ہوگا:-

۱- بیگم شمرو کو ذاتی سامان وجائداد لے جانے کی اجازت دی جائے۔

۲- جاگیر کی آمدنی بدستور افواجِ سردھنہ کے مصارف کی کفیل ہوگی۔

۳- ظفریاب خاں کو دو ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ تاحیات دیا جائے گا۔

ادھر لی ویشو نے سرجان شور گورنر جنرل سے درخواست کی کہ اُس کو چندر نگر پہنچا دیا جائے۔ لیکن اِس سے قبل کہ کوئی تصفیہ ہوتا یا کم از کم جواب ہی موصول ہوتا۔ سپاہیوں کو اس خط وکتابت اور اُسکے اغراض کا علم ہوگیا۔ اب کیا تھا، فوج کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔ جارج طامس کا یار غار لیگوئس باغیوں کا سرغنہ بن گیا۔ فوج نے شمرو کے فرزند ظفریاب خاں کو دہلی سے طلب کیا۔ لی ویشو کو فوج کی اس کاروائی کا علم ہوا تو وہ اور بیگم راتوں رات نکل بھاگے۔ لیکن سردھنہ سے تین ہی میل پہنچے تھے۔ کہ فوجی دستہ نے جالیا۔ بیگم شمرو ایک پالکی میں سوار تھی اور لی ویشو گھوڑے پر۔ فوجی دستہ نے الگ الگ دونوں کو اپنے نرغہ میں لے لیا، جس کے باعث دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ ایک طرف بندوق چلی اور چند نفوس زخمی بھی ہوگئے۔ بیگم شمرو نے بندوق کی آواز سنی تو معاً خیال ہوا کہ اُس کے شوہر کو

Marfat.com

تو باغیوں نے قتل کر دیا، اور اب اُن کے ہاتھوں اُس کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ بیگم نے اپنے سینے میں خنجر بھونک لیا۔ بیگم شمرو کے ہمراہ متعدد ماما ئیں تھیں۔ اُنھوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ایک دم چیخنے چلانے لگیں۔ لی وئیشو کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ اُس نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ بیگم نے اپنے تئیں قتل کر ڈالا۔ دوسری بار اُس نے پھر وہی سوال کیا اور وہی جواب پایا۔ ایک خادمہ نے پالکی کا پردہ اٹھا کر بیگم شمرو کی نقاب دکھائی جو خون میں تر تھی۔ یہ دیکھتے ہی لی وئیشو نے اپنی جیب سے پستول نکال اور اُس کی نال اپنے منھ میں دے کر لبلبی دبا دی۔ اُس کا دماغ پاش پاش ہو گیا۔

بیگم شمرو نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے سینے میں خنجر مارا تھا۔ لیکن ہاتھ کچھ اوچھا پڑا تھا، اور اب اُس میں اتنی سکت نہ تھی کہ دوسرا وار کر کے اپنا کام تمام کرتی۔ فوجی دستہ نے پہلے تو لی وئیشو کی لاش کی ہر طرح ذلت و توہین کی۔ بعد ازاں بیگم شمرو کو ساتھ لے کر سردھنہ کا رُخ کیا۔ سردھنہ پہنچکر بیگم کو ایک توپ سے باندھ دیا گیا۔ کئی روز وہ اسی حالت میں رہی۔ آخر کار سیلبور نامی ایک فوجی افسر کی سفارش پر اُس کو توپ کے نیچے سے نکالکر نظر بند کر دیا گیا۔

اِس دوران میں شمرو کا بیٹا ظفریاب خان جس کو شاہ عالم نے نواب مظفر الدولہ کا خطاب دیا تھا۔ دہلی سے آگیا اور سردھنہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ اکتوبر ۱۷۹۵ء کے واقعات ہیں۔

خوش قسمتی سے بیگم شمرو کو دو ایک ایسے ہمدرد مل گئے جن کے ذریعہ سے اُس نے سیندھیا کو، دہلی کے مرہٹہ گورنر کو، اور جارج طامس کو اپنے حالات سے آگاہ کر کے امداد کی درخواست کی، جارج طامس کو اُس نے بڑے خلوص سے تحریر کیا کہ مجھے اِس مصیبت سے بچاؤ، ورنہ میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ اگرچہ یہ آگ ایک حد تک جارج طامس ہی کی لگائی ہوئی تھی، تاہم بیگم شمرو کی بے بسی و بیکسی نے اُس کے رحم و ہمدردی کے جذبات کو اُبھارا، اور وہ گورنر دہلی کے زیر ہدایت اپنے بہادر ساتھیوں کو ساتھ لے کر فوراً سردھنہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف باغی سپاہ کو ظفریاب خاں کی طرف سے مایوسی ہوئی۔ وہ بڑی کمزور طبیعت کا انسان نکلا۔ فہم و ادراک سے کام نہ لے سکتا تھا۔ سیلبور اور دیگر فوجی افسر جنھوں نے بغاوت میں کسی قسم کا حصّہ نہ لیا تھا اپنے ساتھیوں کو سمجھا بجھا کر صحیح راستہ پر لے آئے۔ اِسی اثناء میں خبر پہنچی کہ جارج طامس کھاتولی تک آپہنچا ہے۔ اِس خبر کے مشہور ہوتے ہی فوج کا بیشتر حصہ بیگم شمرو کی حمایت پر کمر بستہ ہو گیا۔ جارج طامس نے آتے ہی اپنی اولوالعزمانہ کارروائیوں سے باغی سپاہ کو ہموار کر لیا اور ظفریاب خاں کو گرفتار کر کے دہلی روانہ کر دیا جہاں بیگم شمرو کے ایک مکان میں اُسے نظر بند کر دیا گیا۔

Marfat.com

بیگم شمرو کو از سرِ نو مسند نشین کیا گیا۔ باغی سپاہ جو قبل ازیں بیگم شمرو کے خون کی پیاسی تھی اب اطاعت و وفاداری کا حلف اٹھا رہی تھی اور اپنے کئے پر پشیمان و سرنگوں بیگم کے سامنے کھڑی تھی اُن نیش[1] یورپین افسروں سے جنکی ریشہ دوانیوں سے یہ خرابیاں پیدا ہوئی تھیں ایک حلف اطاعت بھی تحریر کرایا گیا۔ اِس موقع پر سیندھیا کی طرف سے بھی ایک افسر موجود تھا۔ جس کو بیگم شمرو نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ بطور جرمانہ ادا کیا۔ بالآخر بیگم شمرو نے نہایت قوت و اقتدار سے حکومت کا دور شروع کر دیا، اور پھر فوج سے اُس کو کسی قسم کی مشکلات پیش نہ آئیں۔ سیلیور کو اُس نے اپنی فوج کا کمان افسر مقرر کیا۔ اور جارج طامس[1] کی ایک فرانسیسی نژاد خاتون سے جو اُس کے دربار میں ایک معزز خدمت پر مامور تھی، شادی کر دی اور اپنی جانب سے کافی جہیز دیا۔

بیگم شمرو اپنی دوبارہ مسند نشینی کے وقت سے موت تک پھر کسی نسوانی کمزوری کا شکار نہیں ہوئی۔ نہ اُس کے اقتدار کو کسی قسم کا ضعف پہنچ سکا۔ اُس نے اپنی تمام تر توجہ مُلکی و خانگی انتظامات پر مرکوز رکھی۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں بیگم شمرو آگرہ گئی تاکہ سیندھیا کی توجہ و نوازش کا زبانی شکریہ ادا کرے۔ اُس زمانہ میں سیندھیا کا ستارہ اوج پر تھا۔ وہ گویا تمام ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ سیندھیا نے بیگم شمرو کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور اُس کی خداداد قابلیتوں کا اعتراف کر کے اُسے مغربی سرحد کے تحفظ کی خدمت تفویض کی۔ مغربی سرحد پر سکھوں کی جانب سے آئے دن یورش ہوا کرتی تھی۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے مرہٹوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اِس موقع پر بیگم شمرو نے

---

[1] اِس زمانہ میں جارج طامس گورنر دہلی کا ملازم تھا۔ وہ بڑا جری اور بہادر شخص تھا۔ ہندوستان میں ابتداً کئی سال تک اُس نے پرتگیزوں کی ملازمت کی، بعد ازاں دہلی آکر بیگم شمرو کی فوج میں ملازم ہو گیا۔ سردہنہ سے مستعفی ہو کر پھر دہلی گیا، اور گورنر دہلی نے اُسے ملازم رکھ لیا۔ جب گورنر دہلی سے بگاڑ ہو گیا تو اُس نے بھی شمرو کے طریق کار سے کام لینا چاہا۔ اُس نے تہیہ کر لیا کہ اپنی تلوار کے زور سے اپنے لئے جگہ بنائیگا چنانچہ ۱۷۹۸ء میں اُس نے پہلے تو قصبہ ہانسی پر قبضہ کیا، بعد ازاں رفتہ رفتہ علاقہ ہریانہ اور چند دیگر اضلاع کا مالک ہو گیا۔ ہانسی میں اُس نے اپنی ٹکسال بنائی اور اپنے علاقہ میں اپنا سکہ جاری کیا۔ اسلحہ سازی کا کارخانہ قائم کیا اور اسی قسم کے دیگر کام جاری کئے۔ اُسکی فوجی جمعیت چھ ہزار پیادہ، دو ہزار گھوڑ سوار اور پچاس توپوں پر مشتمل تھی۔ سکھوں میں پٹیالہ اور جیند اور راجپوتوں میں جے پور، جودھپور اور بیکانیر نیز مرہٹوں سے اُس کا ہمیشہ مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر کار مرہٹوں نے اُسے پست کر دیا۔ ادھر ہمراہیوں نے بھی اُسکا ساتھ چھوڑ دیا۔ بادل ہو کر وطن (آئرلینڈ) کی واپسی کا ارادہ کیا۔ اپنے بیوی بچوں کو بیگم شمرو کی حفاظت و سرپرستی میں چھوڑ کر یورپ کیلئے روانہ ہوا تھا کہ راستہ میں اُسے موت نے آدبایا۔ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۰۲ء کو بعمر ۴۶ سال بہرام پور میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

سینڈھیا کی بڑی مدد کی۔ اُس نے اپنی فوج میں سے پانچ پلٹنیں اور پندرہ توپیں سیلیور کے زیر کمان دکن روانہ کیں۔ ۲۳ ستمبر ۱۸۰۳ء کی لڑائی میں اُسکی فوج نے نمایاں حصّہ لیا۔ سینڈھیا کی فوج میں صرف بیگم سمرو کی سپاہ صحیح سلامت واپس آئی حالانکہ ایک سے زیادہ بار انگریزی توپخانہ نے اُس پر گولہ باری کی تھی۔

۱۸۰۴ء میں جب اُس کی سپاہ دکن کی مہم سے واپس آئی تو بیگم سمرو نے دیکھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی تمام ہندوستان کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتی ہے لہٰذا اُس نے انگریزوں سے معاہدہ کیا۔ شرائط معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ بیگم سمرو کی زندگی میں اُس کی جاگیر کا انگریزی علاقہ سے الحاق نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بدستور اُس پر قابض رہیگی۔ بیگم سمرو نے اِسی کو غنیمت سمجھا اور انگریزوں کی رفاقت کا دم بھرنے لگی۔

لیکن ایک بار لارڈ ویلزلی نے بیگم سمرو پر ناجائز دباؤ ڈالا اور اُس کو مجبور کیا کہ اپنی جاگیر انگریزوں کے حوالے کردے۔ اسی دوران میں لارڈ کارنوالس بحیثیت گورنر جنرل دوبارہ ہندوستان آیا۔ اُس نے آتے ہی لارڈ ویلزلی کی کاروائیوں کو منسوخ کردیا، اور بیگم سمرو کا اقتدار بدستور قائم و برقرار رہا۔ لارڈ کارنوالس نے بیگم سمرو کے نام ۱۶ اگست ۱۸۰۵ء کو ایک خط بھی تحریر کیا تھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"...... یہ معلوم کرکے مجھے مسرت ہوئی کہ جب سے آپ نے انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کا حلف اُٹھایا ہے۔ آپ نے نہایت خوبی سے اپنے فرائض انجام دئے ہیں۔ جس کامیابی کے ساتھ آپ نے مسٹر گتری[1] کلکٹر سہارنپور کو سکھوں کی قید سے چھڑایا اور پھر سردھنہ میں اُس کے ساتھ بہترین سلوک کیا، اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کے اِس رویہ سے بہت متاثر ہوا ہوں حتی الامکان میں آپ کے آرام و اطمینان کا خیال رکھونگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سابق گورنر جنرل نے آپ کی جاگیر کے الحاق کے احکام صادر کئے تھے لیکن چونکہ مجھے وفاداری پر کامل اعتماد ہے اِس لئے میں آپ کا قبضہ بحال رکھتا ہوں۔ جو مراعات و حقوق آپ کو حاصل تھے وہ بدستور قائم رہیں گے ......"

یہ خط مسٹر گتری نے کرایا تھا۔ اُس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خدمت پر مامور کیا تھا کہ سردھنہ جاکر بیگم سمرو سے تجدید معاہدہ کرے۔ بدیں خیال کہ بیگم سمرو کی وفات کے بعد اُس کے ورثا کہیں جاگیر کے

[1] اکتوبر ۱۸۰۴ء میں جب سکھوں نے سہارنپور پر قبضہ کرلیا تو وہاں کے کلکٹر مسٹر جی، ڈی گتری کو شیر سنگھ نے قید کرلیا تھا۔

Marfat.com

دعویدار نہ بن بیٹھیں، معاہدہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ:۔

"دوآبہ کے وہ مقامات جن پر زیب النساء کی جائداد مشتمل ہے، جب تک وہ زندہ رہے وہی اُن پر قابض رہے گی"۔

دوآبہ میں اُس کی جاگیر مظفر نگر سے علیگڑھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ کرنال، بوڑھانہ، برناوہ، بڑوت، کوتانہ، ٹپل اور جیور کے پرگنے اس رقبہ میں شامل تھے۔ اِن کے علاوہ سردھنہ خاص پرگنہ تھا جو بیگم شمرو کا صدر مقام تھا۔ تجدید معاہدہ کے بعد بیگم شمرو کی سپاہ کا صرف یہی کام رہ گیا۔ کہ اپنے علاقہ میں امن قائم رکھے۔ صرف ایک مرتبہ ۱۸۲۶ء میں اُسے اپنے علاقہ سے باہر جانا پڑا۔ جب لارڈ کمبر میئر نے بھرت پور پر چڑھائی کی تھی۔ اِس محاصرہ کی نسبت میجر آرچر نے جو لارڈ کمبر میئر کا اے، ڈی، سی تھا' اپنی کتاب میں لکھا ہے:۔

۱۸۲۶ء میں جب فوج بھرت پور کے سامنے پہنچی تو کمانڈر انچیف نے حکم دیا کہ چونکہ دیسی ریاستیں ہماری مطیع ہیں اس لئے اُن کے حکمرانوں یا ان کی افواج کو اس محاصرہ میں شریک نہ کیا جائے۔ اِس حکم کو بیگم شمرو نے اپنی تذلیل تصور کر کے اُس پر اعتراض کیا۔ اُس سے کہا گیا کہ متھرا ایسا نامی اور متبرک شہر تمہارے لئے چھوڑ دیا جائیگا، مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہی وہ سب فضول ہے" اُس نے کہا۔ اگر میں بھرت پور نہ جاؤنگی تو سارا ہندوستان یہی کہیگا کہ بڑھاپے نے مجھے ڈرپوک اور بزدل بنا دیا ہے"۔

بالآخر بیگم شمرو بھی اپنی فوج کے ساتھ محاصرہ میں شریک ہوئی، اور برطانی حکومت نے اُسکی فوری امداد اور بہترین خدمات کا شکریہ ادا' اور فوجی کیمپ میں اُس کے طویل قیام کو سراہا۔

شمرو کا بیٹا ظفر یاب خاں (نواب مظفر الدولہ) جو ۱۷۹۵ء میں گرفتار کر کے دہلی بھیجدیا گیا تھا ۱۸۰۲ء کے شروع میں بعارضہ ہیضہ انتقال کر گیا۔ اُس کی لاش آگرہ پہنچا کر اُس کے باپ کے پہلو میں دفن کی گئی۔ ظفر یاب خاں کی شادی کپتان لے فیورے کی بیٹی جولیانہ اپنی سے ہوئی تھی، جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکا تو اپنے باپ کی زندگی ہی میں (۳۰ اکتوبر ۱۸۰۲ء) اس دُنیا سے سدھار گیا۔ لڑکی جو اپنی والدہ کی ہمنام تھی، ۱۹ نومبر ۱۷۸۹ء کو پیدا ہوئی اور ۸ اکتوبر ۱۸۰۶ء کو کرنل ڈائس کو بیاہی گئی۔ کرنل ڈائس بیگم شمرو کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا۔ اِن کے ہاں کئی اولادیں ہوئیں لیکن بچپن ہی ہی میں مر گئیں۔ ۱۳ جون ۱۸۲۰ء کو جب کرنل ڈائس کی اہلیہ نے انتقال کیا تو ایک بیٹا اور دو بیٹیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔ بیگم شمرو نے اُنھیں اپنی اولاد کی طرح پال پوس کر بڑا کیا۔ لڑکیاں جوان ہو گئیں تو ۱۸۳۱ء میں اُن کی شادی کر دی گئی۔ کرنل ڈائس کے بیٹے کا نام ڈیوڈ آکٹرلونی ڈائس تھا۔

Marfat.com

وہ ۱۸ دسمبر ۱۸۰۸ء کو پیدا ہوا تھا۔ یہ لڑکا والٹر رینہارڈ سومبر کا پڑپوتا تھا۔ اسی کو بیگم شمرو نے اپنا متبنیٰ کرکے اپنا وارث قرار دیا۔

جب بیگم شمرو نے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تو مذہبی کاموں میں بھی اُس کو دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اُس کی نیک طبعی اور ہمدردی آمیز برتاؤ کی وجہ سے بہت سے ہندوستانی مسیحی سردھنہ اور اُس کے قرب وجوار میں آباد ہوگئے۔ رفتہ رفتہ اُن کی تعداد ڈھ ہزار تک پہنچ گئی۔ مگر عبادت کیلئے کوئی مخصوص جگہ نہ تھی بیگم شمرو کے محل ہی کے ایک کمرہ میں دُعا بندگی ہوتی تھی۔ بیگم شمرو کو چونکہ اپنی فوجی مصروفیات کیوجہ سے کبھی کبھی مہینوں سردھنہ سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ اِس لئے اُسے موقع نہ مل سکا کہ وہ گرجہ کی طرف متوجہ ہوتی بالآخر اُس نے گرجہ کی تعمیر کا تہیہ کیا۔ اُس کے ملازمین میں میجر ریگھیلنی نامی ایک اطالوی افسر بھی تھا۔ یہ خدمت بیگم شمرو نے اسی کو تفویض کی۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں گرجہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور سنہ ۱۸۲۲ء میں بن کر تیار ہوا۔[۱] اُس زمانہ میں سردھنہ کے گرجہ سے زیادہ خوبصورت اور شاندار کوئی اور گرجہ ہندوستان میں نہ تھا۔ اُس کی تیاری پر چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اُس زمانہ کے لحاظ سے جبکہ مزدوری بھی سستی تھی اور سامان بھی، چار لاکھ روپیہ بہت ہوتا ہے۔ پھر اس عالیشان گرجہ کے شایانِ شان اُس کو آراستہ کیا۔

گرجہ کی تعمیر کے بعد بیگم شمرو نے اپنے لئے ایک عالیشان محل سردھنہ میں تعمیر کرایا اور ایک دہلی میں، دہلی کا محل اُتنا وسیع اور شاندار تو نہ تھا، لیکن تھا خوشنما۔ ان کے علاوہ میرٹھ میں بھی ایک بہت وسیع مکان تعمیر کرایا۔ میرٹھ میں برطانی سپاہ کیلئے ایک چھوٹا سا گرجہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ بیگم شمرو نے متعدد پُل بھی تعمیر کرائے اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں بھی کافی حصہ لیا۔

بیگم شمرو کو اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اپنی فوج کے ساتھ اِدھر اُدھر بہت جانا پڑا، لیکن اُس نے ہندوستانی معاشرت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ نہ اُس نے اپنا لباس تبدیل کیا نہ کھانا۔ وہ کسی کے سامنے نہیں ہوتی تھی۔ جب کسی سے مُلاقات کرتی یا اپنی جاگیر کے متعلق رپورٹیں سُنتی یا احکام صادر کرتی تو ہمیشہ پسِ پردہ بیٹھتی تھی۔ تاہم اُس نے اپنے مرحوم شوہر کے اصول کو قائم رکھا۔ وہ اپنے اعلیٰ درجہ کے یورپین فوجی افسروں کو بدستور اپنے دسترخوان پر مدعو کرتی رہی۔ جب اُسکی عمر زیادہ ہوگئی تو اُس نے انگریز افسروں سے بھی میل جول

---

[۱] گرجہ کے صدر دروازے کے اوپر ایک پتھر پر لاطینی عبارت کے علاوہ یہ فارسی قطعہ کندہ ہے:۔

بامدادِ خدا بفضل مسیحا | بسالِ ہژدہ صد عشرین اثنا
بحل زیب النسا عمدہ اراکین | بنا فرمود عالیشان کلیسا

Marfat.com

بڑھالیا خاص خاص تقریبوں پر انھیں اپنے ہاں سردھنہ یا دہلی میں مدعو کرتی اور گورنر جنرل یا سپہ سالار ہند کی دعوت پر خود بھی اُن کے ہاں جاتی۔

بیگم شمرو یورپین خواتین پر بہت زیادہ مہربان تھی۔ جو یورپین خاتون اُس کی خدمت میں باریاب ہوتی تھی، اُس کو کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور دیتی تھی۔ کشمیر کے دوشالے، ریشم کے تھان اور جڑاؤ زیورات وغیرہ اُس کے پاس کافی تعداد میں موجود ہوتے تھے، اور انھیں میں سے کوئی نہ کوئی چیز وہ ہر یورپین خاتون کو دیتی تھی

لارڈ بنٹنگ گورنر جنرل ہند جب ہندوستان سے روانہ ہوا تو چلتے وقت بیگم شمرو کے نام ایک خط لکھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ بنٹنگ کس درجہ بیگم شمرو کی عزت و قابلیت کا معترف تھا:۔

بخدمت ہز ہائی نس بیگم شمرو

میری معزز مہربان!

میں ہندوستان سے عزت و اکرام کے اُن جذبات کے بغیر رخصت نہیں ہوسکتا۔ جو یور ہائینس کی خداداد قابلیت اور طرزِ عمل نے میرے دل پر نقش کردیئے ہیں۔ آپ کی نیک مزاجی اور غربا پروری کے بے نظیر صفات نے ہزاروں لوگوں کو آپ کا گرویدۂ احسان کرلیا ہے۔ مجھے خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ آپ سالہا سال تک یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کے لئے زندہ رہیں گی۔ میں کل صبح جہاز پر سوار ہو کر انگلستان روانہ ہوجاؤں گا۔ میں آپ کیلئے اور ہر اُس شخص کے لئے دُعا کرتا رہوں گا جو باشندگانِ ہند کی بہتری میں کوشاں ہے۔

کلکتہ — آپ کا دلی دوست

۱۷ مارچ ۱۸۳۵ء — ایم۔ ڈبلیو بنٹنگ

آخر کار بیگم شمرو کے سفرِ آخرت کا دن بھی آپہنچا۔ مختصر علالت کے بعد ۲۷ جنوری ۱۸۳۶ء بروز بدھ صبح کے ساڑھے چھ بجے یہ نامور خاتون نوّے سال کی عمر میں اس دُنیا سے رحلت کرگئی۔ آخیر وقت تک وہ اپنے ہوش و حواس میں تھی۔ حتیٰ کہ بعض مذہبی رسوم میں بھی اُس نے حصّہ لیا۔ بیگم شمرو کی وفات سے سردھنہ والوں کو جو صدمہ ہوا۔ اُس کی کیفیت اخبار "میرٹھ آبزرور" کے مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہوسکتی ہے:۔

..... محل کے باہر سڑکوں پر ایک بہت بڑی بھیڑ اکٹھا تھی۔ ہر طرف یاس و غم کے بادل چھائے تھے۔ ہر شخص غم سے نڈھال نظر آتا تھا۔ جہاں دو چار آدمی یکجا ہوتے وہیں اپنے اس بھاری نقصان کا تذکرہ کرتے۔ اُن کے بشرہ سے اُن کے غم کا اظہار ہورہا تھا۔ رات بھر یہی کیفیت رہی

Marfat.com

ملک کے عام دستور کے مطابق تمام متعلقین نے فاقہ کیا۔ کسی نے کھانا کھایا نہ آرام کیا۔ سب لوگ جاگتے رہے۔ ہر گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔

رات کے نو بجے سے دوسری صبح کے آٹھ بجے تک بیگم شمرو کی لاش اُس کے محل کے وسیع ہال میں رکھی گئی تاکہ لوگ آخری بار اُس کی صورت دیکھ سکیں، بعد ازاں سپردِ خاک کی گئی۔

تجہیز و تکفین کی رسوم ادا ہوتے ہی مسٹر آر۔ این ہملٹن، مجسٹریٹ میرٹھ نے بیگم شمرو کے ورثا و متعلقین کی موجودگی میں بیگم شمرو کی جاگیر کے الحاق کا اعلان کیا' اور تمام حاضرین کو جتا دیا کہ آیندہ یہاں بھی اُسی ضابطہ و قانون کا نفاذ ہوگا۔ جو علاقہ انگریزی میں رائج ہے۔ اعلان کے موقع پر میرٹھ ڈویژن کا کمشنر (جے آر ہچنسن) بھی موجود تھا۔

بیگم شمرو بڑی رحمدل، ہمدرد' اور نیک طبع تھی۔ وہ پستہ قامت تو تھی۔ لیکن ارادہ کی مضبوط اور طبیعت کی دلیر تھی۔ جس وقت وہ میدانِ کارزار میں ہوتی تھی تو بڑی پُرجوش اور جنگجو نظر آتی تھی۔ اُس کا حملہ دہشتناک ہوتا تھا۔ اُس کی قوتِ فیصلہ اتنی زبردست تھی۔ کہ ہر معاملہ کے نتائج و عواقب پر اُس کی نظر پہنچ جاتی تھی۔ اُس کے علاقہ میں ہر طرف امن و امان تھا۔ کوئی کسی پر جور و جبر نہ کر سکتا تھا۔ ہر طرف خوشحالی نظر آتی تھی۔ تجارت و زراعت میں نمایاں ترقی تھی۔ خشک سالی کے دنوں میں مزارعین کو وہ نقدی اور غلہ تقسیم کرتی تھی۔ تمام علاقہ زیرِ کاشت اور سر سبز تھا۔ اُس کی رعایا خوش اور مطمئن تھی۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے علاقہ کے ہر گوشے سے لوگ سردھنہ آئے اور آخری رسوم میں شریک ہوئے۔

میجر آرچر نے ۱۸۲۸ء میں سردھنہ کی سیر کی تھی۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"...... اُس کے علاقہ کے کھیت سر سبز اور لہلہاتے ہوئے نظر آئے؛ اور دیہات کی آبادی کمپنی کے علاقہ کے مقابلہ میں زیادہ خوشحال اور بشاش دکھائی دی۔ وہ ان کی حفاظت و دستگیری کا بہت خیال رکھتی ہے ......"

انگریزوں سے بیگم شمرو کا جو معاہدہ ہوا تھا۔ اُس کے رُو سے وہ ایک بڑی فوج[1] رکھنے پر مجبور تھی

---

[1] بیگم شمرو کی وفات کے وقت اُس کی فوج کا شمار حسبِ ذیل تھا۔

چھ پیادہ پلٹنیں (۲۹۰۴)، توپ خانہ (۱۰۰۷)، رسالہ (۲۴۵)، باڈی گارڈ (۲۶۶)۔ علاوہ ازیں ایک اسلحہ خانہ اور ایک توپیں ڈھالنے کا کارخانہ بھی تھا۔

Marfat.com

اُس کو اجازت نہ تھی کہ اپنے فوجی مصارف میں کسی قسم کی تخفیف کرتے۔ جاگیر سردھنہ نیز دیگر اراضیات جو مختلف مواقع پر اُس کو دی گئیں، اُن کی مجموعی آمدنی بہت کم "کافی سے زیادہ" ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے انتقال کے بعد جب اُس کی جاگیر کا علاقہ انگریزی سے الحاق ہوگیا تو جو زرِ نقد اُس نے چھوڑا یا وصیت کی وہ نصف کروڑ سے زیادہ نہ تھا۔

بیگم شمرو کے مال و دولت کا بیشتر حصہ اُس کے متبنیٰ اور وارث ڈیوڈ آکٹرلونی ڈائس سومبر کو ورثہ میں پہنچا۔ اپنی وفات سے قبل بیگم نے ہدایت کی تھی کہ ڈاکٹر طامس ڈریور کو جو اُس کا معالج تھا بیس ہزار روپیہ دیدیا جائے۔ نیز اپنی زندگی ہی میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ اُس نے پاپائے روم کو خیراتی کاموں کے لئے (جنوری ۱۸۳۴ء) میں بھیجا تھا۔ وصیت کے مطابق مندرجہ ذیل رقوم تقسیم کی گئیں:۔

(۱) کرنل کلیمنٹ براؤن	۷۰ ہزار روپیہ	(۷) میجر ریگھیلنی کے پانچ بچے	۲۵ ہزار روپیہ
(۲) جان طامس (فرزند جارج طامس)	۱۸ " "	(۸) ابوالحسن بیگ (ایک فوجی عہدیدار)	۲ " "
(۳) " کی بیوی	۷ " "	(۹) کلکتہ، بمبئی، مدراس کی کیتھلک مشن	ایک لاکھ "
(۴) " " والدہ	۷ " "	(۱۰) آگرہ کیتھلک مشن	۳۰ ہزار "
(۵) میجر ریگھیلنی	۹ " "	(۱۱) میرٹھ "	۱۲ " "
(۶) " کی بیوی	۱۱ " "	(۱۲) آرچ بشپ کنٹربری (خیراتی کاموں کیلئے)	۵۰ " "

(۱۳) بشپ کلکتہ (غریبوں کی امداد اور دیوانی کے قیدیوں کی رہائی کے لئے) ۵۰ ہزار روپیہ

اِن کے علاوہ بیگم شمرو نے سردھنہ کے مختلف اداروں[1] کے لئے بھی معقول رقمیں وصیت کیں، اور جاگیر و محلات کے تمام ملازمین کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ وصیت کی۔ ڈائس سومبر کی دو بہنوں کے لئے ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ کا ٹرسٹ مقرر کیا۔

بیگم شمرو کا محل اب سردھنہ مشن کے قبضہ میں ہے۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ محل مذکور مرحومہ نے سردھنہ مشن کو وصیت کیا تھا۔ امر واقع یہ ہے کہ ۱۸۹۳ء میں جب یہ محل نیلام ہوا تو آگرہ کے آرچ بشپ نے اِس کو ۲۵ ہزار روپیہ میں خرید لیا تھا۔ محل کے کمرۂ دربار کی دیواروں پر ۲۵ نہایت نفیس و نادر تصاویر (پینٹنگ) آویزاں تھیں، جن کو محل کے نیلام ہونے سے ایک سال قبل لیڈی فارسٹر (بیوہ ڈائس سومبر) کے ایجنٹ نے اُتار لیا تھا۔ تصاویر کا بیشتر حصہ مقامی حکومت نے خرید لیا تھا۔ جو اب الہ آباد کے گورنمنٹ ہاؤس کے ایک کمرہ کی زینت ہیں۔

[1] بیگم شمرو کی وفات کیوقت سردھنہ میں متعدد مذہبی ادارے تھے۔ مثلاً یتیم خانہ، کالج، مدرسہ الٰہیات وغیرہ۔

Marfat.com

بیگم شمرو کی وفات کے چند سال بعد ڈائس سومبر انگلستان چلا گیا۔ جانے سے قبل اُس نے اپنی دونوں بہنوں سے ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ میں سمجھوتہ کر لیا۔ انگلستان پہنچکر اُس نے ۲۶ ستمبر ۱۸۴۰ء کو آنریبل میری این جرمس کے ساتھ شادی کر لی۔ اُس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یکم جولائی ۱۸۵۱ء کو اُس نے لندن میں انتقال کیا، اور اگست ۱۸۶۷ء میں اُس کی لاش سردھنہ لائی گئی اور بیگم شمرو کے پہلو میں دفن ہوئی۔ ڈائس سومبر کے ساتھ شمرو کا رہا سہا نام بھی مٹ گیا۔

۱۸۳۹ء میں ڈائس سومبر روما میں تھا۔ وہاں اُس نے بیگم شمرو کی سہ سالہ برسی منائی۔ اِس تقریب کے لئے سین کارلو کا عظیم الشان گرجہ انتخاب کیا گیا تھا۔ اسی موقعہ پر اُس نے ایک اطالوی بُت تراش سے بیگم شمرو کا مجسمہ بھی بنوایا تھا جو گیارہ قدِ آدم مجسموں کا مجموعہ ہے۔ یعنی بیگم شمرو تو بالائی چبوترہ پر ایک کرسی پر متمکن ہے، اور زیرین چبوترے پر اس کے اِدھر اُدھر خاص لوگ کھڑے ہیں۔ مثلاً بیگم شمرو کے داہنے جانب ڈائس سومبر، اور بائیں جانب دیوان رائے سنگھ۔ پُشت کی جانب جولیس سیزر[1] اور عنایت اللہ داس کا اوّل لے۔ ڈی۔ سی) وغیرہ۔ یہ مجسمہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ ہے مختصر سرگذشت اُس بیگم شمرو کی جو کسی وقت غربت و فلاکت کا شکار تھی، اور جب خُدا نے اس کی بے بسی اور بیکسی پر رحم فرمایا تو ایک حکمران کی حیثیت سے دُنیا میں اپنا نام روشن کیا یہ دُرست ہے کہ اُس کی شوکت و عظمت اُسی کے ساتھ ختم ہو گئی، لیکن وہ اپنی کمائی سے رفاہ عام کے کاموں کو مدد دیکر تاریخ میں ہمیشہ کیلئے اپنا نام زندہ چھوڑ گئی۔ یہی وہ زندگی ہے جس کی شاعر نے تلقین کی ہے ؎

اِس طرح جی کہ بعد مرنے کے　　یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

---

[1] جولیس سیزر سردھنہ کا پہلا اور آخری بشپ تھا۔ بیگم شمرو نے بڑی کوشش سے سردھنہ کے گرجہ کو کیتھیڈرل کے درجہ پر پہنچایا اور بشپ کے تقرر کی پاپائے روم سے منظوری حاصل کی۔ بیگم شمرو کی وفات کے بعد سردھنہ پھر آگرہ کے بشپ کا ماتحت ہو گیا۔

Marfat.com

شیواجی

خاندانی اور ابتدائی حالات

روایت ہے کہ ایک مرتبہ کوئی قزاق سکندر اعظم کے روبرو لایا گیا اور سکندر نے اُس کے قتل کا حکم دیا۔ قزاق نے سکندر سے پوچھا کہ میرا کیا جرم ہے جس کی علت میں میرے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تو نے جو ملک اور رعایا کو لوٹا اور تباہ و برباد کیا ہے اُسی کی پاداش میں تجھکو یہ سزا دی جاتی ہے۔ قزاق بیباک تھا فوراً بول اُٹھا کہ جہاں پناہ میرا قصور اتنا نہیں ہے جتنا کہ حضور کا میں نے تو صرف چند گاؤں یا قریون ہی میں لوٹ مار کی ہے مگر حضور نے تمام دنیا کو لوٹ کر برباد کر دیا ہے۔ دوسرے بادشاہوں کے ساتھ لڑائیاں کیں اور ملک کو تاخت و تاراج کیا اس میں جس قدر ملک تباہ اور مخلوق ضائع ہوئی میری قزاقی سے تو اسکا عشر عشیر بھی نقصان نہیں پہنچا۔

اس گفتگو سے اس قزاق کی یہ مراد تھی کہ ایک قزاق اور سکندر اعظم میں صرف اس قدر فرق ہے کہ سکندر اعظم ایک اعلیٰ درجہ کا قزاق ہے۔ اگر دنیا کی تاریخ کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو آخر میں روئے زمین کے بادشاہ ہوئے ہیں یا جن کی مُلک گیری کا ڈنکہ سارے جہان میں بجا ہے اُن میں سے اکثر تو ابتدا میں قزاق ہی تھے اور قزاقی ہی سے اُن کی زندگی کا آغاز ہُوا تھا چنانچہ خود تیمور جو آخر میں حضرت صاحبقران گیتی ستاں کے لقب سے مشہور ہُوا اور جس کی

Marfat.com

اولاد نے ایشیا کے اکثر حصوں میں سلطنتیں قائم کیں اپنی اوائل زندگی میں ایک قزاق سے بہتر نہ تھا۔ چند سواروں کو جمع کر کے اُس نے سمر قند کے اطراف میں لوٹ مار شروع کی تھی اور جیسے جیسے اُس کے رفقا کی تعداد بڑھتی گئی اُس کی حیثیت بھی بدلتی گئی اور بالآخر سمر قند پر قبضہ کر کے اُس نے اپنے آیندہ ترقی کی بناڈالی۔ مگر یہ ایک ایسا سرچشمہ تھا جس کا منبع قزاقی ہی تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا شیواجی جس نے سترھویں صدی عیسوی میں مغربی ہندوستان میں ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر کے آیندہ کے لئے مرہٹوں کے راج کی بناڈالی تھی اسی طرح کا ایک قزاق تھا۔ شیواجی کی تاریخ مختلف نگاہوں سے لکھی گئی ہے۔ جس نگاہ سے مورخین مغلیہ نے اُسکی تاریخ لکھی ہے وہ اس نگاہ سے بالکل الگ ہے جس سے کہ مرہٹی سوانح نویسوں نے اُس کی تاریخ لکھی ہے۔ مورخین مغلیہ کی نگاہ میں شیواجی محض ایک لٹیرا اور حکومت وقت سے باغی تھا اور اُس لئے اُسے قابل نفرین سمجھنا چاہئے۔ برعکس اس کے جس قوم میں وہ پیدا ہوا اور جس کو اُس نے ایک عروج کی حالت کو پہنچایا اُس کی نگاہ میں وہ بلاشک ایک سچا محب وطن اپنی قوم اور ملک کا جاں نثار اور سچا بہی خواہ تھا اور اُس کے تمام افعال اگرچہ وہ مذموم کیوں نہ ہوں صرف اسی ایک غرض سے وقوع میں آئے کہ وہ اپنے ملک کی بھلائی کرے اور اپنے ملک کو غیروں کی حکومت سے پاک کر کے قومی حکومت قائم کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی کوئی کوشش حق بجانب ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں کامیابی بڑی چیز ہے نتائج پر تمام رائیں قائم کی جاتی ہیں اگر کسی جد وجہد میں کسی کو کامیابی ہوئی تو اُس کی واہ واہ ہوتی ہے اُس کو شاباش ملتی ہے عام نظروں میں کامیابی۔ تمام عیوب کو حسنات میں بدل دیتی ہے۔ حکومت وقت سے کوئی باغی کیوں نہ ہو اگر وہ اپنے ملک کو کسی ظالم بادشاہ کے جور وستم سے پاک کرنے میں کامیاب ہو تو وہ ایک سچا پٹریٹ ہی سمجھا جاتا ہے

Marfat.com

شیواجی اور گورو رامداس

Marfat.com

اس کی تصدیق ہر ملک کی تاریخ سے ہو سکتی ہے۔ شیواجی کے متعلق ہمارے اس مضمون سے ناظرین پر واضح ہو جائیگا کہ آیا وہ سچا محب وطن اور بہی خواہ ملک تھا یا نہیں +

سیواجی کا خاندان

زمانہ قدیم میں یہ مسئلہ مورخوں میں زیر بحث چلا آرہا ہے کہ جس خاندان میں شیواجی پیدا ہوا تھا وہ اصل چھتریوں کا خاندان تھا۔ مرہٹی سوانح نویسوں نے یہ بتانے کے لئے کہ شیواجی کوئی قزاق یا غاصب نہ تھا اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیواجی ایک راجپوت خاندان سے تھا جس کی تاریخ معقول اُنکے نزدیک اسطرح ہے کہ جسوقت علاؤ الدین خلجی نے چتور کو غارت کیا تھا اُس وقت رانا نے اپنی اولاد میں سے ایک بیٹے کو اس غرض سے باہر نکال دیا تھا کہ نسل قائم رہے اور پھر دوبارہ سلطنت سودیۂ کو قائم کرنیکا باعث ہو چنانچہ جو بیٹا اسطرح پر باہر کر دیا گیا تھا اُس کا نام اجے سنگھ تھا یہ اپنے ساتھ اپنے بڑے بھائی ہمیر سنگھ کو بھی لیگیا تھا۔ ہمیر سنگھ چتور کا رانا ہوا اور اجے سنگھ اُسکا پردھان منتری (وزیر اعظم) رہا۔ اجے سنگھ کے مرنے کے بعد اُسکے بیٹے سجن سنگھ نے اس خیال سے کہ وہ بھی اپنا ایک علیحدہ راج قائم کرے دکن کا قصد کیا اور یہاں آکر سوندہ واڑمیں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی سجن سنگھ کی چوتھی پشت میں دیوراج مہارانا ہوا جس نے مسلمانوں کے ساتھ سخت لڑائیاں کیں اور جو آخر مغلوب ہوکر کرشنا اور بھیما ندیوں کے درمیانی مُلک میں پناہ گیر ہوا۔ مسلمانوں کے خوف سے اُس نے اپنی اصلی نسل چھپا کر اپنے تئیں بھونسلہ کے لقب سے مشہور کیا اور جب حالت بالکل ہی تباہ وخستہ ہو گئی تو اُس نے موضع سنگھنا پور کی پٹیلی قبول کرلی اور اس طرح اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔ دیوراج کی دسویں پشت میں باباجی پیدا ہوُا اور اس کے دو بیٹے ہوُئے ایک کا نام مالوجی تھا۔ اور دوسرے کا وٹوجی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے اصل وطن کو چھوڑ کر قلعہ دولت آباد کے قریب موضع وڑول میں سکونت اختیار کی اور

Marfat.com

کاشتکاری کا پیشہ ترک کرکے اپنی دنیوی حیثیت بڑھانے کی غرض سے اُنہوں نے سپاہگری اختیار کی۔ چنانچہ اس غرض سے انہوں نے لکھ جی جادوراو کے پاس جاکر بارگیروں کی نوکری کرلی۔ یہ موٹے تازے جوان تھے اس لئے لکھ جی نے انکو نوکر رکھ لیا۔ لکھ جی جادوراؤ دیوگر کے جادوراجاؤں کے خاندان سے تھا۔ اور وہ اُس زمانہ میں سندھ کھیڑ کا دیش مکھ اور سلطنت نظام شاہیہ احمد نگر کی طرف سے بارہ ہزار سوار کا منصبدار تھا۔ چونکہ اسی خاندان سے شیواجی کی ماں تھی اس لئے مرہٹی سوانح نویسوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کیا دادہال اور کیا ننہال دونوں طرف سے شیواجی چھتری یا راجپوت بنس سے تھا۔ جادوراؤ نے مالوجی کو ہونہار جانکر میر نقی نظام شاہ کے دربار میں پیش کیا اور وہاں سے اُسکو کچھ گھوڑوں کی سلحداری دلادی۔ اب تو اُسکے دن پھر گئے۔ کچھ گھوڑے خرید کر اُس نے ایک سلحداری کارخانہ قائم کیا اور اُس کی تعیناتی بھی جادوراؤ کی ڈیوڑھی پر ہوگئی۔ مالوجی کے کوئی اولاد نہ تھی مگر اُس کے بھائی وٹھوجی کے کئی لڑکے تھے اس وجہ سے مالوجی کی بیوی کو بہت رنج رہتا تھا۔ احمد نگر میں شاہ شریف نامی کوئی ولی اللہ تھے اُن کے ساتھ مالوجی کو بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ اولاد کے لئے وہ اُن کی خدمت میں رجوع رہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مالوجی کی بیوی کے آثار حمل ظاہر ہوئے اور ایک لڑکا پیدا ہُوا جسکا نام اُس نے شاہ شریف کے نام پر شاہ جی رکھا۔ یہ شاہ جی بہت ہوشیار موٹا اور توانا لڑکا ہُوا۔ اپنے باپ کے ساتھ جادوراؤ کی ڈیوڑھی پر جایا کرتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ہولی کی تقریب میں جادوراؤ نے رنگ پاشی کے لئے اپنے چند دوست و احباب اور علاقہ داروں کو مدعو کیا تھا۔ جو لوگ آئے اُن میں مالوجی بھی مع اپنے بیٹے شاہ جی کے تھا۔ جادوراؤ نے شاہ جی کو ایک تیز اور خوبصورت لڑکا دیکھ کر نہایت لاڈ اور پیار سے اپنے پاس بلایا اور اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ جادوراؤ کی ایک لڑکی ججا بائی تھی وہ بھی کھیلتی کھیلتی اتفاقاً وہاں آگئی۔ جادوراؤ نے اُس لڑکی کو اپنے دوسرے زانو پر بٹھا کر اُس سے یہ کہا "ملی ہاتلا نورا پا بجے کا ٹی" یعنی اے لڑکی کیا تجھے یہ

Marfat.com

دولہا چاہئے"۔ اور پھر جو لوگ وہاں حاضر تھے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جوڑا بہت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ جادو راؤ کا یہ کلام سُن کر مالوجی نے فوراً جتنے لوگ وہاں جمع تھے اُن کو اس بات کا گواہ کر دیا کہ اُس کے لڑکے کی نسبت جادو راؤ کی لڑکی کے ساتھ ٹھہر گئی ہے دوسرے دن جب جادو راؤ نے اور لوگوں کے ساتھ مالوجی کو بھی کھانے کے لئے بلایا تو مالوجی نے کہلا بھیجا کہ پہلے سگائی کی رسم ادا ہو جائے پھر میں کھانے کے لئے آؤنگا۔ مالوجی کا یہ پیام سُن کر جادو راؤ کی رانی بہت چونکی اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ ہمارے خاندان کے ساتھ بھونسلوں کے خاندان کا کیا جوڑ ہے۔ جادو راؤ ایک امیر تھا اور راجگی کا لقب رکھتا تھا اور مالوجی صرف ایک معمولی سلحدار تھا۔ غرض کہ جانبین سے اس معاملہ میں بہت کچھ ردوکد ہوئی جسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ جادو راؤ نے اپنی بیوی کے اشارہ سے مالوجی کو اپنی ڈیوڑھی سے نکال دیا اور اُس کی سلحداری بھی چھنوادی۔ دونوں بھائی مالوجی و ویٹوجی مجبوراً وہاں سے کسی دوسرے گاؤں کو چلے گئے اور وہاں جا کر اُنہوں نے پھر اپنی قدیم کاشتکاری کا دھندہ شروع کر دیا۔ ایک رات کو جب دونوں کھیت رکھا رہے تھے مالوجی کو خواب میں یہ دکھائی دیا کہ کوئی عورت اُس سے یہ کہہ رہی ہے کہ جہاں تو سو رہا ہے وہاں بہت بڑا خزانہ مدفون ہے اس خزانہ کو کھود کر تو اپنی ثروت بڑھا میں تجھے بَر دیتی ہوں کہ تیری نسل میں ستائیس پُشت تک راجا ہونگے"۔ مرہٹی سوانح نویسوں کے خیال کے بموجب یہ بشارت بھوانی دیوی کی جانب سے ہوئی تھی۔ صبح اُٹھتے ہی مالوجی نے زمین کھودی اور بے انتہا خزانہ مدفون پایا۔ پھر تو اُس خزانہ کی مدد سے مالوجی نے سوار اور پیدل بھرتی کر کے جادو راؤ کی جاگیر پر چڑھائی کی اور اُسکو بہت تنگ کرنا شروع کیا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہُوا کہ مالوجی کو نظام شاہ کے حضور تک رسائی حاصل ہو گئی۔ جب نظام شاہ کو یہ معلوم ہُوا کہ یہ سب جھگڑا صرف اس لئے ہے کہ جادو راؤ کو اپنی لڑکی مالوجی کے بیٹے کے ساتھ منسوب کرنے سے انکار ہے تو اُس نے خود اس معاملہ میں پڑ کر اُس کا

Marfat.com

فیصلہ کر دینا چاہا۔ اُن دنوں نظام شاہ مغلوں سے بہت دبے ہوئے تھے اور اس لئے وہ اپنے مرہٹہ سرداروں کی بڑی دلجوئی کرتے تھے چونکہ مالوجی ایک بانکا اور جنگجو آدمی تھا اس لئے اُس کی رضا جوئی کرنا بادشاہ نے مناسب خیال کیا۔ چونکہ سگائی ہونے میں صرف یہی امر مانع تھا کہ دنیوی حیثیت سے جادو راؤ اور مالوجی میں بہت بڑا فرق تھا نظام شاہ نے یہ تضیئہ مٹانے کے لئے مالوجی کو بھی بارہ ہزار سوار کا منصبدار بنا دیا۔ اور راجہ کا خطاب عنایت فرمایا اور بہت سی جاگیر بھی دی۔ اب تو مالوجی سچ مچ راجہ بنگیا اور اس لئے جادو راؤ کو اپنی لڑکی شاہ جی کو دینے میں اب کیا عذر ہو سکتا تھا۔ فوراً سگائی اور کچھ عرصہ کے بعد شادی بھی ہو گئی۔ اس شادی میں خود نظام شاہ مع اپنے اُمرا کے شریک ہوئے تھے اور اُنکی بڑی دھوم دھام سے ضیافت کی گئی تھی۔

شیواجی کی پیدائش

شاہ جی اور جیجا بائی سے ہمارے ہیرو شیواجی کی پیدائش بنقول بعض مورخین بیساکھ شدی دوج اور بنقول دیگر بیساکھ شدی پنچمی سکے ۱۵۴۹ مطابق ماہ اپریل ۱۶۲۷ء کو ہوئی مالوجی تو اس سے پہلے ہی مر چکا تھا اور اُس کی کُل جاگیر اور اُس کا منصب شاہ جی کے نام بحال ہو گیا تھا۔ شاہ جی نے نظام شاہی سلطنت کو کچھ دنوں سنبھالنے کی کوشش کی لیکن مغلوں کے سامنے اُس کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی اور آخر کار اِس سلطنت کا چراغ جو ٹمٹما رہا تھا بجھ ہی گیا۔ شاہ جی اب سلطنت مغلیہ کے منصبداروں میں داخل ہوا مگر وہاں بہت ہی تھوڑے دن رہا اور بیجاپور کے بادشاہ کی طلبی پر اس سلطنت میں جا کر پناہ لی اور وہاں بہت عزت و منزلت حاصل کی۔ شاہ بیجاپور کی طرف سے اُسے کثیر آمدنی کی جاگیر ملی اور کرناٹک کی مہم اُس کے سپرد ہوئی۔ جب وہ کرناٹک کو روانہ ہوا تو جاگیر کے انتظام کے لئے اُس نے داداجی کونڈدیو نامی ایک معتبر آدمی کو مقرر کیا اور اُس کے ساتھ اُس نے اپنی بیوی جیجا بائی اور اپنے بیٹے شیواجی کو پونہ بھیجدیا جو اس کی جاگیر میں تھا۔ اس

Marfat.com

اس اثناء میں شیواجی کی شادی ۱۶۴۰ء کے قریب ہوگئی۔ کرناٹک سے واپس آنے کے بعد شاہ جی نے ججابائی اور شیواجی دونوں کو پھر بیجاپور بلا لیا اُس وقت شیواجی کی عمر چودہ سال کی تھی۔ بیجاپور آکر اُس نے سلطنت عادل شاہی کے کاروبار کو دیکھ کر اُس کی طاقت اور کمزوری دونوں کو اچھی طرح دریافت کرلیا۔ اسی زمانہ میں اُس نے اپنی خوش لیاقتی اور صفات مردانہ سے کئی لوگوں کے دلوں کو جو اُس سلطنت میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے مسخر کرلیا۔ اُن میں سے ایک مُرار پنت جگدیو تھا جو شاہ جی کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ اس مُرار پنت نے ایک دن شیواجی کی تعریف خود بادشاہ سے کی جس پر بادشاہ شیواجی کے دیکھنے کا مشتاق ہوا چنانچہ مُرار پنت کو حکم ہوا کہ وہ دوسرے دن شیواجی کو دربار میں حاضر کرے جب اس کی اطلاع شاہ جی کو ہوئی تو اُس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ دربار میں لیجانا چاہا۔ مگر شیواجی کو یہ بات بالکل پسند نہ آئی اُسنے یہ کہا کہ مجھکو مسلمانوں کی عاجزی کرنا پسند نہیں کیونکہ ہندو دھرم اور برہمنوں کی اُن کے یہاں ذرا بھی عزت نہیں ہے بلکہ اُلٹی اُس کی مذمت ہی ہوتی ہے اور میں اسکو گوارا نہیں کرسکتا راستہ میں جاتے ہوئے جہاں دیکھو گاؤ کشی ہوتی ہے اور اسکو دیکھ کر میری طبیعت بے قابو ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک ایسے بادشاہ کے آگے جس کے یہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے کیسے اپنا سر جُھکاؤں۔ یہ سُن کر شاہ جی نے خود تو کچھ جواب نہ دیا مگر اپنے اہلکاروں کے ذریعہ سے یہ کہلایا کہ تمہارے بزرگوں نے مسلمان بادشاہوں کی خدمت کرکے یہ ثروت اور منزلت حاصل کی ہے اُن کے ساتھ مخالفت کرنا تمکو زیب نہیں دیتا ہے۔ تم عقلمند ہو تمکو ایسا کہنا مناسب نہیں ہے۔ جب اہلکاروں کے کہنے کا کچھ اثر نہ ہوا تو خود شاہ جی نے اس کو اپنے پاس بُلا کر سمجھایا کہ وہ مسلمان اس وقت پرتھوی پتی یعنی ملک کے مالک ہیں اپنے دھرم کی رکشا کرکے اُن کی خدمت کرنے میں کیا قباحت ہے۔ ایشور کی مرضی ہی ایسی ہے

Marfat.com

اگر ایشور کی ایسی مرضی نہ ہوتی تو ہندوؤں کا راج کیوں جاتا۔ زمانہ جیسا چلائے ویسا ہی ہمکو چلنا چاہئے اور اس لئے تمہاری بھی یہ کوشش ہونا چاہئے کہ بادشاہ کی عنایت حاصل ہو اور اپنی شان وشوکت بڑھے" شیواجی یہ سُن کر چاروناچار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے رضامند ہوئے اور دوسرے دن باپ بیٹے دونوں بادشاہ کے دربار میں گئے وہاں بہت سے امیر و امرا اور مرہٹے سردار حاضر تھے۔ شیواجی نے بجائے اس کے کہ وہ زمین سے ہاتھ کی پُشت چھُلاکر کورنش بجالائے صرف سلام پر اکتفا کی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اُسوقت تو اتنا ہی سمجھ کر ٹال دیا کہ ابھی یہ بچہ ہے اس کو اس دربار سے واقفیت نہیں مگر جب اس سے یہی حرکت مکرر سرزد ہوئی تو اُس نے اسکا سبب دریافت کیا۔ خود شیواجی نے موقع اور وقت نازک سمجھ کر اس طرح بات ٹال دی کہ مجھے کورنش کا حکم ہے مگر میں اس کو بھول سے جوہار یعنی سلام پر اکتفا کرتا ہوں اور بچوں کی سلام ہی کورنش میں داخل ہے۔ میں اپنے بزرگوں کو جوہار کرتا ہوں اور مجھے ابھی اتنا تمیز نہیں کہ اُن میں اور حضرت میں کیا فرق ہے۔ جب یہ فرق مجھے معلوم ہو جائیگا تو میں مجُرا عرض کرنا سیکھ جاؤنگا" اس پر بادشاہ ہنس پڑا غرض کہ اُس وقت یہ بات ہنسی میں ٹل گئی۔ بہرحال شیواجی اپنے باپ کے ساتھ درباروں کیا کرتا تھا مگر یہ اُس کی مرضی کے خلاف تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہاں سے باہر چلا جائے۔ چنانچہ اُس نے ایک دن ایک قصائی کو جو گائے کا گوشت فروخت کر رہا تھا قتل کر دیا اور اس پر شہر میں بہت سخت ہنگامہ مچ گیا جب اِس شورش کا حال شاہ جی کو معلوم ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوا۔ اُس نے شیواجی کو اپنے سامنے بلا کر کہا" تم ابھی بچے ہو تمکو دنیا کا حال کیا معلوم۔ فضول باتوں پر رنج کر کے تم اپنی الٹر پنے سے کیا کر بیٹھے تم ایسے سمجھدار لڑکے کے لئے ایسا مناسب نہیں کہ مصلحت وقت کو نہ سمجھو تم بادشاہ کو مجرا نہیں کرتے یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر تمکو اُن کی نوکری کرنا ہے تو یہ غرور بالکل نہیں چل سکتا تمہارے بزرگوں نے آجتک مسلمان بادشاہوں کی نوکری کر کے یہ دولت کمائی ہے معمولی پیادہ سے وزیر ہو گئے ہیں ہماری طرح تمکو بھی چاہئے کہ

Marfat.com

دربار میں عاجزی سے رہ کر اس دولت کو آگے بڑھاؤ اگر تم اپنا ایسا ہی برتاؤ رکھو گے جو تم نے اب اختیار کیا ہے تو ہم یہاں سے نکال دیئے جائینگے اور ہماری ساری دولت ضبط کر لی جائیگی۔ دربار کے جن اُمرا سے ہماری چشمک ہے وہ بادشاہ کا دل ہم سے پھیر کر ہمارے نکلوانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھینگے۔ اس لئے ان سب باتوں پر پورا غور کر کے آگے کے لئے اپنا طریقہ کو سُدھارو اور تمہارے ایسے سمجھدار لڑکے کو ایسا ہی کرنا چاہئے"۔ اسکا جواب شیواجی نے صرف یہ دیا کہ بہتر ہے مجھے یہاں سے باہر بھیجد یجئے۔ میں یہاں پر رہ کر اپنے دل پر قابو نہیں رکھ سکتا ہوں۔ اس اثناء میں داداجی کونڈ دیو جاگیر کا حساب و کتاب سمجھانے کے لئے پونہ سے بیجاپور آئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر شاہ جی نے شیواجی اور اُس کی ماں دونوں کو اُس کے ساتھ پونہ روانہ کر دیا اور یہ تاکید کی کہ شیواجی کو اچھی تعلیم دی جائے ۔

شیواجی کی تعلیم

شیواجی کی عمر کے پہلے دس برس قطعاً اُس کی ماں کے ساتھ گذرے آدمی کے دل پر اچھی یا بُری باتوں کا نقش اسی عمُر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے اگر اس عمر میں اچھی باتوں کا تخم پڑتا تو آئندہ اچھے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ماں باپ کے چال چلن کا بچہ کی طبیعت پر بڑا اثر پڑتا ہے خصوصاً ماں کا۔ شیواجی کے دل پر اس قدر کم عمری میں مسلمانوں کی طرف سے جو اس وقت ایک غیر قوم تھی مخالفت نے جو نشوونما پایا اُس کا بیج خود اُسی کی ماں کا بویا ہوا تھا جس کو وہ برابر اپنی ہدایتوں سے سینچتی رہی۔ ججا بائی کے دل میں مسلمانوں کی مخالفت کا سبب یہ تھا کہ وہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئی تھی جس کا قلع وقمع مسلمانوں کے ہاتھ ہوا تھا۔ دیوگر کے جادو راجاؤں کو علاؤ الدین خلجی نے جیت کر اُسکے خاندان کی تمام شان وشوکت کو خاک میں ملا دیا تھا جس سے وہ پھر کبھی نہ پنپے۔ خود جادو راؤ کو جو اُسکا باپ تھا باوجود اس کے کہ ساری دولت و ثروت اُس کو احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت سے حاصل ہوئی تھی مرتقی نظام شاہ ثانی نے مع اُس کے بیٹے کے اس علت میں قتل کرا دیا تھا کہ وہ مغلوں سے جا ملا تھا۔

Marfat.com

اِس کا گہرا گھاؤ جیجا بائی کے دل پر تھا۔ پھر بھوانی دیوی کی یہ بشارت کہ بھونسلوں کے خاندان میں ایک شک کرتا[1] پیدا ہوگا جو مسلمانوں کی حکومت سے ہندوؤں کو نکال کر پھر قومی سلطنت قائم کریگا اُس کے دل کو اُکساتی رہتی تھی کہ کیا تعجب ہے یہ اُس کا بیٹا ہی وہ شک کرتا ہو۔ وہ پرانوں وغیرہ کی کتھاؤں سے خوب واقف تھی اور شیواجی کو یہ کتھائیں بچپن میں سُنایا کرتی تھی چنانچہ رامائن و مہابھارت کی تاریخ شیواجی کو خوب یاد ہوگئی تھی اور وہ اِن قومی کارناموں کو بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ اگرچہ شیواجی اپنی ذات سے ایک شجاع و بہادر اور نیک رویہ اور اپنے دھرم پر مستقل رہنے والا شخص تھا اور یہ صفات اُس میں کچھ تو ذاتی تھیں اور کچھ تربیت سے اُس میں داخل ہوگئے تھے مگر اپنی عظمت کا خیال اُس کے دل میں اُس کی ماں نے پند و نصائح اور ہدایات کے ذریعہ سے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ داداجی کونڈدیو نے جس کے سپرد شیواجی کی تعلیم تھی شیواجی کو ایسی تعلیم دی جو زیادہ تر ملکی انتظام کے متعلق تھی۔ انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد کو زمین کے بندوبست اور جمعبندی وغیرہ کے کام سے خوب واقف کر دیا جاگیر کی رعایا کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے اور توفیر آمدنی کی کیا تدابیر ہونا چاہئے وہ سب داداجی نے شیواجی کو بتائیں۔ جنگ کے فنوں سے بھی اُس کو آگاہ کر دیا۔ ورزش کرنا۔ ہتھیار چلانا یہ سب اُس نے سیکھ لیا۔ مسلمانوں کو زیر کر کے اپنی ایک نئی سلطنت پیدا کرنے کے بعد شیواجی کے تمام ارادے اور منصوبے خود اُسی کی باتوں سے داداجی کو اچھی طرح معلوم ہوگئے تھے۔ وہ دیرینہ تجربہ رکھنے والا اپنے آقا کی خیرخواہی کا دم بھرنے والا قدیم ملازم تھا اِن باتوں کو سُن سُن کر سخت مشوش ہوتا تھا۔ ایک دن اُس نے شیواجی سے یہ کہا۔ تمہارے دل میں جو بات پیدا ہوئی ہے اُس میں کامیابی بہت مشکل ہے۔ کُل ملک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے سب قلعوں پر اُنہیں کا دخل ہے۔ تمہارے بزرگوں نے جو دولت پیدا کی ہے اُس کی

[1] شک کرتا وہ عظیم الشان راجہ یا مہاراجہ ہوتا ہے جس کا سمت یعنی سن چلے جیسے سالباہن کے سکے اور بکرماجیت کا سمت آج تک چل رہا ہے۔

Marfat.com

حفاظت کرنا تمہارا اصلی مقصود ہونا چاہئے۔ نئی دولت پیدا کرینگی اگر تم کوشش کروگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے خاندان اور بلند رتبے کو تباہ کردوگے۔ تمہارے بزرگ کچھ کم حوصلہ اور پست ہمت نہ تھے مگر مسلمانوں کے زور کے آگے اُن کا کچھ بس نہ چلا اور آخر اُنکو مسلمانوں کی اطاعت ہی کرنی پڑی تمکو ان سب باتوں پر غور کرنا چاہئے اور فضول خام خیالی کو دخل نہ دینا چاہئے،، مگر اُس بڈھے کی یہ نصیحت اُس نوجوان کے دل پر کچھ اثر نہ کرتی تھی۔ جب شیواجی نے سلطنت بیجاپور کے خلاف علانیہ چھیڑ چھاڑ شروع ہی کردی تو پھر اُس وفادار ملازم نے اپنے آقا شاہ جی کو حسب ذیل معروضہ لکھا ہو آج تک آپکی جاگیر کا انتظام مینے تنہا کیا اور جہانتک میری عقل لڑی میں نے اُس کی خاطر خواہ حفاظت کی۔ اب آپ کے فرزند ارجمند نے خود رائی سے کام کرنا شروع کیا ہے اس کا جو کچھ خراب انجام ہو اُس کی ذمہ داری میرے سر نہ ہوگی۔ اس کی اطلاع میں آپکو دیئے دیتا ہوں آگے آپ کو اختیار ہے،، مگر شاہ جی نے اس کا کوئی جواب داداجی کو نہ دیا۔ جاگیر کے جو مصارف تھے وہ پہلے سے اب کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے کیونکہ شیواجی نے لوگوں کو اپنا شریک حال کرنے کے لئے روپیہ کی بوچھار شروع کردی تھی اور اُسکو دیکھ دیکھ کر داداجی کو بہت بُرا معلوم ہوتا تھا۔ وہ وفادار نوکر رات دن اسی تشویش میں رہا کرتا تھا کہ دیکھئے اسکا کیا انجام ہوتا ہے۔ آخر ان تفکرات سے وہ گھُل گیا اور تھوڑے ہی دن میں قضا کرگیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے تمام قلعے و کوٹھے خزانہ ولشکر اور نوکر چاکر وغیرہ سب شیواجی کے سپرد کردیئے تھے غرض کہ اس طرح ایک ایماندار اور سچے وفادار ملازم کا انتقال ہوگیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مرتے وقت داداجی نے شیواجی کو اپنے عزم میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی تھی۔

کہتے ہیں کہ علمی تعلیم بھی شیواجی کو اچھی تھی اُردو وفارسی سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا اور سنسکرت بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اب تو داداجی کے مرنے کے بعد شیواجی خوب کھُل کھیلا۔ جن جن منصوبوں اور ارادوں کو وہ اب تک اپنے سینہ میں چھپائے ہُوئے تھا

Marfat.com

اُنکو وہ پورے طور سے عمل میں لایا داداجی کے ساتھ اسنے اپنی جاگیر کے تمام مقامات خوب دیکھ بھال لئے تھے اور جو چور رستے پہاڑوں کے اندر سے جاتے تھے اور جہاں جہاں چھپنے کی جگہ تھی جہاں جہاں کمین میں بیٹھکر غنیم پر چھاپے مارے جاسکتے تھے اُن سب کو اس نے اچھی طرح اپنے ذہن نشین کرلیا یہ کام اُس نے کس طرح کیا اور کسطرح بادشاہی قلعوں پر اُس نے اپنا عمل دخل کیا یہ تاریخی واقعات ہیں جن کو یہاں قلمبند کرنیکی ضرورت نہیں۔

شیواجی کے کارناموں میں سب سے مشہور واقعہ افضلخاں کا قتل ہے شیواجی پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اُسنے دغا اور فریب سے کام لیا جو ایک چھتری کے شایاں شان نہ تھا اور اسلئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اصل چھتری ہوتا تو ہرگز اپنے حریف کو فریب دیکر جیتنے کی تدبیر نہ کرتا عرصہ ہوا کہ اخبار ٹائمس آف انڈیا میں اس واقعہ کے متعلق ایک طول طویل بحث چھڑی تھی جسمیں حال کے چند نامی مرہٹہ لیڈر شریک ہوئے تھے اگر ہیرو درشپ کے خیال کو ایکدفعہ ذہن سے نکالدیا جائے اور غیر متعصبانہ طور پر رائے زنی کیجائے تو البتہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ قدیم چھتریوں کے کارناموں پر نظر کرتے ہوئے شیواجی کے اس فعل کو ہم اُسکا کوئی روشن و بیداغ فعل نہیں کہہ سکتے اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ افضلخاں کی بھی نیت شیواجی کو فریب سے مارڈالنے کی تھی اسلئے قابل وثوق نہیں کہ اگر افضلخاں کی ایسی نیت ہوتی تو وہ اپنے کو اسطرح خطرہ میں نہ ڈالدیتا جیسا کہ اُسنے کیا یعنی یہ کہ شیواجی کے ایک سردار کے کہنے سے وہ اُسکے ہمراہ شیواجی سے ملنے کیلئے جریدہ چلا گیا مرہٹی سوانح نویسوں نے اس رہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور شیواجی کو دغا کے الزام سے بری کرنیکی بڑی کوشش کی ہے لیکن یہ کوئی عجب بات نہیں کیونکہ یہ تو ہیرو ورشپ کا ایک مقتضا ہے ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ افضلخاں نے تلجاپور کے مندر کو غارت کرکے ہندوؤں پر جو زیادتیاں اُسوقت کی تھیں اُنہوں نے شیواجی کے مذہبی جوش کو بھڑکا دیا تھا جو مذہب کی [illegible] بہت بڑا حامی سمجھتا تھا اور فی الحقیقت شیواجی تھا بھی ایسا ہی اِن سب باتوں پر نظر کرتے ہوئے اگر بعض مورخوں نے شیواجی کے اس فعل کو کوئی فعل شنیع نہیں قرار دیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ شیواجی سیدھے ذرائع سے یعنی جنگ میں افضلخاں کو جسکے پاس ایک فوج جرار تھی کسی طرح [illegible] نہ سکتا تھا اور اُسکے مذہبی جوش و حمیت نے اسکو اسکی اجازت نہ دی کہ وہ افضلخاں کو جسنے تلجاپور کے بھوانی کے مندر کو جو مرہٹوں کی قومی دیوی تھی خراب کیا تھا اور مورت کو ندی میں پھینکوا دیا تھا اور نیدھرپور کے مقدس مقام کو جہاں مرہٹوں کے قومی دیوتا وہٹوبا کا مندر ہے لوٹا تھا اپنے کیفر کردار کو پہنچائے بغیر چھوڑدے اُسکے مذہب کی جو ہتک اسطرح ہوئی تھی اسکو شیواجی کبھی برداشت نہ کرسکتا تھا اور اسکا انہدام

لینے کیلئے وہ تمام افعال کے لئے جو چاہیے وہ شنیع کیوں نہوں آمادہ تھا۔

شیواجی کے رہنماؤں میں سب سے مشہور رامداس سوامی ہوئے ہیں جو اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے سادھو خدا رسیدہ تھے انکے اپدیشوں نے شیواجی کی طبیعت پر سونے میں سہاگہ کا کام کیا اور انہیں کے تلقینات اسکی عظمت اور عروج کے بہت بڑے باعث ہوئے

متذکرہ صدر تحریرات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شیواجی نے جو کچھ کیا وہ کچھ ذاتی غرض سے نہیں کیا۔ اسکی کوششوں کا یہ مدعا نہ تھا کہ وہ خاص اپنے لئے ہی کوئی سلطنت قائم کرے بلکہ اسکا مقصود خاص یہ تھا کہ جو مصیبت اسکے خیال میں عام طور پر ہندو دھرم اور ہندوؤں پر تھی اسکو دور کرے۔ شیواجی اپنی زندگی جوانی ہی میں مذہبی آزادی اور قومی سلطنت کیخاطر وقف کر چکا تھا عنفوان شباب ہی میں وہ اس جوش سے موثر ہو چکا تھا اسکی دلی بے خوفی اور بہادری میں کسکو شک ہو سکتا ہے۔ بیجاپور میں جو مسلمانوں کا دار السلطنت تھا اُسنے ایک قصائی کو ہلاک کرنے میں دریغ نہ کیا اگرچہ وہ خوب جانتا تھا کہ اُسکے اس فعل سے مسلمانوں میں ہلچل پڑ جائیگی۔ مگر وہ اپنے دل پر ضبط نہ کر سکا۔ دادا جی کی نصیحت کے جواب میں اُس نے صرف یہ کہا کہ گائے کا دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ برہمنوں کی جو ذلت ہوتی ہے اور ہندوؤں کے دھرم کی جو عام طور پر ذلت ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتا

اگر تعصب کو دخل نہ دیا جائے۔ تو انصافاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ جتنے مرہٹے سردار اُس زمانہ میں کیا سلطنت واقع شاہی اور کیا سلطنت عادل شاہی میں فوجی ملازم تھے وہ سب جلیل القدر مناصب پر ممتاز تھے بارہ بارہ ہزار سواروں کے منصبدار تھے اور اس فوج کی تنخواہ میں بیش قرار جاگیریں ملی ہوئی تھیں ان جاگیرات میں ان منصبداروں کو پورے اقتدارات حاصل تھے مثل خود مختار راجاؤں کے وہ اپنی رعایا کیساتھ برتتے تھے رعایا سے وہ کیا سلوک کرتے ہیں اسکی کوئی باز پرس اُنسے نہ ہوتی تھی قلعہ جات وغیرہ اُنکے سپرد رہتے تھے گولہ بارود توپ تفنگ جنگ کا سامان اُن کے پاس رہتا تھا غرض کہ چھوٹے موٹے خود مختار تھے اُسکے عوض میں انکو صرف اسقدر کرنا پڑتا تھا کہ جنگ کے وقت وہ شاہی جھنڈے کے نیچے آکر بادشاہ کے دشمنوں سے لڑیں یا یہ کہ زمانہ امن میں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کا مجرا بجا لائیں اُس دولت و حشمت کے لئے جو اُنکو اسطرح حاصل تھی وہ اس کورنش کی رسم کو بخوشی بجا لاتے تھے پھر بادشاہ کیطرف سے جو اور مراعات ہوتے تھے وہ بھی کچھ کم نہ تھے انہیں اسقدر اعتبار تھا کہ وہ خود بادشاہ کی ذات اور ڈیوڑھی کے محافظ ہوا کرتے تھے ان سب باتوں پر نظر کر کے قدرتی طور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ شیواجی کے بزرگوں کے ساتھ اس قسم کی مراعات کیے گئے کیا شیواجی کا باغی ہونا داخل کفران نعمت نہیں تھا اسکا جواب صرف یہی دیا جا سکتا ہے کہ شیواجی نے جس ارادے سے اپنا کام کیا وہ نہایت ہی پاک اور مقدس تھا کیونکہ اس نے ہندو قوم کی آزادی کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اگر وہ اپنی ذاتی غرض سے ایسا کوئی فعل کرتا تو البتہ اس پر الزام کفران نعمت عائد ہو سکتا تھا بیشک اُسکا خیال بہت بلند پروازی پر تھا کہ وہ ایک ایسے بادشاہ کی جو اسکا ہم قوم نہ تھا اطاعت کرنا اپنے لئے عار سمجھتا تھا قومی حکومت قائم کرنیکا خیال بھی اسکا ایک اعلیٰ آئیڈیل تھا اور اس آئیڈیل کو پورا کرنے میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوا

(برجھولال)

(جنوری ۱۹۰۸ء)

شیواجی

۲۔ مشہور کارنامے و دیگر واقعات

جسطرح مہابھارت مین راجہ جنمیجے رشی وشمپائن جی سے سوال کرتے ہین کہ ہمارے اجداد (یعنی پانڈوؤن) نے کیا کیا کام کیئے اور کسطرح سے کوروون پر فتح پائی اُسی طرح راجہ رام نے جو شواجی کا چھوٹا بیٹا تھا اور جسکو سنبھاجی کے قتل ہونے کے بعد مرہٹون نے اپنا راجہ بنایا تھا اُس زمانے مین جب اُس نے اورنگ زیب کے حملون سے بچنے کے لئے ملک تنجاور مین جاکر پناہ لی تھی اپنی سلطنت کے ایک ایک رُکن اعظم سے جسکا نام کرشناجی اننت سبھا سد تھا ایک مرتبہ یہ سوال کیا کہ "ہمارے مہاراج نے اتنا بڑا پراکرم کیا کہ چار سلطنتون پر دعوی کیا مگر پھر بھی اُنکے بعد اورنگ زیب نے آکر قلعون وغیرہ کو فتح کرکے ساری سلطنت برباد کردی۔ اس کا کیا سبب ہے۔ آپ پُراتن اور اِس سلطنت مین سب سے زیادہ واقف کار ہین اس لئے براہ مہربانی ابتدا سے تمام کوائف لکھکر پیش کیجیئے۔"

چنانچہ اس حکم کی تعمیل مین کرشناجی اننت نے شواجی کی وفات کے چودہ سال بعد مرہٹی زبان مین ایک تاریخ[1] لکھی جسمین اُنھون نے شواجی کے فتوحات اور کارنامون کا

---

[1] اگرچہ یہ تاریخ بزبان مرہٹی لکھی گئی ہے لیکن اسمین فارسی و عربی الفاظ بکثرت مستعمل ہوئے ہین گو وہ بہت کچھ بگڑے ہوئے ہین جہان جہان یہ فارسی الفاظ مستعمل ہوئے ہین اُنکو مین نے اپنے ترجمہ مین بجنسہ قائم رکھا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کسطرح اُس زمانے کی زبان مرہٹی مین بھی یہ الفاظ داخل ہو گئے تھے چونکہ فارسی زبان اُس زمانے کی درباری زبان تھی اسلئے مرہٹہ سردار بھی اپنی روزمرہ بول چال مین فخر کے ساتھ انہین استعمال کیا کرتے تھے اور چونکہ یہ مورخ بھی سلطنت مرہٹہ کے درباریون مین سے تھا اسلئے قدرتی طور پر اسنے بھی فارسی و عربی الفاظ لکھنے مین کوئی پس و پیش نہین کیا ہے اب بھی مرہٹی زبان مین فارسی الفاظ کچھ باقی ہین مگر اس کثرت سے نہین جیسے کہ اُس زمانے مین

Marfat.com

ایک مختصر تذکرہ درج کیا ہے اور چونکہ انمین سے بہت سے واقعات کو مورخ نے دیکھا یا سُنا تھا اِس لئے بہ نسبت دیگر تاریخون کے یہ تاریخ شواجی کی سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ افضل خان کے قتل کا واقعہ پہلے مضمون مین درج ہو چکا ہو اسلئے اُس کے بعد کے واقعات کا سلسلہ یہان آغاز کیا جاتا ہے۔

کرشناجی اننت اپنی تاریخ مین لکھتے ہین کہ جب افضل خان کے قتل کی خبر بیجاپور مین پہونچی تو وہان بہت بڑی کھلبلی پڑ گئی۔ علی عادل شاہ تختِ سلطنت سے اُتر کر محل کے اندر جا کر پلنگ پر جا پڑا اور بہت رنج کیا۔ اسیطرح بادشاہ زادی بھی یہ خبر سُن کر پلنگ پر گر کر زار زار رونے لگی اور کہنے لگی "اے اللہ! اے خدا یہ کیا ہوا خدا نے مسلمانوں کی بادشاہی غارت کر دی۔" تین دن تک اُس نے کچھ کھانا نہ کھایا اور سب کے دلون پر اِس قدر خوف طاری ہو گیا کہ اُنکو ہر دم یہی دھڑکا رہتا تھا کہ کہین شواجی آکر شہر پر حملہ کر کے اُسے تباہ نہ کر دے۔ غرضکہ بیجاپور کے کُل باشندون کی ایک سکتے کی سی حالت ہو گئی اور شواجی سے بچنے کا کوئی علاج اُن کو نہ سوجھا۔ اور جب یہ خبر دہلی مین اورنگ زیب کو پہونچی۔ اِس کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا۔ اُمرا و وزرا کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس مین یہ صلاح ٹھہری کہ نواب شایستہ خان ایک فوج جرّار کے ساتھ شیواجی کے قلع وقمع کیلئے بھیجے جائین۔ چنانچہ نواب صاحب موصوف ایک بڑے خیل وحشم کے ساتھ دکن کو روانہ روانہ ہوئے۔ اُن کے آنے کی خبر شواجی کو راج گڈھ مین ملی۔ اُس نے بھی اپنے مشیرونکو بُلا کر مشورہ کیا اور کہا "کہان میری فوج اور کہان بادشاہی فوج۔ بھلا مین اِس فوج سے کیا مقابلہ کر سکتا ہون۔ اِس لئے یہ ضرور ہے کہ حکمت عملی ہی سے شایستہ خان کا کام تمام کرون۔" پھر اس نے اپنے سردارون مین سے مثل باباجی باپوجی وچمناجی باپوجی کے چند بہادر جوان مرد نفوس کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لیا اور اپنی فوج کے دو حصے کر کے شایستہ خان کی فوج کے اردگرد ایسے فاصلے پر کہ شایستہ خان کو اسکی خبر نہو کھڑا کر دیا اور خود اپنے جانباز وجان نثار ہمراہیون کے ساتھ بھیس بدل کر شایستہ خان کے ڈیرون کی طرف روانہ ہوا جب راستے مین نواب کے سپاہیون نے ٹوکا تو اُن کو یہ جواب دیا کہ ہم بادشاہی فوج ہی کے آدمی ہین چوکی پہرے کے لئے باہر گئے تھے۔ اور اِس طرح پر اُن سے بچکر دو پہر رات گئے تک وہ شایستہ خا

Marfat.com

کے ڈیرون تک پہونچ گیا اور چپ چاپ ایک ایسے وقت مین جب کل چوکیدار اور پہرے کے جوان غفلت کی نیند سو رہے تھے اور غنیم سے مطلقاً بے خبر تھے ڈیرون کے اندر گھس گیا۔ اِن ڈیرونمین ایک طرف تو عورتین تھین اور اس لئے اُن کو چھوڑ کر شواجی دوسری طرف گیا جہان نواب صاحب استراحت فرما رہے تھے۔ دفعتاً شواجی اور اُس کے ہمراہیون کا ڈیرون کے اندر گھسنے کا حال عورتون کو معلوم ہوا اور اُنھون نے "غنیم آیا" "غنیم آیا" کہکر شور وغل مچانا شروع کیا جس سے شایستہ خان جاگ پڑا اور عورتون کی طرف جاکر اور تلوار ہاتھ مین لیکر شواجی کی طرف بڑھا۔ شواجی نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ شایستہ خان کے ہاتھ سے صرف تلوار ہی نہین گر گئی بلکہ تین اُنگلیان بھی کٹ گئین۔ اتنے مین بہت سے پہرے دار "غنیم کہان" "غنیم کہان" کا شور مچاتے ڈیرون کے اندر گھس آئے مگر اس اثنا مین شواجی اپنے رفقا سمیت ڈیرون سے باہر نکل کر اپنے لشکر مین جو اطراف مین قریب کھڑا تھا جا ملا اور وہان سے کوچ کر کے اپنے مقام کو چلا آیا۔ پیچھے اُس کو یہ خبر ملی کہ شایستہ خان اُس سے دہشت کھاکر مع اپنے لشکر کے دہلی واپس چلا گیا۔ شایستہ خان کے دل مین شواجی کی طرف سے اسقدر ہیبت سما گئی تھی کہ اُس نے اپنے لشکر کے سردارون سے بھی کہا کہ "جب غنیم اس طرح خاص طور پر ڈیرون کے اندر آگیا تو کوئی وزیر (سردار) ہوشیار نہین ہوا کوئی خبردار نہین ہوا۔ اَب مجھے کسی کا اعتبار نہین۔ آج شواجی نے آکر میری اُنگلیان کاٹ ڈالین کل آکر میرا سر قلم کرلیگا۔ شواجی بڑا "دغے خور" (دغاباز) ہے۔ اَب کی۔ اور آئندہ بھی دغا کرے گا۔ مجھکو اپنے لشکر پر اعتبار نہین رہا۔ اس لئے اَب یہان سے کوچ کر کے دہلی واپس چلا جاؤن گا۔" غرضکہ دو تین دن بعد وہ دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔

جب اِس واقعہ کی خبر اورنگ زیب کو دہلی مین پہونچی تو اُسے بہت تعجب ہوا اور حیرت کے ساتھ بولا کہ "کہان نواب کی فوج اور کہان شواجی کے چند آدمی۔ بڑی حیرت کا مقام ہے کہ اُس نے فوج مین گھس کر مار کوٹ سے اپنا کام بنا لیا شواجی آدمی نہین

سلہ معلوم نہین کہ گرانٹ ڈف نے کس بنا پر یہ لکھا ہی کہ شواجی نے اپنے رفیقون کے ساتھ ایک برات کی جلوس کے بھیس مین شایستہ خان پر اُسی مکان مین حملہ کیا جسمین وہ اپنے بچپنے مین رہتا تھا اور جسمین اتفاق سے شایستہ خان فروکش ہوا تھا اِس قصے کا اِس تاریخ مین کوئی ذکر نہین ہے۔

Marfat.com

بڑا شیطان ہے" آخر بہت غور کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میرزا راجہ جے سنگھ کو شواجی کی مہم پر بھیجنا چاہیئے۔ اور دلیر خان راجہ کی مدد پر رہے۔ راجہ کے ساتھ پچاس ہزار راجپوت اور دلیر خان کے ساتھ پانچ ہزار پٹھان تھے۔ چنانچہ اس فوج کا بھی بڑے کروفر کے ساتھ دکن کی طرف کوچ ہوا۔ ادھر راجہ کے دل کو بڑا تردد تھا۔ وہ اپنے دل مین کہتا تھا کہ "شواجی بڑا دغے خور (دغاباز) اور رہنروبت (ہنرمند) اور چالاک اور جوانمرد ہے۔ جسم مین بھی خاصا موٹا تازہ ہے۔ افضل خان کو مارا۔ شایستہ خان کا حال خراب کیا۔ معلوم نہین مجھے کیسے جس ملیگا" چنانچہ اُس نے اپنے پروہتون اور برہمنون کو بُلا کر ایک انشٹھان بھی کرایا جو تین ماہ تک رہا اور اُسمین برہمنون کو بہت کچھ دان دکشنا دی۔ اُدھر شواجی کو بھی اس لشکر عظیم کے پہونچنے کی خبر سے بہت بڑی تشویش ہوئی اور وہ بھی دل مین سوچنے لگا کہ مین کسی طرح اس بلا سے جانبر ہونگا۔ یہ مسلمان نہین۔ یہ راجپوت ہین جو آپ کی بار میرے مقابلے کیلئے بھیجے گیے ہین۔ اس مقام پر سوانح نویس یہ لکھتا ہے کہ جب شواجی اس سخت تشویش کی حالت مین تھا تو بھوانی دیوی نے ظاہر ہو کر اُس کی تشفی اس طرح کی کہ تو کوئی فکر نہ کر بیدھڑک راجہ کے ساتھ دہلی چلا جا۔ مین تیری رکشا کر کے تجھے بخیر وعافیت تمام تیرے وطن کو واپس لاؤنگی"۔ اور اسپر شواجی کو بڑی ڈھارس ہوئی اور اُس نے یہ ترکیب کی کہ رگھوناتھ پنڈت کو پنڈت راؤ کا خطاب دیکر اُس کو تحفہ وتحائف کے ساتھ ایک حاجب[1] (وکیل) کی حیثیت سے راجہ کے پاس روانہ کیا اور جب دونون کی ملاقات ہوئی تو راجہ نے اُس پنڈت کے ذریعے سے یہ پیغام بھیجا کہ "دہلی کا بادشاہ ایک زبردست بادشاہ ہے اُس کے ساتھ تمھاری دشمنی نہین چل سکتی۔ مین تمکو اپنے ساتھ لیجا کر بادشاہ سے ملادونگا۔ مین بھی راجپوت ہون اور تم بھی راجپوت ہو مجھ سے تمھارے ساتھ کوئی بدی نہوگی اور میری نگاہ مین جیسے رام سنگھ میرا بیٹا ہے ویسے ہی تم بھی ہو" مگر دلیر خان کو راجہ کی اس کارروائی سے مطلقاً اتفاق نہ تھا۔ اُس نے شواجی کے قلعے فتح کرنے کی رائے دی۔ اور راجہ کے منع کرنے کے باوجود قلعۂ پُرندھر کا محاصرہ بھی کر لیا۔ جب اس محاصرہ مین شواجی کے نوکر تنگ ہونے لگے تو شیواجی نے بجز اِس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ

[1] یہ لفظ حاجب کا جا بجا اس تاریخ مین بمعنی وکیل مستعمل ہوا ہو اگرچہ اسکے معنی دربان کے ہین۔

راجہ سے ملاقات کرے۔ چنانچہ چند ہمراہیون کو لیکر وہ شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوا اور ملاقات کی۔ دونون مین عہد وپیمان ہوئے۔ راجہ نے اُسکی پوری تشفی کی اور کہا کہ جیسے مجھے رام سنگھ کی حفاظت کرنا فرض ہے ویسے ہی تمہاری کیونکہ مین تمکو مثل رام سنگھ کے سمجھتا ہون"۔ اس کے بعد شواجی نے کہا کہ آپ جتنے قلعے لینا چاہین مین آپکے سپرد کرنیکو آمادہ ہون ور قلعہ پُرندھر کو بھی آپکے حوالے کیئے دیتا ہون۔ آپ پہلے دلیرخان کو محاصرہ اُٹھا لینے کی ہدایت کر دیجیے۔ اسکا جواب راجہ نے یہ دیا کہ بہتر ہو تم دلیرخان سے مل لو کیونکہ وہ بادشاہ کا بڑا معتمد علیہ ہو ایسا نہو کہ ہماری تجویز مین کوئی خلل ڈالے۔ مین اپنے راجپوتون کو تمہارے ساتھ کیئے دیتا ہون وہ تمہاری حفاظت کرین گے اور تم بیدھڑک اُن سے مل لو۔ الغرض شواجی دلیرخان سے ملا۔ یہ بڑا تنومند اور بہت طاقتور آدمی تھا گویا دوسرا ہڈمب[۱] راکیش تھا۔ ایک ہاتھی کے برابر کھانا کھاتا تھا۔ وہ شواجی سے ذرا چین بجبین ہو کر ملا مگر سبحان سنگھ نے جو راجہ کا ماموں تھا اور جسکو راجہ نے شواجی کے ہمراہ کر دیا تھا اُس کی دلجمعی کر دی اور یہ کہا کہ قلعہ پُرندھر بندگان بادشاہی کے تفویض ہو چکا ہی۔ اب تم محاصرہ اُٹھا لو۔ دلیرخان نے راجہ کے حکم کی تعمیل مناسب خیال کرکے قلعے کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور شواجی کے ساتھ راجہ کے لشکر مین آگیا۔ اس کے بعد شواجی نے راج گڈھ واپس آکر اپنے سفر دہلی کی تیاری شروع کی اور اپنی مان سے آشیرباد لیکر آٹھ رفیقون ایک ہزار ماولون اور تین ہزار دیگر اشخاص کی جمعیت کے ساتھ راجہ کے لشکر سے آملا۔ اور ستائیس قلعے راجہ کے تفویض کر دیئے۔ راجہ نے ان کل واقعات کی بذریعہ عرضداشت بادشاہ کو اطلاع کی اور شواجی کو دربار شاہی مین بھیجنے کی اجازت مانگی۔ جب لشکر کوچ ہوا تو راجہ جے سنگھ اور شواجی دونون ایک ہاتھی پر اور ایک ہی ہودے مین سوار ہوئے اور اس طرح منزل بمنزل وہ اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ مین راجہ اور شواجی کا پھر مشورہ ہوا۔ راجہ نے شواجی سے کہا کہ "بادشاہ ہنرمند اور بے ایمان ہی۔ اگر ہم دونون ایک ساتھ دہلی جائین گے تو وہ یہ سمجھے گا کہ ہم دونون نے صلاح کر لی ہی۔ اس لئے بہتر ہی کہ تم پہلے جاؤ۔ مین پیچھے آتا ہون تب تک مین اورنگ آباد مین رہونگا۔ میرا بیٹا

(۱) ہڈمب ایک راکیش تھا جس کا ذکر مہابھارت مین ہی اور جسکو بھیم سین نے مارا تھا۔

اپنے وکیل پرہلادپنت کو مطلع کیا۔ پرہلادپنت نے اسکا ذکر قطب شاہ سے کیا تاناشاہ
یہ سن کر بہت گھبرایا کہ کہین اُس کی بھی وہ گت نہو جو افضل خان اور شایستہ خان
کی ہوئی۔ اِس لئے اُس نے اس مین بُلانے مہمان کو ٹالنا بھی چاہا اور یہ کہا کہ شواجی
کو جو کچھ چاہیے مین دینے کو تیار ہون مگر پرہلادپنت نے اُسکی تسلی کر دی اور یہ عرض
کیا کہ حضور شواجی سے کسی طرح کا خوف نہ کرین۔ چنانچہ شواجی اپنے حشم و لشکر کے
ساتھ حیدرآباد کی طرف روانہ ہوا اور جب وہ قطب شاہ کی ولایت مین داخل
ہوا تو اپنے لشکر سے سخت تاکید کر دی کہ کوئی رعایا سے معترض نہو بلکہ دو چار کی
گردنین اُڑا کر سختی کے ساتھ ضابطے کی پابندی قائم کی۔ جب حیدرآباد کے
قریب پہونچا تو قطب شاہ نے شہر سے کچھ دور آکر پیشوائی کا ارادہ کیا مگر شواجی نے
جو اپنے کام نکالنے مین ہمیشہ بہت ہوشیار تھا بادشاہ کو یہ پیام دیا کہ حضور بڑے بھائی
ہین اور مین آپ کا چھوٹا بھائی ہون آپ میری پیشوائی نہ کیجیے۔ پھر کیا تھا تاناشاہ
اس پر لٹو ہو گیا اور اپنے وزیرون مادناپنت و آکناپنت کو شواجی کے استقبال کیلئے
بھیجا اور اُن کے ساتھ شواجی شہر مین داخل ہوا۔ شواجی نے اپنے لشکر کو اُسوقت
زرین وردی پہنائی تھی۔ اور بڑے شان و شوکت کے ساتھ وہ شہر مین داخل
ہوا۔ شہر بھی خوب آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ جابجا تورن یعنی کمانین بنائی گئی
تھین اور چارون طرف خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ جھنڈیون اور اس
تمام آرایشی ساز و سامان نے لشکر کی زیب و زینت دوبالا کر دی تھی۔

جب شواجی بادشاہ محل کے قریب پہونچا تو اُسنے یہ کہلا بھیجا کہ حضور میرے استقبال
کے لئے نیچے نہ اُترین اور پانچ چھ آدمیون کے ساتھ وہ خود سیڑھیون پر چڑھکر بادشاہ
کے محل مین داخل ہوا قطب شاہ فوراً اُٹھکر اُس سے بغلگیر ہوا اور دونون ایک ہی
مسند پر بیٹھے۔ سوائے مادناپنت کے باقی سب اُمرا کھڑے رہے۔ محلات کی بیگمات
نے اندر جھروکون سے شواجی کو دیکھا اور بہت خوش ہوئین۔ ایک پہر تک ملاقات
رہی اور اُس کے بعد شواجی مع اپنے لشکر کے رخصت ہو کر راستے مین شہر کے
لوگون کو بہت کچھ داد و دہش کرتے ہوئے اپنے فرودگاہ واپس آیا۔ دوسرے
دن مادناپنت نے شواجی کو اپنے گھر لیجا کر اُس کی ضیافت کی اور اپنی مان کے

Marfat.com

ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا کھلایا۔ شواجی و مادنا پنت و آگنا پنت تینون نے ساتھ بیٹھکر بھوجن کیا۔ بادشاہ نے مادنا پنت کو بلاکر مشورہ کیا کہ شواجی کو کیا دینا چاہیئے بعد مشورہ یہ طے پایا کہ شواجی کو اسقدر دینا چاہیئے کہ وہ یہان سے خوش ہوکر رخصت ہو جائے چنانچہ قطب شاہ نے کثیر التعداد زر و جواہر اور ہاتھی و گھوڑے وغیرہ دیئے اور شواجی نے یہ عہد کیا کہ ضرورت کے وقت وہ ہمیشہ قطب شاہ کی مدد کریگا اور قطب شاہ نے بھی اپنا سالانہ خراج برابر ادا کرنیکا وعدہ کیا۔ شواجی قریب ایک ماہ تک حیدرآباد مین رہا اور وہان کے اُمرا اور بڑے بڑے جاگیردارون کی ضیافتین کھائین۔ اَب حیدرآباد سے شواجی کرناٹک کی طرف روانہ ہوا۔ راستے مین شیر خان سے جو سلطنت بیجاپور کی طرف سے پانچ ہزار سوار لیکر مقابلے پر آیا تھا لڑائی ہوئی شواجی اُس کو شکست فاش دیکر کرناٹک مین داخل ہوا جہان اُسکا سوتیلا بھائی دنکوجی اپنے باپ کی جاگیر پر حکمران تھا پہلے تو بھائی بھائی مین خلوص اور محبّت کے ساتھ ملاقات ہوئی مگر نہ معلوم بعد مین دنکوجی کو کس نے بہکا دیا اور اُس کے دل مین کیا گذرا کہ وہ ایک رات کو شواجی کے لشکر سے جُدا ہوکر بھاگ گیا۔ شواجی نے اپنا بھائی سمجھکر اُس کی گوشمالی مناسب نہ سمجھی اور کرناٹک کا انتظام کرکے اپنی راجدھانی کو واپس آیا۔ یہان آکر اُسنے دیکھا کہ ایک عجیب گُل کھلا ہے یعنی اُس کا بیٹا سنبھاجی اُس سے ناراض ہوکر مغلون سے جاملا ہے اور اُن کے لشکر مین پناہ گیر ہوا ہے جب دلیر خان نے اُس کی اطلاع اورنگ زیب کو دی تو اُس نے حکم دیا کہ سنبھاجی کو مقید کرکے دہلی روانہ کردو۔ مگر دلیر خان نے ایسی کارروائی مناسب نہ سمجھ کر سنبھاجی کو چلے جانے کا اشارہ کر دیا۔ چنانچہ سنبھا پھر اپنے باپ سے آملا۔ باپ بیٹے دونون ملے۔ باپ کو اسکا بہت رنج ہوا تھا مگر اُس نے بیٹے کی خطا معاف کر دی۔ اور کہا کہ تم بڑے بیٹے ہو یہ سب راج تمھاری ہی ہے مگر کچھ حصہ اِس راج کا اپنے چھوٹے بھائی راجہ رام کو بھی دینا چاہیئے تم تنگبھدرا کے جنوب مین کرناٹک کا ملک لو اور اُس کے شمال مین جو ملک ہے وہ راجہ رام کو دو۔ مگر اِس تقسیم کو سنبھاجی نے قبول نہ کیا اور اسپر شواجی کو بہت بڑا رنج ہوا ایسا آخر اُس کو بخار آنے لگا۔ اور اُس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب میرا آخری وقت آپہونچا۔

Marfat.com

اُس نے اپنے کارپردازون کو طلب کرکے اُن سے بہوشیہ بانی یعنی پیشین گوئی کے طور پر کہا "چالیس ہزار ہُون کی جو موروثی جاگیر پونہ کی تھی اُس کو بڑہا کر مین نے کاویری سے لیکر گوداوری تک اتنی اور عظیم الشان راج قائم کی ہے۔ اِس راج کو سنبھاجی تباہ کردے گا۔ یہ بالکل بیوقوف عیاش اور بے عقل آدمی ہے۔ یہ برہمنون کی بھی ہتیا کریگا۔ تمام بڑے بڑے سردارون کو قتل کرے گا اور آخر یہ نتیجہ ہوگا کہ اورنگ زیب ہندوستان سے آے گا اور سنبھاجی اُس سے دغا کھائیگا اور سارا مُلک مغلون کے قبضے مین چلا جائیگا۔ پھر راجہ رام اور اُسکے سردار اِس راج کو دوبارہ قائم کرین گے"۔ یہ کہکر شواجی نے آبدیدہ ہوکر اپنے سردارون سے پھر یہ کہا کہ مین اب آپ سے رخصت ہوتا ہون یہ "مرتہ لوک" یعنی عالم فانی ہے اِس مین جو پیدا ہوا وہ فنا ہوا۔ میرے جانے کا تم رنج مت کرو۔ آخر چیت سُدی پور نماشی شاکے ۱۶۰۲ کو اُس کی روح قالب عنصری سے پرواز کرگئی یا بقول مصنف تاریخ شیوجی کے دوت آکر اُس کو شیولوک لے گئے اور یہ سب راج و دولت وقلعے وغیرہ جو اُس نے اپنے قوت بازو سے پیدا یا فتح کئے تھے جون کے تون پڑے ہی رہ گئے۔ آخر مین کرشناجی انبت یہ لکھتے ہین "راجہ ساکشات اوتار ہی تھے اور پیدا ہوتے ہی اُنھون نے پراکرام کیا۔ نرمدا سے لیکر رامیشور تک اُنھون نے اپنی دوہائی پھرائی کل مُلک پر قبضہ کیا۔ عادل شاہی نظام شاہی قطب شاہی ومغلائی اِن چارون بادشاہون (سلطنتون) کو اور سمندر کے اندر بائیس بادشاہون کو زیر کرکے اور ایک نیا ہی راج پیدا کر کے مرہٹون کی بادشاہت قائم کی اور وہ چھتر پتی راجہ ہوے۔ اِس قوم مین ایسا کوئی راجہ نہ پہلے ہوا اور نہ آگے ہوگا"۔

شواجی نے بیشمار دولت چھوڑی جس کا حساب ہمارے مورخ نے اپنی تاریخ مین درج کیا ہی معلوم ہوتا ہی کہ کل اقسام کے ہون اٹھتر لاکھ چوبیس ہزار اٹھادن تھے جس کی قیمت بحساب اوسط پانچ روپیہ فی ہون اقل درجہ تیس کروڑ اکانوے لاکھ ستر ہزار دوسو نوے روپیہ ہوتی ہے اِس کے علاوہ ڈہائی سو من خالص سونا چھوڑا جس کی قیمت دو کروڑ روپیہ سے کم نہین تھی اور اسٹھ لاکھ چاندی کے سکے چھوڑے اور الماس نیلم پکھراج یاقوت لعل وغیرہ قیمتی جواہرات اِس کے علاوہ تھے

جس کی قیمت کی کوئی انتہا نہین - زرّین و ریشمی و سوتی پارچہ بھی بیحد چھوڑا جس کی مالیت کا اندازہ ایک کروڑ ہون یعنی پانچ کروڑ روپیہ کیا گیا ہے اور بہت سی دوسری اجناس اور ساز و سامان اِس کے علاوہ تھے -

شواجی کی فوج کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی - ایک لاکھ پانچ ہزار پائیگاہ کی سلحداری گھوڑے اور سوار تھے - حشم ناولے سردار اور اسامیون (یعنی جمعیت پیدل) کی تعداد ایک لاکھ تھی - مفتوحہ قلعون کی تعداد ۱۴۹ اور نئے بنائے ہوئے قلعون کی تعداد ۱۰۸ تھی - اور اِس کے علاوہ کرناٹک مین ۷۹ - اور قلعے بنوائے تھے جنجیرے کے سِندی یعنی حبشیون سے لڑنے کے لئے شواجی نے جہازون کا بیڑہ بھی تیار کرایا تھا اور سِندی اور پرتگیزون کے مقابلے مین اُس نے بحری جنگ بھی کر کے بہت شہرت حاصل کی تھی جس کا تفصیلی ذکر بیان بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے -

شواجی کے انتظام سلطنت کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کیا جائیگا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ شواجی کے حالات کے بیان کرنے مین مورخین مغلیہ و مورخین مرہٹہ دونون کس قدر افراط و تفریط مین پڑ گئے ہین ایک طرف تو مغلیہ مورخون نے شواجی کی بیحد بُرائی کی ہے اور دشنام آمیز الفاظ مین اُس کو یاد کیا ہے اور دوسری جانب مرہٹہ مورخون نے اُس کی بیحد تعریف کی ہے - حقیقت کیا ہے اسکا فیصلہ بہت مشکل ہے مگر تاہم کچھ لکھا جائیگا اور یہ بھی بتایا جائیگا کہ شواجی نے قوم مرہٹہ پر بالخصوص اور قوم ہنود پر بالعموم اپنا کیا اثر ڈالا تھا -

پرتھولال -

۲ مارچ ۱۹۰۸ء

Marfat.com

شیواجی

۳۔ انتظام سلطنت و اسباب عروج قوم مرہٹہ

شیواجی کے کارنامون کا جو مختصر تذکرہ اِس سے پہلے کے مضامین مین کیا گیا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسکی شہرت صرف انھین کارنامون کی وجہ سے ہوئی۔ جس خوش اسلوبی کے ساتھ اُسنے اپنی وسیع سلطنت کا انتظام کیا وہ اُسکی بلند حوصلگی اور فراخ دلی اور قوت ایجاد کی شاہد ہے۔ نپولین اعظم کی طرح شواجی بھی انتظامات مُلکی مین خود ہی موجد تھا اور جو طریقہ نظم ونسق سلطنت کا اُسنے اختیار کیا وہ اُن طریقون سے بالکل جُداگانہ تھا جو اُسکے زمانہ مین دیگر ہندو و مسلمان ریاستون مین جاری تھے۔ جس ملک پر وہ خود قابض و حکمران تھا اُس کو اُسنے سوراجیہ کے نام سے ملقب کیا تھا اور سوراجیہ سے خارج جو مُلک دیگر بادشاہون کے قبضے مین تھا اُس کا نام اُسنے "مغلئی" رکھا تھا بلالحاظ اُس کے کہ وہ بادشاہ بیجاپور کے قبضے مین تھا یا بادشاہ گولکنڈہ کے یا کہ داخل سلطنت مغلیہ تھا۔ اور اِس مغلئی ملک مین سے وہ سردیسکھی[1] وچوتھ وصول کرنے کا حق برابر جتاتا رہا۔ چنانچہ عادل شاہی و مغلیہ سلطنت کے ممالک پر شواجی کے یورشون کا صرف یہی مقصد ہوتا تھا کہ چوتھ وصول کرے جو حکمران اپنی خوشی سے اُسکو چوتھ دینا قبول کر لیتے تھے۔ اُنکے دشمنون سے حفاظت اُسپر لازمی جانی تھی۔ چنانچہ قطب شاہی سلطنت کی حفاظت کی غرض سے اُسنے ایک مرتبہ اورنگزیب کی فوج کے مقابلے مین اپنی فوج صرف اِسی لحاظ سے بھیجی تھی کہ قطب شاہ نے اُسکو چوتھ دینا قبول کر لیا تھا اور اسوجہ سے قطب شاہ کی سلطنت کی حفاظت اُسپر لازمی تھی۔ مسٹر راناڈے لکھتے ہین کہ چوتھ وصول کرنے کا یہ طریقہ لارڈ ویلزلی کے اُس طریقے سے بہت کچھ مشابہ ہی جو اُنھون نے سبسیڈری سسٹم کے نام سے اپنے زمانے کی دیسی ریاستون

[1] سردیسکھی ایک وطنداری حق تھا جو دس فیصدی کے حساب سے ملک کی مالگذاری پر ملتا تھا۔

Marfat.com

کے متعلق جاری کیا تھا۔

جو ملک خود اُس کے حکومت تھا اور جسکا نام اُسنے سوراجیہ رکھا تھا اُس کو اُس نے پندرہ پرانتون یعنی صوبون مین تقسیم کیا تھا۔ ہر پرانت مین ایک تعداد پہاڑی قلعون کی تھی جن کے ذریعے سے اُس پرانت کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اسطرح پر شواجی کے قبضے مین ایک سواسی قلعے تھے جنمین سے کچھ تو اُسنے نئے بنوائے تھے اور کچھ پُرانے تھے جنکی مرمت اُسنے صرف کثیر سے کرائی تھی۔ انمین سے اب بھی چند قلعے اُس کے جنگی کارنامون کی یادگار باقی ہین۔ ہر قلعے پر ایک مرہٹہ حوالدار تعینات رہتا تھا۔ اور اُس کے تحت مین دیگر عہدہ دار تھے۔ ایک ان مین سے صوبہ دار یا سب نیس[1] کہلاتا تھا جو قوم سے برہمن ہوتا تھا اور ایک کارخانہ نیس جو قوم کا پربھو[2] ہوتا تھا۔ احشام قلعہ کی فوجی نگرانی مرہٹہ حوالدار سے تعلق رکھتی تھی۔ برہمن صوبہ دار کے متعلق سول اور مالی انتظام رہتا تھا اور اُسکی تفویص مین دیہات تحت قلعے کا انتظام بھی رہتا تھا۔ اور جو عہدہ دار پربھو قوم کا ہوتا تھا اُسکی تفویض مین سربراہی غلہ وچارہ وسامان فوجی ومرمت قلعہ کا کام رہتا تھا۔ غرضکہ تین مختلف قومون کے عہدہ دار قلعون کے انتظام پر مامور تھے اور یہ انتظام شواجی نے سطرح پر کیا تھا کہ ایک عہدہ دار کو دوسرے کی نسبت خیالات حسد ورشک کے پیدا نہین ہو سکتے تھے۔ اور تینون ملکر وفاداری کے ساتھ اُسکی نوکری بجا لاتے تھے۔ جمعیت احشام مین نوجوانون کے پیچھے ایک نائک رہتا تھا اور اُسکی تنخواہ ہر ایک کے عہدے کے مطابق نقد یا بہ شکل اجناس مقررہ مقدار مین ایصال ہوتی تھی۔ یہ توکوہستانی ملک یعنی بالا گھاٹ کا انتظام تھا۔ میدانون یعنی پائین گھاٹ کا انتظام اس طرح پر تھا کہ پائین گھاٹ کا کل ملک کئی محالون مین تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر محال کی اوسط مالگذاری ہون لاکھ سے سوا لاکھ تک تھی اور دو یا تین محال کا صوبہ ہوتا تھا۔ صوبہ دار کی اوسط تنخواہ چار سو ہون سالانہ تھی جو قریب ایک سو روپیہ ماہانہ کے ہوتی ہے۔ شواجی نے پٹیل وپٹواریون یا دیسمکھ ودیسپانڈون کے ذریعے سے

[1] سب نیس صوبہ نویس کا مخفف معلوم ہوتا ہے اور لفظ نیس لفظ فارسی نویس کا بگڑا ہوا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ [2] پربھو مہاراشٹر کی ایک قوم ہے جسکا دوسرا نام چندر سین نبسی کایستہ ہے۔

Marfat.com

مالگذاری وصول کرنے کے قدیم مغلی طریقے کو موقوف کرکے کل انتظام وصول مالگذاری کا صوبہ دارون ومحال کارون کے سپرد کیا تھا۔ اور دو یا تین گانون پیچھے ایک کماویش دار یعنی کارکن رہتا تھا اور یہ خود رعایا سے کل مالگذاری وصول کرتا تھا۔ دیہات یا محالون کی مالگذاری کا ٹھیکہ دینے کا طریقہ شواجی کو بالکل پسند نہ تھا۔ اُس کو اس بات کا تیقن تھا کہ قدیم زمانہ مین جو کچھ خرابیان انتظام سلطنت مین واقع ہوتی تھین انکی بڑی وجہ یہی تھی کہ وصول مالگذاری کا انتظام زمیندارون یعنی دیسمکھون و دیسپانڈیون پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ رعایا سے تو زیادہ وصول کر لیتے تھے اور خزانہ مین کم داخل کرتے تھے اور اکثر سرکشی یا بغاوت کرکے وصول شدہ مالگذاری کو سرکاری خزانے مین داخل کرنے کے بجائے خود ہی تغلب کر لیتے تھے۔ شواجی نے تنخواہ دار کماویش دارون ومحال کارون وصوبہ دارون کو مقرر کرکے وصول مالگذاری کا کام انھین عہدہ دارون کے تفویض کیا تھا مگر جو حقوق دیہی و تعلقہ وطندارونکے تھے وہ اُس نے بدستور قائم رکھے تھے۔ کماویش دار ایستادہ فصلون کے لحاظ سے مالگذاری کو نقد یا جنس کی شکل مین وصول کر لیا کرتا تھا۔ کھیتون کی پیمائش کی جاتی تھی اور اس پیمائش کے رجسٹر رکھے جاتے تھے اور ان رجسٹرون مین قابضان اراضی کے نام درج رہتے تھے اور مالگذاری کی ادائی کی سالانہ قبولیتین اُن سے لکھائی جاتی تھین۔ غلہ کے وصول کی صورت مین حقیقی پیداوار کا صرف ۲/۵ حصہ سرکار مین لیا جاتا تھا۔ اور باقی ۳/۵ حصہ رعایا کو چھوڑا جاتا تھا۔ خشک سالی یا قحط کے زمانے مین تقاوی دی جاتی تھی جو چار یا پانچ سال کے عرصہ مین ذریعہ اقساط وصول کر لی جاتی تھی۔ مالی و فوجداری دونون کام صوبہ دارون کے سپرد تھے۔ اور دیوانی مقدمات کے فیصلے دیہی پنچایتون کے سپرد کیے جاتے تھے۔ اور پنچایت کے فیصلے کی تعمیل کرائی جاتی تھی۔

اضلاع کا یہ کل مالی دیوانی و فوجداری انتظام دو حکام صدر کے تحت مین تھا جنمین سے ایک تو پنت آمایتہ کہلاتا تھا۔ اور دوسرے کا لقب

Marfat.com

پنت سچو تھا۔ انکو حال کی اصطلاح مین ہم فائنس منسٹر یعنی وزیر مال اور اکونٹنٹ جنرل یعنی صدر محاسب کہہ سکتے ہین۔ اضلاع کے حسابات صدر مین آیا کرتے تھے اور اُنکی تنقیح کے وقت اگر کوئی بیضابطگی پائی جاتی تھی تو اُسکی سزا دی جاتی تھی۔ پنت آماتیہ و پنت سچو کا درجہ پیشوا کے بعد تھا اور پیشوا وزیر اعظم تھا۔ یہ تینون کیبنیٹ کونسل کے (مجلس وزرا) سب سے بڑے ارکان تھے جسمین آٹھ رکن ہوتے تھے اور یہ رُکن اُس زمانہ مین اشٹ پردہان کے لقب سے مشہور تھے۔ اِن ارکان دولت کے نام یہ ہین۔ ۱۔ پیشوا یعنی وزیر اعظم ۲۔ پنت آماتیہ یعنی وزیر مال۔ ۳۔ پنت سچو یعنی صدر محاسب۔ ۴۔ سیناپتی یعنی کمانڈر انچیف۔ ۵۔ منتری یعنی پرائیویٹ سکرٹری۔ ۶۔ سُمنت یعنی وزیر خارجہ (فارن سکرٹری)۔ ۷۔ پنڈت راؤ یعنی وزیر امور مذہبی۔ ۸۔ نیائے ادھیش یعنی چیف جسٹس یا حاکم عدالت۔

دو آخر الذکر کے سوائے باقی چھ رُکن اِس کیبنٹ کے فوجی کمانڈر ہوتے تھے اور اُن کے تحت بہت سی فوج رہتی تھی۔ مگر شواجی نے اُنکی طاقت کو گھٹانے کے لئے جو دوسری صُورت مین باعث خطرہ ہوسکتی تھی یہ ترکیب کی کہ ان عہدون کو اُسنے موروثی نہین ہونے دیا۔ اور پھر افواج تعیناتی کی تنخواہ افسر سے لیکر سپاہی تک خزانہ سرکاری سے نقد ادا کرنے کا طریقہ جاری کیا تھا اور کسی کو کبھی کوئی جاگیر نہین دی۔ وہ تنخواہ کے عوض جاگیر دینے کا سخت مخالف تھا۔ سپاہی سے لیکر افسر تک کی تنخواہ مقدار مقررہ مین ماہ بماہ یا ہر سہ ماہی جیسا انتظام کیا گیا ہو خزانہُ سرکاری سے نقد ایصال ہوتی تھی یا غلہ کی۔ سرکاری کھیتون سے غلہ دیا جاتا تھا۔ شواجی نے اسمین بڑی عقلمندی کی کیونکہ اس طرح وہ اپنے سردارون کی سرکشی و بغاوت سے محفوظ رہا۔ سلطنت مغلیہ مین اس کے برخلاف تنخواہ کے عوض جاگیرات دیئے جانیکا قاعدہ جاری تھا جس کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی فوجی کمانڈر زور پکڑ جاتا تھا تو وہ اپنی جاگیر کی آمدنی اور فوج تعیناتی کی مدد سے بادشاہ کو تنگ کرسکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مغلیہ بادشاہون کو ہمیشہ اپنی ہی سرکش و باغی

Marfat.com

سردارون کو مغلوب کرکے ہین بہت کچھ مصیبت اُٹھانی پڑتی تھی۔ شواجی کا فوجی انتظام اس طرح پر تھا کہ ماولون کی پیدل کی ہر رجمنٹ مین دس جوانون پر ایک نائک تھا۔ اور پانچ نائکون پر ایک حوالدار اور دو حوالدارون پر ایک جملہ دار تھا۔ دس جملہ دارون کے تحت مین ایک ہزار جوانون کی پوری رجمنٹ ہوتی تھی جس پر ایک ہزاری کمانڈر کرتا تھا۔ سات ہزاریون پر ایک سرنوبت ہوتا تھا گویا سات ہزار جوانون کا ایک برگید (دستہ) ہوتا تھا۔ سوارون کی دو قسمین تھین ایک بارگیر اور دوسرے سلحدار۔ پچیس بارگیرون یا سلحدارون پر ایک حوالدار رہتا تھا پانچ حوالدارون پر ایک جملدار اور دس جملہ دارون پر ایک ہزاری تھا۔ پانچ ہزاریون کی جمعیت کا کمانڈر پنج ہزاری کہلاتا تھا اور یہ پنجہزاری سوارون کے سرنوبت کے تحت رہتا تھا۔ پیدل اور سوارون دونون فوجون کے سردار یعنی کمانڈر بالعموم مرہٹہ قوم کے رہتے تھے اور اُنکے ماتحت ایک سب نیس رہتا تھا جو قوم کا برہمن ہوتا تھا اور ایک کارخانہ نیس ذات کا پربھو ہوتا تھا۔ بہرحال شواجی نے یہ حکمت کی تھی کہ اپنی جمعیت کے سب افسر ایک ہی ذات یا قوم نہین رکھے تھے بلکہ مرہٹون اور برہمنون و پربھوان تینون قومون کے افسرون کو اُس نے اپنی فوج مین جگہ دی تھی تاکہ کوئی ایک خاص قوم کے لوگ زور نہ پکڑنے پائین۔ بارگیرون کے گھوڑے زمانۂ بارش مین چھاؤنیون مین رہتے تھے۔ اور اُن کے لیے اور نیز جوانون کے لیے اصطبل و بارکین بنائی جاتی تھین اور گھاس دانہ کا پورا انتظام رہتا تھا۔ کل افسرن و جوانونکو مقررہ مقدار مین تنخواہ ملتی تھی پائیگاہ کی ہزاری کی تنخواہ ایک ہزار ہون اور پائیگاہ کے نیچے ہزاری کی تنخواہ دو ہزار ہون تھی۔ پیدل کی جمعیت مین ہزاری کی تنخواہ پانسو ہون تھی اور نیچے درجے کے افسرون و جوانون کی تنخواہ پیدل جمعیت مین نو روپیہ سے لیکر تین روپیہ تک تھی اور سوارون کی جمعیت مین بیس روپیہ سے چھ روپیہ تک۔ سال کے آٹھ ماہ تک جمعیت سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنا خرچ ملک گیری یعنی ملک غیر سے چوتھ وغیرہ وصول کرکے نکالے تنخواہ کے عوض کوئی زمین وغیرہ نہین دی جاتی تھی۔ ہر جوان کو نیک چلنی کے لئے ضمانت دینی پڑتی تھی۔ باوجود

Marfat.com

اِن سخت گیرلون کے ہر دسہرہ پر ہزارون جوان و بارگیر یا سلحدار جس وقت ضرورت ہوتی تھی قومی جھنڈے کے نیچے جمع ہوجایا کرتے تھے۔

اگرچہ شواجی عطیات اراضی کے بہت خلاف تھا۔ لیکن مندرون اور برہمنون وغیرہ کو اُسنے اس قسم کے عطیات کیئے تھے اور اسنے مسلمانون کی درگاہون و مساجد کے لئے اُسی طرح عطیات نقد یا بشکل اراضی جاری کئے تھے جس طرح کہ اُس نے ہندوؤن کے نام جاری کیئے۔ تعلیم کی ترغیب کے لئے اُس نے وکشنا کا طریقہ جاری کیا تھا۔ گو اُس زمانے مین کوئی سرکاری مدارس نہ تھے مگر خانگی پاٹھ شالائین بہت تھین اور اُستادون و شاگردون دونون کی پرورش اسی وکشنا کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ سنسکرت کی تعلیم کا چرچا مہاراشٹر مین اُسکے زمانہ سے پہلے بہت کم تھا مگر اُسکے زمانے مین علم کا اسقدر چرچا ہوا کہ لوگ بکثرت بنارس کو بغرض تحصیل علم جاتے تھے۔

غرضکہ شواجی کے کارنامون اور اُسکے انتظام سلطنت کا ایک مختصر تذکرہ اصل مرہٹی تاریخون سے اخذ کرکے ہدیۂ ناظرین کیا گیا۔ یہ نہین کہا جا سکتا ہی کہ کس حد تک اِن قومی تاریخون پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ ان مورخون نے کہین کہین مبالغہ سے کام لیا ہے اور بعض جگہ شواجی یا شواجی کے خاندان کی حد سے زیادہ تعریف کی ہی۔ چنانچہ ایک یہی ہے کہ اودے پور کے سسوڈیہ چھتری نسل مین اُسکا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر مسٹر رانڈے نے اس کو محض ایک فسانہ قرار دیا ہے جو شواجی کے جلوس کے وقت صرف اِس غرض سے گڑھ لیا گیا تھا کہ اُس کو سنگھاسن پر بیٹھنے اور چتر شاہی کو اپنے سر پر بلند کرنے کا شاستر اُجواز حاصل ہو۔ تخت نشینی کے وقت شواجی کی عمر سینتالیس سال کی تھی اور اُس کے بیٹا بھی پیدا ہوگیا تھا اور اِس عمر مین اور ایسی حالت مین اُس کی زنار بندی کی رسم کا ادا ہونا کہانتک جائز سمجھا جا سکتا ہی۔ اس کا جواب دینے کی ضرورت نہین۔ یہ صرف اُسوقت کی پالیسی تھی کہ قوم نے شواجی کے متعلق اُس کے چھتری ہونے کے دعوے کو تسلیم کر لیا تھا۔ ورنہ جن والدین سے شواجی پیدا ہوا تھا وہ بلحاظ اپنے خاندان و

Marfat.com

دنیوی حیثیت کے کچھ کم شریف نہ تھے اور اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ اور اسکا خاندان اور زیادہ شریف ثابت کیا جائے۔ قومی سوانح نویسون نے شواجی کی عظمت کو ہر طرح سے بڑہانے مین کوئی دقیقہ باقی نہین رکھا ہی۔ دوسری جانب مورخین مغلیہ نے شواجی کی بُرائی کرنے اور اُس کو دشنام آمیز الفاظ سے یاد کرنے مین کوئی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہین دیا ہی۔ جہان کہین اُسکا ذکر آیا ہے وہان اُسکو وحشی خصال بدسگال جہنمی وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہی اور اُسکے بڑے بڑے کارنامون پر بھی گہرا پردہ ڈالدیا ہے اور اگرچہ شواجی نے برابر مغلیہ سردارون کو شکستین ہی دی تھین لیکن کہین اُنکی شکستون کو صاف الفاظ مین تسلیم نہین کیا ہی بلکہ واقعات کو اُلٹ پلٹ کر خود مغلون کی فتح ظاہر کی ہی خود اُس کے نسب پر یہ حملہ کیا ہی کہ وہ ایک ولدالحرام کی نسل سے تھا چنانچہ اسکا قصہ خافیخان نے حسب ذیل لکھا ہے۔

"گویند از اجداد شیواجی مردو کہ از و مقلب بہ بھونسلہ است در اطراف مُلک رانا سکنے داشت با یکی از زنان غیر قوم بد اصل تعلق سرشار بہم رسانده بی عقد بدستورے کہ میان آن قوم می باشد مدخولہ خود ساخت از وپسرے متولد گردید از ملاحظہ طعن خویش وتبار آن مولود را در گوشہ دکنار جبال نگاہ داشت واز مردم پنہان او را پرورش میداد چون آن زن رغبت و دلبستگی تمام داشت ہر چند مادر و پدرا وخواست کہ میان قوم خود کدخدا نمایند قبول نہ نمودہ بعدہ کہ طشت محبت با فراط او از بام افتاد و پرورش یافتن پسر میان دست وبیگانہ زبان زد گردید لہذا فرزند خود را از مکانے کہ نہان نمودہ بود خفیہ بُرده باوالده او برداشتہ روانہ دکن گردید۔ چون بملک بیگانہ رسید با وجود شہر کاذبہ کہ فرزند از زن ہمقوم دارد از راجپوتان صحیح النسب ہیچکدام نسبت باد نہ نمودند ناچار با قوم مرہٹہ کہ آنہا نیز خود را از راجپوتان غیر مشہور میگیرند نسبت پسر خود نمود از ان نژاد بہ پشت ہفتم یا ہشتم ساہو[1] بھونسلہ بہم رسید"

شواجی نے اپنی اور اپنی قوم کی آزادی کے لئے جو کوشش کی اُس پر

[1] ساہو بھونسلہ شاہ جی سے مراد ہے جو شواجی کا باپ تھا۔

Marfat.com

خافیخان کا جو ریمارک ہے وہ قابل ملاحظہ ہے "القصہ ازین دست پروہا کہ فلک سفلہ پرور غدار در ہمہ کار بمدد آن نابکار می پرداخت روز بروز صاحب لشکر و مستقل می گردید"

یہان بھی یہ دیکھنا بیجا نہوگا کہ جو قومی تحریک شواجی کے وقت مین ہوئی تھی وہ خود اُسکی ذات سے پیدا ہوئی یا اس کے لئے قوم پہلے سے تیار تھی اور شواجی کو جو کچھ اسمین دخل تھا وہ صرف اسیقدر تھا کہ اُس نے ایک لیڈر یعنی سردار کا کام انجام دیا اور حسب ضرورت سردار ملجانے پر قوم خود بخود اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بعض مورخون کا یہ قول ہے کہ شواجی اپنی ذات خاص سے اس جوش کا بانی اور محرک ہوا اور قوم مرہٹہ کی بیداری اور قومی آزادی اور سوراج قائم کرنے مین اسکا شواجی کے معین اور معاون ہونا صرف شواجی کے حسن لیاقت اور اولوالعزمی کا نتیجہ تھا لیکن مسٹر رانڈے کو اِس سے اتفاق نہین ہے وہ کہتے ہین کہ زمین پہلے سے تیار تھی۔ بیج بھی پڑگیا تھا اور کلّا بھی پھوٹ چکا تھا مگر اس کلّے کو شواجی نے سینچا جس سے کہ وہ ایک بڑا درخت ہوگیا اور اُسمین پھول اور پھل لگے۔ وہ لکھتے ہین کہ یہ کچھ ایک آدمی یا چند جوہر ذاتی سے متصف آدمیون کا کام نہ تھا بلکہ اُسکی بنیاد کل قوم کے دلون مین گہری پڑی ہوتی تھی۔ یہ کل آبادی کا جاگنا تھا جو زبان۔ قوم۔ مذہب و لٹریچر وغیرہ کے ایک مشترک رشتہ کے ذریعے سے متحد تھی۔ اعلیٰ و ادنیٰ کل قومین اِس مین شریک تھین گوالے گڈریئے برہمن غیر برہمن سب اسمین شریک تھے۔ تمام مُلک مین ایک قسم کا قومی جوش پیدا ہوگیا تھا اور اُسکو مذہبی تحریک سے بھی بہت بڑی مدد ملی تھی جسکی چھیڑ شواجی کے زمانے سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ گیانوبا۔ نامدیو تکارام رام داس وغیرہ سنت سادھوؤن نے اِس تحریک مین بہت بڑا حصّہ لیا تھا۔ ساتھ ہی اِس کے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مُلک کے جغرافیہ کو بھی اسمین بہت کچھ دخل تھا۔ کوہستانی مُلک و کوہستانی قلعے اِس قوم کا ملجا و ماوا بنے ہوئے تھے۔ پہاڑون دردون کے اندر جہان غنیم کے توپخانہ کا بس نہ چل سکتا تھا یہ لوگ پناہ گیر ہو جاتے تھے اور وہان سے نکل کر یکایک چھاپے مارتے تھے۔ جن پہاڑون کے اندر یہ لوگ بستے تھے وہان برخلاف دیگر ممالک ہند کے اسلام کا اثر بہت ہی تھوڑا تھا۔ اِس مُلک پر مسلمانون کو کبھی کوئی مستقل تسلط حاصل نہین ہوا اور اسطرح وہ

Marfat.com

لوگ اپنی قدرتی آزادی مین بدستور سرشار رہے اور نیز جہان جہان اسلامی سلطنت کو کوئی مستقل تسلط حاصل بھی ہوا وہان بھی اِس قوم کے لوگون نے کیا مال وحساب کے صیغون مین اور کیا فوج ولشکر مین بہت کچھ اپنا عمل دخل کر لیا تھا۔ مثلاً جب دکن مین سلطنت بہمنیہ قائم ہوئی توحسن گانگو نے گانگو برہمن کو دہلی سے بُلا کر اُسے صیغۂ مال وحساب کا صدر افسر مقرر کیا اور یہ دونون صیغے اسطرح برہمنون کے ہاتھ مین آگئے رفتہ رفتہ ان صیغون مین بجاے ہندوستانی برہمنون وکھتریون کے دکنی برہمنون کا عمل دخل ہوگیا۔ چنانچہ اُس وقت سے ابتک یہ برہمن ممالک محروسہ سرکار نظام و نیز دیگر اقطاع دکن مین اِن صیغون مین دخیل ہین۔ اِن صیغون کے کاغذات بھی فارسی کے بجاے مرہٹی زبان مین مرتب ہونے لگے۔ اس کے علاوہ ہندو اور مسلمانون کے درمیان رشتہ جات مناکحت ہونے شروع ہوگئے تھے۔ اسکا بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ ساتوین بادشاہ بہمنی کی شادی سونکھڑ کے راجہ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ یوسف عادل شاہ کی شادی مکند راؤ نامے ایک برہمن کی بیٹی سے ہوئی تھی اور وہ اُس بادشاہ کی خاص محل تھی اور اُسکا نام بوبو خانم تھا۔ بیدر کے بریدشاہی خاندان کے پہلے بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی ساباجی مرہٹہ کی لڑکی سے کی تھی جو سلطنت بہمنیہ مین ایک بڑے رُتبہ کا امیر تھا دکن کی پانچ سلطنتون مین جو بعد زوال سلطنت بہمنیہ قائم ہوئین سوائے تین کے باقی دو کے بانی وہ ہندو تھے جو مسلمان ہوگئے تھے نظام الملک جس نے بعد ازان نظام شاہ کا خطاب اختیار کر کے نظام شاہیہ سلطنت احمد نگر کی بناڈالی پاتھری کے کُلکرنے یعنی پٹواری کا بیٹا تھا اور اُسکا لقب بھیرو سے بدلکر بحری قرار پایا۔ عماد شاہی خاندان کا بانی بھی اسی طرح ایک برہمن کا بیٹا تھا جو سلطنت بیجانگر مین ملازم تھا اور جو قید ہونے کے بعد مسلمان بنا لیا گیا تھا۔ مسٹر رانڈے لکھتے ہین کہ چونکہ یہ اصل مین ہندو تھے اس لئے اُن کو ہندوؤن کے ساتھ بہت ہمدردی تھی اور ان کے یہان ہندو بکثرت ملازم تھے اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ اِن پانچون بادشاہون کے یہان تعصب بھی بہت کم تھا اور وہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لئے ہندوؤن کے

Marfat.com

معابد کے لئے اراضی وغیرہ بطور انعام دیدیا کرتے تھے اور برہمنون کو بھی بہت سی جاگیرین دین ان کل پانچون سلطنتون مین مرہٹے یا دیگر قسم کے برہمن جلیل القدر عہدون پر ممتاز تھے۔ سولھوین صدی کے وسط مین مرار راؤ نامے ایک برہمن گولکنڈہ کا وزیر اعظم تھا اور خود شواجی کے زمانے مین مادنا پنت کے ہاتھ ہی مین کل کاروبار سلطنت قطب شاہیہ کا تھا اور اسی سلطنت مین راج رائے کا خاندان بہت معزز و ممتاز تھا ملک کی مالگذاری وصول کرنے کے لئے مرہٹہ دیسکھ و برہمن دیسپانڈ مامور تھے۔ داد و فیت۔ نرسو۔ کالے۔ اور یسو پنڈت کے نام اس لئے مشہور ہین کہ اُنھون نے سلطنت بیجاپور کے مالی انتظام مین بہت بڑی اصلاحین کی تھین احمد نگر کے بادشاہون کی طرف سے برہمن ایلچی مقرر ہوکر گجرات و مالوہ وغیرہ کے بادشاہون کے دربارون مین جایا کرتے تھے اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ وہ ایلچی گری کا کام انجام دیتے تھے۔ فوجی علاقے مین مرہٹون کو بہت بڑا عمل و دخل حاصل تھا۔ تاریخ فرشتہ سے واضح ہو کہ بہمنیون کے یہان بہت سے مرہٹہ منصب دار ملازم تھے۔ مرہٹہ سلحدارون و بارگیرون نے اِن سلطنتون مین بکثرت نوکری اختیار کی تھی۔ خاندان بہمنیہ کے دوسرے بادشاہ کا باڈی گارڈ دو سو مرہٹہ سلحدارون کا تھا۔ اور رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچی کہ دس دس بیس بیس ہزار سوارون کے کمانڈر جو قوم کے مرہٹہ تھے۔ اِن سلطنتون مین بڑے بڑے عہدون و منصبون پر مامور ہو گئے تھے اور اُن کے نام سے کثیر محاصل کی جاگیرین بخشدی گئی تھین چونکہ ایرانی حبشی و تُرکی اُمرا اکثر سرکشی و بغاوت پر کمر باندھ لیا کرتے تھے اسلئے ان بادشاہون کا اعتبار بھی اِن مرہٹہ سردارون پر زیادہ تھا۔ سولھوین صدی کے اوائل مین راگھوجی جگدیو راؤ ایک بہت مشہور مرہٹہ سردار ہوا ہے۔ جس نے گولکنڈہ برار و بیجانگر کے دربارون مین بڑے بڑے کار نمایان کئے تھے اور اسی زمانے مین مُرار راؤ جگدیو نے سلطنت بیجاپور مین نمایان خدمتین ادا کین ئک جی جادو راؤ و مالوجی و شاہ جی کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ غرضکہ جو خدمات سلطنت مغلیہ مین راجپوتون نے ادا کئے وہی خدمتین دکن مین اُنھین مرہٹہ سردارون سے لی گئین اور جس طرح اُن راجپوتون پر مغلیہ بادشاہونکو اعتماد تھا

Marfat.com

اسی طرح دکن کے بادشاہون کو ان مرہٹہ سردارون پر اعتبار رہا۔ یہان یہ لکھدینا چاہیئے کہ یہ مرہٹہ سردار اپنے آقاؤن کے برابر نمک حلال و وفادار ملازم رہے اور شواجی کی تحریک کا اثر اُن پر فوراً نہین پڑا۔ ابتدا مین شواجی کا جن لوگون نے ساتھ دیا۔ وہ ادنی اور متوسط طبقون مین سے تھے اور اعلیٰ طبقے کے لوگ یعنی بڑے بڑے جاگیردار اپنے بادشاہ کے برابر مطیع و وفادار رہے اور مدت تک اپنے بادشاہ کیطرف سے شواجی سے برابر مقابلہ کرتے رہے۔ شواجی کے ابتدائی زمانے مین صرف اُن سردارون نے شواجی کا ساتھ دیا جو قوم سے برہمن یا پربھو یا ماولے تھے۔ اسکے برخلاف جو بڑے بڑے مرہٹہ جاگیردار تھے اُنھون نے ابتدا مین شواجی کی سخت مخالفت کی۔ ایک نے تو شاہ جی کو پھنسا ہی دیا تھا۔ دوسرے نے خود شواجی کو قتل کرانے کے ارادے سے ایک برہمن جاسوس کو اپنی جاگیر مین پناہ دی تھی۔ مگر ایسے لوگون کا قلع وقمع کرنے مین شواجی نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفون کے قلع وقمع ہونے کے بعد نئی پودہ کے لوگ اِن مرہٹہ جاگیردارون مین سے بھی دل وجان سے اُسکے شریک حال ہو گئے۔

غرضکہ اسطرح کے جو انقلابات سولھوین صدی مین ہوے اور جو اثر ان انقلابات کا پڑا اُن کے نتیجے سے ان اسلامی سلطنتونکا فوجی وسول کاروبار مرہٹہ مدبرون اور مرہٹہ سردارون کے ہاتھ مین تھا۔ مغربی گھاٹ کے کل قلعے انھین مرہٹہ سردارونکے قبضے مین تھے اور یہ لوگ بادشاہ کے برائے نام ماتحت تھے۔ ملک کی یہ حالت تھی جسوقت کہ مغلون نے دکن پر چڑھائی کی۔ اکبر سے لیکر اورنگ زیب تک مغلون کے حملون کا یہ سلسلہ جاری رہا اور چونکہ مغل دکن کے ہندو اور مسلمان دونون کے مشترک دشمن سمجھے گئے تھے اسلیئے دونون قومون نے اس نئے خطرے سے بچنے کیلیئے کوششین کین اور اسکے دفعیہ کیلیئے نئی حکمتین سوچی گئین۔ الغرض اس زمانے مین جبکہ شمالی ہند مین مسلمان سب طرح مسلط ہو رہے تھے اور بہت کچھ ہندوؤن کے مذہب مین بھی دخل دیتے تھے جو بات کہ دکن کے مسلمان بادشاہون نے نہین کی تھی یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس خطرناک غنیم سے بچنے کی کوئی خاص ترکیب سوچی جائے اسکی بہت بڑی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک جدید اسپرٹ پیدا کی جائے اور کل فرقون کی مشترک حفاظت کی غرض سے حُبِّ قومی پر زور دیا جائے ہرچند کہ مرہٹہ سردارون کو پوری قوت اور کامل زور حاصل تھا مگر انکی طاقت منتشر اور اغراض ومقاصد ایک

Marfat.com

دوسرے سے متفرق اور منافق تھے۔ اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ کوئی عالیدماغ
الوالعزم اور ذی اثر رہنما ان منتشر اجزا کو ملادے اور علیحدہ علیحدہ اغراض کو قومی مشترک اور
متحد بنادے۔ ایسا شخص شواجی پیدا ہوا اور شواجی کی بڑی تعریف اسی مین ہی کہ اُسنے
اِس خطرہ کو جان لیا اور کل منفردہ قوتون کو ایک جا کرنیکی دل وجان سے کوشش
کی اور ایک مشترک مذہب کے نام سے اُسنے کل قوتون کو اکٹھا کردیا۔ وہ جنگوائی اغراض
ایک ودوسرے سے علیحدہ کررہے تھے شواجی کی کوشش سے آخرکار (گو قدری دقتون
کے ساتھ) ایک ہوگئے۔ انمین جو کچھ باہمی مخالفت کا اثر باقی تھا وہ شواجی نے
حکمت عملی سے مٹادیا۔ یہ یاد رہے کہ شواجی نے کچھ مرہٹہ قوت کو پیدا نہین کیا۔ وہ قوت
پہلے سے موجود اور تمام مُلک مین جابجا منتشر تھی۔ ایک مشترک خطرہ کو دور کرنے کی
غرض سے اُسنے ان تمام قوتون کو ایک اعلیٰ غرض کیلئے متحد کردینا چاہا اور اسمین
وہ کامیاب بھی ہوا۔ یہ اُسکی بہت بڑی خدمت تھی جو اُسنے مُلک
اور قوم کی کی اور اسلئے وہ ضرور اِس بات کا مستحق ہی کہ اُسکا نام ہمیشہ یادگار زمانہ
ہو۔ زمین پہلے تیار ہوچکی تھی۔ اور اسمین سب سے بڑی مددا سبات کی ملی کہ دکن کے
اسلامی سلطنتون کے زمانے مین تین سو سال تک مرہٹون کو فوجی تعلیم ملی تھی اور یہ
اُسکی بدولت مرہٹے مغلون کے خلاف صرف اپنی حفاظت ہی نہین بلکہ ایک نئی
سلطنت قائم کرسکے۔ اور ایک ایسا جوش پیدا کرسکے جسکا اثر شواجی کے بعد
پورے ڈیرہ سو سال تک باقی رہا۔

ایک اور بڑی وجہ شواجی کی کامیابی کی یہ ہی کہ وہ خود بھی بہت بڑا ضابط نفس
تھا اور دوسرونکے متعلق بھی اِس معاملے مین وہ بہت سخت گیر تھا اُسکا حکم تھا کہ
لڑائیون کے وقت اُسکی سپاہ مین سے کوئی شخص گئوون عورتون اور کاشتکارون
سے مزاحم نہو۔ عورتونکے ساتھ جو لڑائی مین قید ہوجاتی تھین بہت اچھا سلوک کیا جاتا
تھا۔ اور بڑی عزت وآبرو کے ساتھ اپنے گھرون کو بھیجدی جاتی تھین۔ چنانچہ خافیخان
جو اور طرح سے شواجی مین سوائے برائی کے اور کچھ نہین دیکھتا ہی اِس خاص معاملے مین حسب ذیل لکھتا ہی

"اما نسق نمودہ بود کہ ہرجا لشکر تاخت می آورد نسبت مسجد وکلام اللہ وناموس احدے
دست اندازی نمی نمود۔ ہرجہ قرآن مجید بدست می آمد آن را بحرمت وادب نگاہ داشتہ

Marfat.com

بتوگران مسلمان مے بخشید و ناموس ہر ہند و مسلمان کہ بدست آن جماعت گرفتار
می آمد ناحدے نے رایارا ے آن نبود کہ نظر بد برا نہا انداز د و در محافظت و نگہبانی او
میکوشید و تا آنکہ وارثان او آمدہ بقدر حالت زر عوض او دادہ خلاص نمایند
نگاہ میداشت۔"

ایک جگہ اور سنبھاجی کے رذائل سے مقابلہ کر کے شواجی کے فضائل کو اُسی
مورخ نے حسب ذیل بیان کیا ہے۔

"و نسبت پدر خود کہ او در حفظ ناموس رعایا ے تعلقہ خویش میکوشید سوا ے طریقہ یعنی
کہ از وعمل می آمد از افعال شنیعہ دیگر احتراز تمام داشت و در پاس محافظت آبرو ے
عورات و عیال مردم و کلام اللہ کہ بااسیر ے و تاراج می آوردند نہایت تاکید مے نمود
و اگر خلاف مرضی او ظاہر می شد سیاست میفرمود و پسر بد بخت او خلاف پدر
بدنامی تمام حاصل نمود۔"

شواجی نے جو سلطنت قائم کی تھی وہ تو اُس کے فرزند سنبھاجی کے قتل کے بعد مغلون
کے ہاتھ مین چلی گئی اور ہر چند کہ اُسنے درحقیقت کوئی سلطنت بطور میراث نہین چھوڑی
لیکن اُسنے اپنی قوم مین اپنے اوپر بھروسہ کرنے اور اتفاق و اتحاد کی جو روح پھونک دی
تھی اُسکے اثر سے مرہٹون نے غنیم کے حملون کو کامیابی کے ساتھ روکنے کی کوشش
کی اور یہ وہ ہمت تھی جس نے قوم اور مُلک کی آزادی کے لئے بیس سال کی لڑائی مین
خود اورنگزیب جیسے بادشاہ کے مقابلے مین مرہٹون کو ثابت قدم رکھا۔ کچھ دنون
کے لئے اپنے موروثی مُلک سے جلاوطنی پر بھی اُنھون نے کبھی اطاعت قبول نہین کی اور
جب موقع آیا تو بھرپوری قوت اور فتح مندی کے ساتھ اپنے مُلک مین واپس آکر
اُنھون نے دوبارہ اپنی سلطنت قائم کی جو پورے سو سال تک قائم رہی جسنے
تمام مُلک ہند پر اپنا سکہ بٹھادیا اور جس کو آخر مین شکست دیکر انگریزون نے
اپنی حکومت ہندوستان مین قائم کی۔ فقط

پربھو لال

Marfat.com

شیواجی

سولہوین صدی عیسوی مین ایک ہندو خاندان بنام بھونسلے نظام شاہی سلطنت کے کئی گاؤن مین بطور پٹیل پٹواری کام کیا کرتا تھا۔ اس خاندان کے زیادہ تر اشخاص ایلورا اور قلعہ دولت کے قریب رہا کرتے تھے ۔ اسی خاندان سے ایک بابا جی نامی شخص تھا جسکے دو لڑکے تھے ایک کا نام مالوجی اور دوسرے کا وٹھوجی ۔ پہلے کی شادی دیپا بائی سے ہو گئی تھی جو پھلٹن کے دیشمکھ جگپال راؤ نایک نبالکر کی ہمشیرہ تھی۔ پھلٹن کا دیشمکھ ایک معزز مرہٹہ امیر تھا جسکے خاندان مین اب تک دیشمکھی یعنے امیری چلی آتی ہے۔

نظام شاہی سلطنت مین ایک ہندو سردار لکھجی جادھو راؤ نامی تھا جسکا رسوخ زیادہ ہونے کی وجہ سے مرتضیٰ نظام شاہ اسکی بہت کچھ قدر کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۵۷۷ء مین لکھجی جادھو راؤ کی کوشش اور سفارش سے مالوجی کو نظام شاہی فوج مین ایک معمولی چھوٹی سی جماعت کی سرداری عنایت کی گئی۔ مالوجی چونکہ ایک ہوشیار اور محنتی شخص تھا لہذا اس نے بہت جلد یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ ایک نہ ایک روز ریاست کے لیے نہایت ہی مفید سردار ثابت ہوگا۔ مالوجی کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی جو دن آتا تھا اسکے لیے ایک نیا مژدہ لاتا تھا۔ دنیا کے سب عیش و آرام اُسے میسر تھے مگر گھر کا چراغ اور آنکھون کا نور نہ ہونیکی وجہ سے وہ اور اسکی بی بی دیپا بائی ازحد مغموم رہا کرتے تھے۔ دیپا بائی نے ہزارون منتین مانی تھین مگر دیپا بائی کی دعا قبول نہ ہوئی یہ ایک فطرتی بات ہے کہ جب انسان کو چارون طرف سے نا اُمیدی اور مایوسی ہونے لگتی ہے تو خیالات اور اعتقاد مین زمین و آسمان کا فرق آجاتا ہے اور اپنی اُمید براری کے لیے بعض اوقات اوہام پرستی تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی حال مالوجی اور دیپا بائی کا تھا۔ جب ساری منتین اور نیازین بیکار گئین اور کسی سے بھی انکے گھر کا چراغ روشن نہ ہوا تو اس نا اُمیدی اور مایوسی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ چند احباب نے آخر یہ رائے دی کہ احمد نگر مین ایک ولی ہین اُن سے گزارش کی جائے چنانچہ مالوجی اور

Marfat.com

چھتر مہاراج شیواجی

चित्रशाला प्रेस, पूना सिटी।

Marfat.com

دیپا بائی اپنے چند مسلمان محبون کے ذریعہ سے شاہ شریف بزرگ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ "حضرت دعا کیجیے کہ خدا ہمین گھر کا چراغ عنایت فرمائے"۔

چنانچہ پیر صاحب سے استدعا کی گئی۔ خدا کی دین دوسرے ہی سال چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ والدین نے اپنی خوش اعتقادی سے پیر صاحب ہی کا نام دینا مبارک سمجھا۔ لہذا بچہ کا نام شاہ جی رکھا۔ ۱۵۹۴ء

مگر خدائے عزوجل کی رحمت ابھی اپنا ابر اور او ترنی باقی تھی دوسرے سال ایک اور لڑکا ہوا جسکا نام بھی شاہ صاحب کے نام سے ملا جلا ہوا رکھا گیا۔ یعنی شریف جی۔ چنانچہ مالوجی کے اب دو بیٹے تھے ایک شاہ جی اور دوسرا شریف جی۔

چونکہ مالوجی کی ترقی اور دنیوی اقبال و دولت کا ذریعہ جادھو راؤ تھا۔ اسلیئے مالوجی اپنے محسن اور مربی کا از حد احسانمند تھا اور بارہا جادھو راؤ کے پاس جاکر بیٹھتا اور صحبت سے فیض حاصل کرتا تھا ۱۵۹۹ء مین ہولی کا تیوہار آیا۔ مالوجی اس تیوہار کی تقریب پر مبارکباد دینے کے لیے اپنے مربی و سرپرست جادھو راؤ کے مکان پر گیا۔ جاتے وقت اپنے لڑکے شاہ جی کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ جادھو راؤ مالوجی سے نہایت ہی خلق سے پیش آیا۔ دوسرے مہمانون کے ساتھ مالوجی بھی بیٹھ گیا۔ جادھو راؤ نے اپنے مہمانون کی خاطر تواضع مین کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔

شاہ جی بچپن مین بہت ہی خوبصورت اور چلبلا تھا۔ زمین پر پیر ٹکانا تو جانتا ہی نہ تھا جادھو راؤ کو اسکی یہ حرکتین بہت ہی پیاری معلوم ہوئین۔ فوراً اسے گود مین اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے جادھو راؤ کی چھوٹی لڑکی جی جی بائی بھی موجود تھی لہذا یہ دونون کھیلنے لگے ان بچون کا فوراً ہی ایکدوسرے کا دوست ہو جانا۔ ایک دوسرے پر گلال وغیرہ اڑانا کچھ ایسی پیاری پیاری بچپنے کی حرکتین تھین کہ دیکھنے والا خواہ مخواہ ہنس دیتا تھا۔ جادھو راؤ تو اور بھی خوش ہو گیا۔ ہنستے ہنستے جادھو راؤ نے اپنی ننھی سی بیٹی جی جی بائی سے پوچھا کہ "کیون جی جی بائی یہ تو اچھا دولھا ہے"۔ اس جملہ کا منہ سے نکلنا تھا کہ مالوجی نے فوراً حاضرین سے التماس کی کہ حضرات یاد رکھیئے آج سے جی جی بائی میری بہو ہو گئی اور جادھو راؤ میرے سمدھی ہو چکے آپ سب گواہ رہین اور مین امید کرتا ہون کہ جادھو راؤ بھی اب اپنی بات پر قائم رہین گے۔

مالوجی نے اگرچہ جادھو راؤ کی بات پکڑ لی تھی اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح جادھو راؤ راضی ہو جائے۔ ادھر جادھو راؤ بھی ذرا کھسیانا سا ہو گیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ منہ سے نکلنا تھا [illegible] بات کو بہت ٹالنے کی کوشش کی مگر مالوجی بھی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا کہ اپنے کہنے کو پورا [illegible]

دیپا بائی اپنے چند مسلمان ہمجولیوں کے ذریعہ سے شاہ شریف بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ "حضرت دعا کیجئے کہ خدا ہمیں گھر کا چراغ عنایت فرمائے"۔

چنانچہ پیر صاحب سے استدعا کی گئی۔ خدائی دین دوسرے ہی سال چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ والدین نے اپنی خوش اعتقادی سے پیر صاحب ہی کا نام دینا مبارک سمجھا۔ لہٰذا بچہ کا نام شاہ جی رکھا۔ ۱۵۹۴ء مگر خدائے عزوجل کی رحمت ابھی اپنا اور اور ترقی باقی تھی دوسرے سال ایک اور لڑکا ہوا جس کا نام بھی شاہ صاحب کے نام سے ملتا جلتا ہوا رکھا گیا۔ یعنی شریف جی۔ چنانچہ مالوجی کے اب دو بیٹے تھے ایک شاہ جی اور دوسرا شریف جی۔

چونکہ مالوجی کی ترقی اور دنیوی اقبال، دولت کا ذریعہ جادھو راؤ تھا۔ اسلئے مالوجی اپنے محسن اور مربی کا ازحد احسانمند تھا اور بارہا جادھو راؤ کے پاس جاکر بیٹھتا اور صحبت سے فیض حاصل کرتا تھا ۱۵۹۹ء میں ہولی کا تیوہار آیا۔ مالوجی اس تیوہار کی تقریب پر مبارکباد دینے کے لیے اپنے مربی و سرپرست جادھو راؤ کے مکان پر گیا۔ جاتے وقت اپنے لڑکے شاہ جی کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ جادھو راؤ مالوجی سے نہایت ہی خلق سے پیش آیا۔ دوسرے مہمانوں کے ساتھ مالوجی بھی بیٹھ گیا۔ جادھو راؤ نے اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔

شاہ جی بچپن میں بہت ہی خوبصورت اور چلبلا تھا۔ زمین پر پیر ٹکانا تو جانتا ہی نہ تھا جادھو راؤ کو اسکی یہ حرکتیں بہت ہی پیاری معلوم ہوئیں۔ فوراً اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے جادھو راؤ کی چھوٹی لڑکی جی جی بائی بھی موجود تھی لہٰذا یہ دونوں کھیلنے لگے اور بچوں کا فوراً ہی ایکدوسرے کا دوست ہو جانا، اور ایک دوسرے پر گلال وغیرہ اڑانا کچھ ایسی پیاری پیاری بچپنے کی حرکتیں تھیں کہ دیکھنے والا خواہ مخواہ ہنس دیتا تھا۔ جادھو راؤ تو اور بھی خوش ہو گیا۔ ہنستے ہنستے جادھو راؤ نے اپنی ننھی سی بیٹی جی جی بائی سے پوچھا کہ "کیوں جی جی بائی یہ تو اچھا دولہا ہے" اس جملہ کا منہ سے نکلنا تھا کہ مالوجی نے فوراً حاضرین سے التماس کی کہ حضرات یاد رکھیئے آج سے جی جی بائی میری بہو ہو گئی اور جادھو راؤ میرے سمدھی ہو چکے آپ سب گواہ رہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ جادھو راؤ بھی اب اپنی بات پر قائم رہیں گے۔

مالوجی نے اگرچہ جادھو راؤ کی بات پکڑ لی تھی اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح جادھو راؤ راضی ہو جائے۔ ادھر جادھو راؤ بھی ذرا کھسیانا سا ہو گیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ منہ سے نکلنا تھا نکل گیا بات کو بہت ٹالنے کی کوشش کی مگر مالوجی بھی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا کہ اپنے کہنے کو پورا کیجئے

اور مجھ سے اقرار لیجیے کہ آپ نے میرے لڑکے شاہ جی کو اپنی دامادی مین قبول فرمایا۔ چنانچہ جادھوراؤ نے پورا اقرار تو نہین کیا مگر ہان کچھ اُمید ضرور دلائی کہ دیکھا جائیگا۔ ایسی جلدی کیا ہے۔ ابھی دونون بالکل بچے ہین۔ زندگی بخیر

خیر مہمان وغیرہ سب اپنے اپنے مکانون کو چلے گئے۔ مالوجی بھی اپنے گھر چلے آئے۔ جادھوراؤ جب اندر گیا تو اپنی بی بی سے سارا حال بیان کیا۔ جادھوراؤ چونکہ ایک متمول امیر ہونیکے علاوہ نظام شاہی فوج کا ایک مشہور افسر بھی تھا لہذا جادھوراؤ کی بی بی کیونکر قبول کرتی کہ وہ اپنی بیٹی اپنے ہی نوکر رکھے ہوئے شخص کے لڑکے کو دے۔ چنانچہ اُسکو کسی قدر غصہ بھی آیا بہت کچھ مالوجی کو بُرا بھلا بھی کہا۔ خیر کچھ دنون کے بعد یہ بات رفت وگزشت ہوگئی۔

مرہٹہ مورخین رطب اللسان ہین کہ مالوجی کے خواب مین آکر دیوی بھوانی نے کہا کہ تیرے خاندان مین ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو سنبھا یعنے مہادیو کا اوتار ہوگا۔ اور یہی شخص ایک مرہٹہ سلطنت کی بنیاد ڈالیگا۔ ظالمون کو اور ہندو دھرم کے مخالفین کو ملک سے نکال دیگا۔ اور برہمنون کی سیوا کریگا۔

مالوجی کو ان باتون کا پورا پورا یقین ہوگیا۔ دنیوی اقبال تو اسکا ساتھ دے ہی رہا تھا۔ تھوڑے ہی دنون مین مالوجی اس لائق ہوگیا کہ جادھوراؤ کی ہمسری کرسکے۔ بلکہ دنیوی کروفر مین جادھوراؤ سے گوے سبقت لیگیا۔

بعض مرہٹہ مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ بھوانی دیوی نے مالوجی کو کہین کا دفینہ بتادیا۔ جسکی وجہ سے مالوجی خوب ہی دولتمند ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصہ مین جادھوراؤ بھی اس کا گاڑھا دوست بنگیا۔

تھوڑے دنون مین مالوجی کو سرکار نظام شاہی نے پنجہزاری سردار بنادیا اور راجہ کا معزز خطاب بھی مرحمت فرمایا۔ اب اس نے اپنے بیٹے شاہ جی کی شادی کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جادھوراؤ کو اب بھلا کیا عذر ہوسکتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۶۰۴ء مین بڑی دھوم دھام کے ساتھ شاہ جی کی شادی جی جا بائی کے ساتھ ہوگئی۔

سرکار نظام شاہی نے صرف "راجہ" ہی کے خطاب پر اکتفا نہ کی بلکہ مالوجی کی حسن کارگزاری دیکھکر ایسٹ سیو نیر اور چاکن کے قلعہ اور انکے متعلق جو اضلاع تھے اور پرگنہ پونہ و سوپا بھی بطور جاگیر عطا فرمایا۔

۱۰ مئی ۱۶۲۷ء کا دن شاہ جی اور جی جی بائی کے لیے بہت مبارک دن تھا کیونکہ اسی روز شیواجی قلعہ شیونیر میں جو کہ جنیر کے قریب ہے اور پونے سے شمال میں تقریباً ۵۰ میل پر واقع ہے پیدا ہوا۔ شیواجی بچپن میں بہت ہی چست و چالاک نظر آتا تھا۔ اسکے بشرہ سے پایا جاتا تھا کہ اسکی صحت بہت ہی اچھی ہے۔

شاہ جی کے لیے دو مہموں کا سامنا تھا۔ ایک تو اپنی پونہ والی جاگیر کا انتظام اور دوسرے اپنی آبائی نوکری کا خیال۔ چنانچہ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ جی جی بائی اسی جاگیر پر رہے اور آپ اپنی خدمت پر حاضر رہنے لگے۔ پونہ والی جاگیر کیلئے بہت سے کارکن وغیرہ مقرر کر دیے اور ان تمام کارکنوں پر ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ شخص کو مقرر کیا جسکا نام دادو جی کونڈ دیو تھا۔ یہ شخص ذات کا برہمن اور ملکی و جنگی معاملات میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔

کہتے ہیں کہ دادو جی یا دادا جی کونڈ دیو نے رفتار زمانہ کے مطابق شیواجی کو تعلیم دینی شروع کی۔ لکھنے پڑھنے کی طرف تو شیواجی راغب نہ ہو سکا۔ مگر ہاں فنون سپہ گری کی طرف البتہ اسکا بہت رجحان تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے گھوڑے کی سواری۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی وغیرہ سپاہیانہ فنون میں کافی دستگاہ حاصل کر لی۔ مگر ان فنون میں ید طولیٰ حاصل کرنے کا سہرہ ہم دادا جی کونڈ دیو کے سر نہ باندھیں گے بلکہ اصل میں یہ تعلیم جی جی بائی کی تھی۔ چونکہ جی جی بائی ایک امیر خاندان کی لڑکی تھی اور دن رات یہی باتیں اسکے پیش نظر رہا کرتی تھیں لہذا اس نے چاہا کہ اسکا بیٹا ان شریفانہ اور سپاہیانہ فنون سے محروم نہ رہے۔ معتبر مرہٹہ مورخین کی رائے ہے کہ اگرچہ شیواجی دادا جی کونڈ دیو کے اختیار میں تھا مگر دادا جی کی تعلیم کا اسپر کچھ بھی اثر نہ ہوا جسکے ثبوت کے لیے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ شیواجی کو مطلق لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا حالانکہ دادا جی ایک زبردست تجربہ کار منشی تھا۔ اگر دادا جی کی تعلیم کا کچھ بھی اثر ہوتا تو شیواجی ضرور کچھ نہ کچھ سیکھ جاتا۔ چونکہ شیواجی کا باپ شاہ جی یہاں نہ تھا اور نہ کوئی دوسرا بزرگ سر پر موجود تھا جو اسے سکھلاتا لہذا ماں نے اسکے بچپن ہی سے ساری ایسی سپاہیانہ باتیں سکھلانی شروع کیں جو آگے چلکر اسکی طبیعت میں اسقدر مستحکم ہو گئیں کہ دادا جی کونڈ دیو بھی انکو نہ بدل سکا۔

ان سپاہیانہ فنون کے علاوہ شیواجی کی طبیعت زیادہ تر مذہبی امور کی طرف بھی راغب تھی چنانچہ ہمیشہ رامائن۔ مہابھارت۔ بھگوت گیتا وغیرہ مذہبی کتابیں پڑھوا کر سنا کرتا تھا۔ مذہبی تماشوں میں

Marfat.com

شوق سے شامل ہوا کرتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات کتھا خود اپنے مکان پر منعقد کیا کرتا تھا۔ یہ بھی اسی کی ماں کی تربیت کا اثر کہنا چاہیئے کیونکہ جی جی بائی کو بھی مذہبی اُمور سے از حد دلچسپی تھی۔

ان باتوں کے علاوہ شیواجی کی طبیعت آزادی کی طرف زیادہ مائل تھی کسی کے اختیار میں رہنا اور کسی سے دبکر چلنا اسے ہرگز پسند نہ تھا۔ محلے کے تمام لڑکوں کو جمع کر کے اُن پر سرداری کرنا اسکا کھیل تھا۔ غرض سن شعور کو پہونچنے تک شیواجی کو قدرت نے وہ ساری باتیں عنایت فرمادین جو ایک پکے سپاہی کے لیئے درکار ہین اور سن شعور کو پہنچتے ہی شیواجی کے خیالات نے پلٹا کھایا اور حکومت کی بو نے اپنا اثر دکھلانا شروع کیا شب و روز اسے یہی دُھن لگی رہتی تھی کہ مین کسطرح راجہ بنون اور سپاہی کیونکر جمع کرون اور دولت کہان سے لاؤن!

علاقہ بمبئی مین کوکن ایک چھوٹا سا پہاڑی ملک ہے یہان کی آب و ہوا مین قدرت نے کچھ ایسا اثر پیدا کیا ہے کہ تمام تر باشندے چست و چالاک ہونے کے علاوہ بڑے ہی بہادر ہوتے مین۔ شیواجی کی آبائی جاگیر سے یہ ملک ملا ہوا ہے لہذا اب یہ مناسب معلوم ہوا کہ ایسے لوگون کو اپنی طرف کر لینا چاہیئے چنانچہ شیواجی نے اِن لوگون مین سے بعض کو اپنی جاگیر مین نوکر رکھنا شروع کیا اور بعض سے یارانہ بڑھانے لگا۔ جس طرح وسط ہند مین راجپوت ہندوؤن کی ایک بہادر قوم سمجھی جاتی ہے اسی طرح جنوبی ہند مین مرہٹہ قوم سپاہیانہ جوہر سے آراستہ تھی! اور گو اب زمانہ ایکے موافق نہین ہے مگر اسپر بھی بعض خاندانون مین وہی جوہر اب تک باقی ہے جو سنہ ۱۶۲۷ء مین شیواجی کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا۔ بہرکیف ماولی لوگون کو شیواجی نے اپنی طرف راغب کرنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ مین ایک خاص جماعت حاصل کرلی ان لوگون کے ہاتھ آتے ہی شیواجی نے اپنی معلومات بڑھانی شروع کین کیونکہ کوکن ایک پہاڑی ملک ہونے کے علاوہ نہایت ہی دشوار گزار تھا۔ ماولی

جگہ جگہ پہاڑی قلعہ تھے یہ زمانہ وہ تھا کہ جس کسی کے پاس قلعے ہون وہ حاکم سمجھا جاتا تھا زمین پر آبادی بہت کم ہوا کرتی تھی۔ شیواجی کو اب اس خیال نے ستانا شروع کیا کہ کس طرح ان پہاڑی قلعون کو حاصل کیا جائے؟ اکثر قلعون پر مسلمان حاکم مقرر تھے مگر از حد بے فکر رہا کرتے تھے جب اپنے سب سے پہلے اس نے اُن قلعون کو حاصل کرنے کی سعی کرنی شروع کی۔ جن پر مرہٹہ حاکم متعین تھے۔ پہاڑی قلعجات

شیواجی کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ ابتدا ہی مین اسے ساتھی بھی ایسے ہی منچلے دلیر اور بہادر ملے جیسا کہ شیواجی تھا۔ مثلاً ایسا جی کنک، تاناجی مال سوری اور باجی پھسلکر وغیرہ وہ ابتدائی ساتھی

Marfat.com

اشخاص تھے جنکی نسبت اگر زو مین تن ملکہ فولادی جگروالے کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ یہ حضرات شیواجی ہی کی مانند سپاہیانہ فنون مین اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ شیواجی کے بالکل ہم خیال تھے چنانچہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ان لوگون سے وہی کارروائی ہوتی رہی جسکا شیواجی خواہشمند تھا۔ جان نثار بھی ایسے تھے کہ جہان شیواجی کا پسینہ ٹپکتا وہان اپنا خون بہانے کے لیے ہرگز پس و پیش نہ کرتے چنانچہ انھین کے بدولت شیواجی کے سر ملک گیری کا سہرا بندھا۔

سنہ ۱۶۴۶ء کا زمانہ ہے۔ شیواجی کی عمر کوئی ۲۰-۲۱ سال سے زائد نہین ہے۔ عالم شباب اور پھر ملک گیری کا خیال اسکے علاوہ مناسب ساتھیون کی امداد یہ ایسی باتین تھین جنکی وجہ سے شیواجی کی ہمت بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ پونہ کے مشرق کی طرف کوئی ۲۰ میل پر تورنے کا قلعہ ہے جسکا قلعہ دار عادل شاہی سلطنت کی طرف سے مقرر تھا۔ یون آسانی سے اس قلعہ کا حاصل کرنا مشکل تھا لہذا شیواجی ایک چال چلا یعنی قلعہ دار سے جاکر کہا کہ سرکار بیجاپور نے اُسے تورنے کے قلعہ کا حاکم مقرر کیا ہے لہذا قلعہ کی کنجیان حوالے کردو۔ قلعہ دار چونکہ شیواجی کو جانتا تھا کہ یہ شاہ جی کا لڑکا ہے لہذا اُس نے قلعہ شیواجی کے حوالے کردیا۔ یہ موقعہ ملتے ہی شیواجی نے فوراً قلعہ کو مستحکم بنادیا اور اچھی خاصی فوجی طاقت بھی جمع کرلی۔ شیواجی کی ملک گیری کی یہ بسم اللہ تھی! مگر شیواجی کی آبائی جاگیر ملک گیری کے اخراجات کے لیے کافی نہ تھی تورنے کا قلعہ تو ہاتھ لگ ہی گیا تھا۔ چھوٹی موٹی فوج بھی جمع کرلی مگر اتنے بڑے اخراجات کا متحمل ہونا اسکے لیے بہت ہی مشکل تھا۔ یہ اسی خیال مین غرق تھا۔ اپنے پاس جو کچھ پونجی تھی وہ قلعہ کی مرمت مین خرچ کر رہا تھا۔ مگر خوبی قسمت سے قلعہ کا ایک دفینہ بھی اسکے ہاتھ لگ گیا جس سے ملک گیری کے خیالات خوب ہی مستحکم ہوگئے کیونکہ ضروری سامان مثل ہتھیار۔ بارود۔ گولہ وغیرہ فوراً مہیا کرلیا گیا اور اس سے قلعہ راجگڈھ جو قلعہ تورنا کے جنوب مین تقریباً تین میل پر واقع ہے لے لیا اور اسے از سر نو بنا کر دونون جگہ کافی فوج مقرر کردی اور تجربہ کار قلعہ دارون کو تعینات کردیا۔ چونکہ یہ دونون قلعے حکومت بیجاپور کے تھے اور اب شاہ جی بھی بیجاپور ہی کی حکومت مین ملازم تھا لہذا اہل قلعہ بھی شیواجی کی حکومت کو ماننے لگے اور سرکاری خزانہ اور تمام جائداد شیواجی کے ہاتھ آگئی۔

مگر شیواجی کی دست درازی بڑھنے لگی اور اسکی ساری کیفیت سرکار بیجاپور تک پہونچی جہان شیواجی کا باپ شاہ جی ایک معزز عہدہ پر سرفراز تھا۔ اسلیئے اُسے فہمائش ہوئی کہ یہ اپنے بیٹے کو سمجھا دے اُس نے شیواجی کو لکھ بھی دیا کہ ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اسکی بدنامی ہو۔

Marfat.com

یہاں شاہ جی نے دادا جی کونڈدیو کو بھی لکھدیا کہ شیواجی کو سمجھا دے مگر وہ پہلے ہی سے شیواجی کا ہم خیال ہوگیا تھا۔ اسلیئے اُس نے شاہ جی کو ایک تسلی بخش جواب بھیجدیا جسمین اُسنے لکھدیا کہ شاہی حد مین کسی قسم کی دست اندازی نہین کی گئی ہے۔ ہم صرف اپنی جاگیر کا انتظام کررہے ہین۔ مگر تھوڑے دنون بعد دادا جی مرگیا۔

دوسری کوشش

اور اسکے مرتے ہی شیواجی کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ تنہائی اور نوجوانی کا عالم۔ ساتھی بھی ذی حوصلہ اور ہم خیال۔ چنانچہ شیواجی اپنی لوٹ اور غارت مین پھر مشغول ہوگیا۔ اور جب سال کے آخر مین جاگیر کی بچت مانگی گئی تو شیواجی نے شاہ جی کو لکھ بھیجا کہ امسال ساری رقم جاگیر کے انتظام مین صرف ہوگئی ہے۔ شاہ جی کو اگرچہ اس سے رنج ہوا مگر وہ سمجھا کہ غالباً شیواجی نے حسن انتظام کے خاطر ساری آمدنی صرف کردی ہے۔ مگر سرکار بیجاپور کو اس سے آیندہ کے لیے ضرور خوف پیدا ہوگیا۔ ادھر تھوڑے ہی دنون مین شیواجی نے سوپا بھی فتح کرلیا۔ اسکے بعد کنڈانا (بعد مین اسکا نام سینگڑھ مشہور ہوا) اور پورندھر کو بھی اپنے قبضہ کرلیا۔ اسطرح قلیل عرصہ مین چاکن اور نیرہ ندی کے درمیان کا سارا ملک بغیر کسی جنگ جدال کے شیواجی کے قبضے مین آگیا۔ مگر شیواجی کے پاس اس وسیع قطع کے انتظام کیلئے کافی روپیہ نہ تھا اتفاق وقت سمجھیے یا خوش قسمتی کہ عادل شاہی سلطنت کا کچھ خزانہ کلیان سے بیجاپور جارہا تھا اور شیواجی کو اسکی خبر مل گئی۔ پھر کیا تھا اس نے اپنے بہادر سپاہیون کو لیکر اسے راستہ ہی مین لوٹ لیا یہ سنہ ء کا واقعہ ہے۔ اس مین سے بہت سی رقم تو شیواجی نے اپنے سپاہیون مین تقسیم کردی اور باقی جو کچھ بچا راجگڑھ کو پہونچا دیا۔ خزانہ کا لٹنا کوئی معمولی بات نہ تھی جب اسکی خبر بیجاپور پہونچی تو ریاست کے بھی کان کھڑے ہوئے شاہ جی سے پھر کہا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس غارتگری سے باز رکھے مگر شاہ جی نے اسکے جواب مین اپنی مجبوری ظاہر کرکے پھر ایک خط شیواجی کو لکھ بھیجا۔ مگر شیواجی نے مزید کارروائیان شروع کردین۔ اس کی فوجی طاقت کے روبرو کوئی قلعہ دار اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اور سنہ ۱۹۵۳ء تک شیواجی نے کلیان سے دریاے نربدا تک کا سارا ملک اور کل قلعے اپنے قبضہ مین کرلیئے۔ اور سرکار بیجاپور نے حکمت عملی سے شاہ جی کو قید کرلیا۔ شیواجی نے جب یہ خبر سنی تو ساری لوٹ مار فوراً موقوف کردی۔ اسکی خبر بھی بیجاپور پہونچ گئی مگر شاہ جی مقید ہی رہا۔ اب شیواجی اپنے باپ کی رہائی کی تدبیرین سوچنے لگا اور جب کوئی حکمت کارگر نہ ہوئی تو اس نے شاہ جہاں سے اسکی رہائی کی بابتہ درخواست کی جس نے کل معاملہ کو رفع کرنے کے لیے بیجاپور سے شاہ جی کی رہائی اور کسی منصب پر شیواجی کی ماموری کی سفارش کی۔ چنانچہ شاہ جی رہا کردیئے گئے اور رہائی کے

Marfat.com

بعد شاہ جی اپنی کرناٹک کی جاگیر کو چلا گیا ۔ شیواجی کو پنجہزاری کا عہدہ ملا ۔ اور شیواجی برائے نام دولت عادل شاہی کا ملازم ہوگیا ۔ مگر دراصل اپنی ہی دُھن مین لگا رہا

پرتاب گڈھ

۱۶۵۳ء مین جس وقت شاہجی ضلع کرناٹک مین کسی بغاوت کے روکنے مین مشغول تھا اور دولت بیجاپور بھی انھین کارروائیون مین مصروف تھی ۔ شیواجی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کوکنی گھاٹ کو جو ایک پہاڑی ملک ہے اپنے قبضہ مین لانے کی کوشش شروع کردی مگر راجہ جاولی کی وجہ سے اسکی کوششون مین سخت رخنہ پڑتا تھا ۔ اسلیئے شیواجی نے پہلے اسکا کام تمام کرکے اسکا سارا ملک چھین لیا اور کرشنا ندی کے دہانے پر مہابالیشور کے قریب پرتاب گڈھ کے نام سے ایک زبردست قلعہ تعمیر کیا اور اسکا قلعہ دار پنگلے نامی ایک براہمن کو بنادیا ۔ یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے جسکی سطح ہموار ہے اور چارون طرف سے یہ پہاڑون سے گھرا ہوا ہے اور اسکا راستہ سخت دشوار گزار ہے اسی لیے شیواجی نے اس قلعہ کو اپنا ماوا و ملجا بنایا اور یہین سے مغلکر شاہی حدود مین بھی لوٹ مار مچایا کرتا تھا ۔ چنانچہ ۱۶۵۷ء مین شیواجی نے جنیر پر حملہ کردیا ۔

شیواجی اور افضل خان

یہ کارروائی ایسی نہ تھی کہ حکومت عادل شاہی خاموش رہے اسلیئے ۱۶۵۹ء مین علی عادل شاہ دوم نے اپنے ایک تجربہ کار افسر افضل خان کو شیواجی کی سرکوبی کیلیئے مقرر کیا اور افضل خان پانچہزار سوار ۔ سات ہزار پیدل اور ایک معقول توپ خانہ لیکر شیواجی کی طرف روانہ ہوا ۔

شیواجی کی پریشانی

شیواجی کو اسکی خبر پہونچی تو اس نے قلعۂ پرتاب گڈھ مین آکر اپنا انتظام کرنا شروع کردیا ۔ مگر اسوقت شیواجی کے پاس کافی فوج نہ تھی اس لیے اس نے ایسی تدبیر سوچی کہ جس سے سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے !

شیواجی نے ایک خط افضل خان کو لکھا کہ مین دولت بیجاپور کا نمک خوار ہون اور میرا خاندان بھی ابتک اسی دولت کے زیر سایہ امن و امان مین رہا ۔ مجھ سے جو کچھ قصور ہوا ہے اسکے لیے مین معافی کا خواستگار ہون ۔ مین خود حاضر خدمت ہوتا مگر مارے خوف کے میری ہمت نہین ہوتی اگر آپ میری جان کی سلامتی کا وعدہ کرین تو بخوشی حاضر ہوکر کل معاملات کی صفائی کرسکون اس مضمون کا خط لکھکر اپنے ایک وکیل کے ہاتھ روانہ کیا ۔ افضل خان یہ خط پڑھکر خوش ہوا ۔ چنانچہ اپنے ایک وکیل پنتھ جی گوپی ناتھ کے ہاتھ اسکا جواب دیکر شیواجی کے پاس روانہ کیا ۔ گوپی ناتھ نے شیواجی سے ملاقات کی بہت دیر تک اس معاملہ پر بحث ہوتی رہی ۔ شیواجی نے گوپی ناتھ کو بھی ملالیا اور اس نے وعدہ کیا کہ جسطرح ممکن ہوگا وہ افضل خان کو تنہا ملنے پر راضی کردیگا ۔

Marfat.com

گوپی ناتھ کے روانہ ہوتے ہی شیواجی نے قلعہ پرتاپ کے نیچے کا میدان صاف کروایا۔ شاہانہ شامیانے نصب کروائے اور فوج کے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو تمام جھاڑیوں میں چھپا دیا کہ وہ بہت ہوشیاری اور خبرداری سے وقت کے منتظر رہیں۔ ہر سپاہی کیل کانٹے سے درست تھا اور تاناجی مال ... ی کو جو کہ شیواجی کا بہادر سا افسر تھا اس کام پر مقرر کیا۔ چنانچہ افسر مذکور نے تمام ماولی قوم کے سپاہیوں کو مناسب جگہوں پر جھاڑیوں کے جھنڈ میں اس طرح چھپا دیا کہ ایک شخص بھی نظر نہ آسکتا تھا۔

پنتوجی گوپی ناتھ نے آکر افضل خان سے کہا کہ آپ سے شیواجی بہت ہی خوف کھاتا ہے اور شاہی فوج کو دیکھکر گھبرا رہا ہے لہذا اگر آپ تنہا ملنے چلیں تو مناسب ہوگا کیونکہ اگر آپ اپنی فوج کے ساتھ چلیں گے تو خوف ہے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔ افضل خان بھی راضی ہوگیا اور اپنی تمام فوج کو اپنی لشکر گاہ ہی میں چھوڑکر تنہا گوپی ناتھ کے ساتھ روانہ ہوا کہتے ہیں کہ افضل خان کے جسم پر صرف ململ کا انگا اور ایک تلوار تھی اور اسکے ہمراہ صرف ایک خادم تھا۔

شیواجی کے مخبروں نے جب خبر دی کہ افضل خان ملنے کے لیے آرہا ہے تو اس نے بھی ساری تیاریاں کرلیں یعنی اشنان کرکے پہلے تو اپنی بھوانی دیوی کی پوجا پاٹ کی اور دیوی کے چرنوں پر سر رکھکر التجا کی کہ اے ماتا! اس وقت تیری امداد کی ضرورت ہے تیرے دشمنوں کو شکست ہو اور تیرے نام لیوا فتح پائیں اسکے بعد اپنی ماں جی جی بائی کے پاس گیا اور ان کے پیروں پر سر رکھکر دعا کا خواستگار ہوا اسکے بعد تمام اپنے ساتھیوں کو بلا کر نصیحت کی کہ مرنا جینا تو سب کے لیے ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب مریگا اور کب تک جیئے گا۔ آجتک میں نے جو کچھ اپنے دھرم اور ملک کی خدمت کی وہ کچھ بھی نہیں ہے تم میرے پیچھے میرے نقش قدم پر چلنا۔ اگر خدا نے مجھے کامیابی دی تو پھر وہی خدمت انجام دینے کی کوشش کرونگا ورنہ اس کمی کو تم سب ملکر پورا کرنا۔ اسکے بعد اپنی پگڑی میں فولادی خود رکھ لیا اپنے چغے کے اندر بکتر پہن لیا۔ داہنے ہاتھ میں آستین کے اندر ہلال نما خنجر لے لیا اور بائیں ہاتھ میں شیر پنجہ چڑھا لیا جسے "باگھ نکھ" بھی کہتے ہیں۔ کمر سے وہ تلوار لگالی جسے مرہٹوں کے خیال کے مطابق دیوی بھوانی نے عطا فرمائی تھی اسکے بعد نہایت ہی ہوشیاری اور خبرداری سے ایک لمبا سا چغہ پہن لیا جس سے شیواجی کا ایک بھی ہتھیار نظر نہ آتا تھا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ سے اترا۔

ادھر افضل خان انتظار میں کھڑا تھا۔ شیواجی افضل خان کو دکھانے کے لیے مخواہ مخواہ خوف ظاہر کرنے لگا یہ دیکھکر افضل خان بھی سمجھ گیا کہ واقعی شیواجی خوف زدہ ہوگیا ہے۔ الغرض دونوں آگے بڑھے اور افضل خان نے معانقہ کے لیے دستور کے موافق ہاتھ پھیلائے شیواجی

فوجی پوزیشن

افضل خان کا قتل

نے موقع کو غنیمت جانا اور فوراً بغلگیر ہوتے ہی تیز خنجر افضل خان کے پیٹ میں گھسیڑ دیا اور دوسرے ہاتھ میں جو بال نما خنجر تھا اُس سے پیٹ چاک کر ڈالا - افضل خان کی آنتیں باہر نکل پڑیں - گر مرتے مرتے اِس نے شیواجی پر تلوار کا وار کیا مگر کیا ہو سکتا تھا - کیونکہ شیواجی کے سر پر خود اور جسم پر فولادی بکتر تھا - افضل خان کے ساتھ جو خادم تھا اُس نے بھی اپنے آقا کی امداد کی - مگر آخر اس رسیدہ کا کام بھی تمام کر دیا گیا - افضل خان کا سرتن سے اوتار لیا گیا اسکے بعد شیواجی کی فوج جو چھپی پڑی تھی اشارہ پاتے ہی جھاڑیوں سے نکل پڑی -

افضل خان کی فوج جو کہ بالکل بے خبر اپنی لشکرگاہ میں مقیم تھی - مرہٹہ فوج کو یکایک حملہ آور ہوتے ہوئے دیکھکر گھبرا گئی - ہتھیار سنبھالتے تک انھوں نے قتل عام مچا دیا - آخر ساری فوج تتر بتر ہو گئی - کہتے ہیں کہ افضل خان کی فوج کا ایک بھی سپاہی سلامت نہ بچا اور کوئی بچا بھی تو بالکل زخمی ہو کر بھاگ نکلا -

اب شیواجی کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا - آجتک کبھی اتنی دولت - ہتھیار - گولا بارود اور گھوڑے وغیرہ شیواجی کے ہاتھ نہ لگے تھے - کہتے ہیں کئی کروڑ ہن افضل خان اپنے ہمراہ لایا تھا - کئی ہزار گھوڑے تھے جو تقریباً سب کے سب مل گئے تھے - شیواجی کو اس کامیابی پر بہت ہی خوشی ہوئی اور اِس نے بہت کچھ محتاجوں اور برہمنوں کو خیرات بھی کی - مرہٹہ فوج بھی اِس غنیمت کے ملنے سے بہت خوش ہوئی کیونکہ اسوقت تک شیواجی نے یہ مقرر کر رکھا تھا کہ جو کچھ مال غنیمت ملے اُسکا ایک کافی حصہ فوج میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی حصہ ضروری اخراجات کے لیے خزانہ میں داخل کیا جائے -

بیجاپوری فوج پر شیواجی نے یہ ایک زبردست فتح پائی اس سے اسکی اور بھی ہمت بڑھ گئی چنانچہ پنالا اور پاؤن گڑھ پر شیواجی نے حملہ کیا - بیجاپور تک تمام قصبات تاخت و تاراج کر ڈالے بلکہ دریائی ساحل تک چلا گیا اور راجاپور بھی لے لیا - یہ دیکھکر دولت بیجاپور نے پھر دوسری مہم روانہ کی مگر شیواجی نے اِس فوج کا مقابلہ کرنا مناسب نہ جانا اور پنالا میں آکر مقیم ہو گیا اور کسی دوسری مہم کا انتظام کرنے لگا - چنانچہ اِن نئے مفتوحہ ممالک کے قلعوں کو مستحکم کرنے لگا - یعنی پہاڑی قلعے مثلاً ساٹڑی اور سنودرگ کے قلعہ از سر نو تعمیر کیے اور قلابہ کے سیوبرن درگ اور وجیا درگ کے قلعہ جات کو بھی خوب ہی مستحکم کر لیا اور سب قلعوں میں کافی گولا بارود اور رسد جمع کر کے معتبر قلعہ دار مقرر کر دیئے -

Marfat.com

شیواجی بچپن ہی سے اپنے باپ سے جدا ہو گیا تھا جسکی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ جی نے دوسری شادی کر لی تھی لہذا شاہ جی نے جی جی بائی کو پونہ والی جاگیر مین اور اپنی دوسری بی بی کو کرناٹک والی جاگیر مین رکھا اور ملازمت کی وجہ سے شاہ جی اپنی دوسری بی بی کے ساتھ رہا کرتا تھا - اب شیواجی کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے سلطنت بیجاپور بہت کچھ خائف ہو گئی تھی - اور شاہ جی کو شیواجی کے سمجھانے کے لیے بھیجا - شیواجی نے اپنے باپ کا بڑی دہوم دھام سے استقبال کیا - بیٹے کی کامیابی پر اس نے اپنی خوشی تو ظاہر کی مگر آخر مین یہ بھی سمجھایا کہ بڑی بڑی سلطنتون سے مقابلہ کرنا کوئی کھیل نہین ہے - اسلیئے ان دست درازیون کو روکنا چاہیئے باپ کے بہت سمجھانے سے شیواجی نے ان حرکات سے دست بردار ہونے کا وعدہ کیا - کچھ دنون کے بعد شاہ جی اپنے بیٹے سے رخصت ہوا - جاتے وقت شیواجی نے بادشاہ بیجاپور کے لیے بہت سے تحائف دیئے اور کہلا بھیجا کہ آئندہ بیجاپوری حدود مین کوئی دست درازی نہ کی جائیگی - بشرطیکہ میری حدود مین میری بھی مخالفت نہ کیجائے -

ادہر شاہ جی بیجاپور کی طرف روانہ ہوا ادہر شیواجی نے اپنا پائے تخت ایسی جگہ پر قائم کرنا چاہا جو مستحکم ہونے کے علاوہ دشمنون کے حملون سے بھی محفوظ رہے - چنانچہ راجگڑھ سے رائری کے قلعہ کو اپنا پایہ تخت مقرر کیا اور اسکا رائے گڑھ نام رکھا اور سارا خزانہ وغیرہ لاکر یہان رکھا گیا - اس وقت شیواجی کی مالی حالت بہت اچھی تھی - فوجی حالت بھی خراب نہ تھی کیونکہ اسوقت شیواجی کے پاس پچاس ہزار پیدل اور سات ہزار سوار تھے - گولا بارود بھی کافی تھا چنانچہ اتنی فوج کو شکست دینا دولت بیجاپور کے لیے بھی کوئی آسان کام نہ تھا - شاہ جی کی ملاقات سے جو معاملہ طے ہوا اس سے کچھ دنون تک تو شیواجی خاموش رہا یعنی شاہی حدود مین کوئی دست درازی نہ کی مگر اپنی فوج کو آراستہ کرنے سے غافل نہ تھا اور شب و روز ملکی و فوجی معاملات مین معروف رہا -

بیجاپوری علاقہ سے ذرا مہلت ملی تو شیواجی نے مغلیہ حدود پر دست درازی شروع کی بار بار مغلیہ سے اسکے استیصال کے لیے شائستہ خان کو حکم دیا گیا - شیواجی نے مغلیہ فوج کا مقابلہ کرنا مناسب نہ جانا - چنانچہ اپنے پہاڑی قلعون کی طرف آ گیا شائستہ خان بھی ایک زبردست لشکر لیکر آن پہونچا اور پونہ پر قابض ہو گیا اور چاکن بھی لے لیا - جسوقت شائستہ خان پونہ مین مقیم تھا اسوقت شیواجی نے ایک حکمت عملی سے کام لیا یعنے رات کے وقت کچھ لوگ جمع کر لیئے - اور

Marfat.com

ایک مصنوعی برات نکال کر شہر میں داخل ہوا۔ مغلیہ فوج کے سپاہی اور شائستہ خان کے محافظ سپاہی یہی سمجھے کہ کسی کی برات ہوگی کچھ تو برات کی دھوم دھام دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور کچھ اپنے کام سے کام میں لگ گئے جس جگہ شائستہ خان مقیم تھا وہاں سے شیواجی پوری طرح سے واقف تھا۔ چنانچہ اپنے چند ہوشیار ہمراہیوں کے ساتھ اندر گھس گیا۔ سب لوگ سوتے تھے شیواجی شائستہ خان کے قریب پہونچ گیا اور تلوار کھینچ کر چاہتا تھا کہ وار کرے مگر اتنے میں شائستہ خان کی ہمراہی مستورات میں سے کچھ ہوشیار ہوگئیں اور شور مچا دیا۔ شائستہ خان کودکر دوسرے کمرے میں ہو رہا مگر اسمیں بھی شیواجی نے ایک ایسا وار کیا کہ جس سے شائستہ خان کے ہاتھ کی دو انگلیاں اُڑ گئیں اور اسکے بعد شیواجی فوراً چور دروازے سے نکل گیا۔ بعد میں شیواجی کا تعاقب بھی کیا گیا مگر اسکا انتظام زبردست تھا پونہ سے سینہ گڈھ کے قلعہ تک ہر جگہ لوگ مقرر کر دیئے تھے جنکا مقابلہ کرنا رات کے وقت مغلیہ سپاہیوں سے بالکل ممکن نہ تھا الغرض شائستہ خان واپس گیا اور پھر پونہ شیواجی کے قبضہ میں آگیا۔ اسکے بعد شیواجی نے شہر سورت پر حملہ کیا جو اُن دنوں ہندوستان کے چند مشہور شہروں میں سے تھا۔ یہاں کی تجارت اعلیٰ درجہ پر تھی اسی جگہ انگریزی تجارت کا مرکز تھا۔ یورپ لوگوں نے بھی تجارتی کارخانے قائم کر رکھا تھا مگر اس حملہ میں ان لوگوں کو کچھ نقصان نہ پہونچا۔

جنوری سنہ ۱۶۶۴ء میں شیواجی کے والد شاہ جی کا انتقال ہو گیا کہتے ہیں شاہ جی شکار کو گیا تھا۔ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے اس کے چوٹ لگی اور چند روز بیمار رہکر مر گیا۔

اسکے بعد شیواجی نے اپنی آزادانہ سلطنت قائم کی اور راجہ کا خطاب بھی اختیار کیا انتظام سلطنت کے لیے اپنے ہاں کے منتخب آٹھ اشخاص مقرر کیے۔ جنمیں سلسلہ سلطنتی کاروبار تقسیم کر دیا۔

راجہ کا خطاب اختیار کرتے ہی شیواجی نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ مگر افسوس ہے کہ ابکے سکے بہت کم دستیاب ہوتے ہیں اور جو ملتے بھی ہیں تو وہ پیشوائی سکے ہوتے ہیں۔

اورنگ زیب شیواجی کی کارستانیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسنے ایک زبردست فوج بسر کردگی راجہ جے سنگھ اور دلیر خان روانہ کی۔ یہ دونوں اورنگ زیب کی فوج کے مشہور افسر تھے۔ فوجی معاملات میں یہ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اسی طرح ملکی معاملات بھی خوب سمجھتے تھے مخصوصاً راجہ جے سنگھ ملکی معاملات میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اور آنکی خداداد لیاقت اور ذہانت کی وجہ سے

Marfat.com

اورنگ زیب اُسمین از حد عزیز رکھتا تھا۔ اس مہم پر دلیر خان کے ہمراہ کرنے سے اورنگ زیب کی یہی غرض تھی کہ شیواجی کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہو اُسمین کسی بات کا نقص نہ ہو اور معاملہ صاف ہو جائے۔ مگر شیواجی کے لیے اس فوج کا مقابلہ کرنا بالکل غیر ممکن تھا۔ ان دونون نے آتے ہی لڑائی شروع کردی۔ جس جگہ یہ دونون جاتے فتح ہوتی تھی۔ شیواجی بالکل گھبرا گیا۔ چنانچہ راجہ جے سنگھ اور دلیر خان سے صلح کی گفتگو شروع کی اور راجہ جے سنگھ سے ملنے کی درخواست کی جسپر وہ راضی ہو گئے۔ چنانچہ جسوقت شیواجی ملنے آیا تو راجہ نے بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ صلاح و مشورت کے بعد یہ قرار پایا کہ شیواجی دہلی جائے اور بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہو کر اپنی جاگیر وغیرہ کا فیصلہ کرے۔

شیواجی دہلی مین

راجہ جے سنگھ سے جو وعدہ کیا تھا اُسکے پورا کرنے کو شیواجی ۱۶۶۶ء مین پانسو چیدہ سوار اور ایک ہزار سپاہیون کو لیکر اپنے بیٹے سنبھاجی کے ساتھ دہلی کو روانہ ہوا۔ شیواجی کو بہت بڑی اُمید تھی کہ اورنگ زیب کی طرف سے اسکا عمدہ استقبال ہوگا مگر جسوقت یہ دہلی پہونچا تو صرف ایک معمولی امیر شیواجی کے استقبال کو آیا جس سے شیواجی کو سخت رنج ہوا۔ دوسرے روز دربار مین بھی معمولی امیرون کی صف مین جگہ ملی۔ جس سے شیواجی کو سخت صدمہ پہونچا۔ اورنگ زیب شیواجی کی حرکات و سکنات سے تاڑ گیا کہ شیواجی کچھ نہ کچھ کیا چاہتا ہے لہذا خفیہ طور سے اس نے شیواجی کو نظر بند کرنے کا حکم دیدیا۔ شیواجی تاڑ گیا اور اپنے نکل جانے کی تدبیرین کرنے لگا۔ دہلی کے قیام مین اس نے بہت سے اُمرا سے ملاقات کر کے دوستی پیدا کر لی تھی اور سب اسے جان گئے تھے کچھ دنون بعد شیواجی نے علالت کا بہانہ کیا اور صاحب فراش ہو گیا۔ شاہی طبیب بھی آنے لگے شیواجی برہمنون مین تقسیم کرنے کے لیے کچھ مٹھائی منگوایا کرتا تھا جو کہ بڑے بڑے ٹوکرون مین آیا کرتی تھی چنانچہ ایک روز موقع پا کر اُن ٹوکرون مین سے ایک مین اپنے بیٹے کو بٹھلا کر اور ایک مین آپ بیٹھکر نکل گیا۔ شہر کے باہر کسی مقررہ جگہ پر دو گھوڑے کھڑے تھے ان پر سوار ہو کر یہ متھرا ہو نکلے یہان پر اسکا جان نثار دوست تاناجی مال سوری ملا شیواجی نے اپنے بیٹے سنبھاجی کو کسی برہمن کے حوالے کر کے دسمبر ۱۶۶۶ء مین اپنے صدر مقام رائگڑھ کو پہونچگیا۔ دہلی سے جاتے وقت شیواجی نے اپنے بستر پر کسی خادم کو اپنے کپڑے پہنا کر لٹا دیا تھا ایک روز کے بعد یہ راز کھلا۔ شاہی سوار اور ہرکارے چارون طرف دوڑائے گئے مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

بحیثیت منتظم

رائگڑھ پہونچتے ہی اس نے پھر اپنے مقبوضات کا انتظام شروع کر دیا اگرچہ اس نے

Marfat.com

اپنی غیر حاضری میں چند لائق اور قابل اعتبار لوگ مقرر کر دیے تھے مگر مالک نہ ہونے سے فوجی انتظام میں بالکل کاہلی سے کام لیا جاتا تھا۔ شیواجی کے واپس آتے ہی پھر فوج میں دوبارہ روح آگئی اور جو کچھ بدنظمی وابتری پھیلی ہوئی تھی اُسکا تدارک کر دیا گیا ۱۶۶۹-۱۶۶۸ء یہ دو سال شیواجی کے لیے بڑی ہی مصروفیت کے تھے۔ ملکی انتظام کے علاوہ فوج کا بندوبست اور ترتیب نئے پیمانہ پر کی گئی اور پیشتر سے زائد چیدہ چیدہ سپاہی رکھے گئے۔

فوجی انتظام

"ماؤلی سپاہی" پہاڑی حصہ کے باشندے تھے اور "ہیٹکری" حصہ کوکن کے رہنے والے تھے۔ یہ لوگ پہلے پہل اپنے ہی ہتھیار لا کر فوج میں بھرتی ہوتے تھے اور شیواجی انھیں بارود وغیرہ دیا کرتا تھا۔ ابتدا میں ان لوگوں کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی بلکہ جو کچھ مال غنیمت ملجایا کرتا تھا اسی پر یہ لوگ راضی ہو جایا کرتے تھے اور برابر اپنی خدمات ادا کیا کرتے تھے

پیدل فوج

شیواجی کا فوجی نظم ونسق مغلیہ فوج سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا۔ چنانچہ اسنے اپنی فوج کی ترتیب یوں کی تھی کہ ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر مقرر کیا جسے "نائیک" کا خطاب دیا۔ ہر پچاس سپاہیوں پر ایک "حوالدار" اور ہر سو سپاہیوں پر ایک "جمعدار" ہر ہزار سپاہیوں پر ایک "ہزاری" مقرر کیا۔ "پانچہزاری" بھی ایک عہدہ تھا جسکے ماتحت پانچہزار سپاہی ہوا کرتے تھے۔ اور ایک سپاہ سالار بھی ہوا کرتا تھا جسے "سرنوبت" کہا جاتا تھا۔ اسکے ماتحت تمام فوج رہا کرتی تھی۔

پیدل فوج کی بہ نسبت شیواجی کا رسالہ زیادہ تر قوی اور زبردست تھا۔ رسالہ میں دو قسم کے لوگ یا سوار ہوا کرتے تھے۔ جو لوگ اپنا گھوڑا نہ رکھتے تھے اور سلطنت سے گھوڑا دیا جاتا تھا ایسے سوار کو "بارگیر" کہا کرتے تھے اور جو لوگ اپنا گھوڑا رکھکر رسالہ کی نوکری کرتے تھے اُنھیں "سلحدار" کہا جاتا تھا۔ "بارگیر" کی بہ نسبت "سلحدار" کی عزت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ ہر حالتمیں رسالے کے گھوڑوں کو سلطنت سے خوراک وغیرہ مہیا کی جاتی تھی۔

شہر میں رسالے کے رہنے کا انتظام کیا جاتا اور جس امیر کے ماتحت جسقدر رسالہ ہوتا اور جس جگہ وہ رہتا تھا اُسے "پائیگاہ" کہا کرتے تھے۔ جسے آج کل ہم کیولری لائنس کہتے ہیں۔

رسالہ کی وردی

رسالہ کی وردی بھی ترتیب پیدل سپاہیوں کی مانند ہوا کرتی تھی مگر کمر سے دو ٹیہ یا ایک چوڑا کپڑا باندھا جاتا تھا اسمیں تلوار رکھی جاتی تھی۔

رسالہ کا ہتھیار

تلوار اور ڈھال کے علاوہ سواروں کے پاس بھالے بھی رہا کرتے تھے۔ جنکا استعمال

Marfat.com

اکثر پہلے حملہ کے وقت ہوا کرتا تھا۔ مگر جب دوبدو کی لڑائی ہوتی تو پھر تلوار اور ڈھالیں کام میں لائی جایا کرتی تھیں۔

شیواجی نے اپنی پیدل فوج کے مانند اپنے رسالہ کو بھی باقاعدہ طور سے کئی حصوں میں تقسیم کردیا تھا یعنی ہر پچیس سواروں پر ایک حوالدار مقرر تھا ہر سو سواروں پر ایک جملہ دار اور ہر ایک پانچویں جملہ یعنے ۶۲۵ سواروں پر ایک صوبہ دار تھا۔ ہر ایک صوبہ دار کے ماتحت ایک منشی مقرر تھا جو کہ تمام حساب کتاب رکھا کرتا تھا۔ اس خدمت پر اکثر برہمن یا پربھو رہا کرتے تھے کیونکہ ان دونوں قوموں کے سوا کوئی ملتا بھی نہیں تھا اور نہ دوسری قومیں حساب کتاب کو پسند کرتی تھیں۔ چنانچہ اسوقت بھی یہی حال ہے۔ مہاراشٹر اور دکن میں اگر کوئی قوم حساب کتاب میں ہوشیار ہے تو وہ برہمن ہیں ہر دس صوبہ داروں یعنے پانچہزار سواروں پر ایک ۵ ہزاری افسر بطور جنرل مقرر ہوا کرتا تھا ۵ ہزاری افسر پر کوئی خاص دوسرا افسر نہ ہوتا تھا مگر سر نوبت ہی سب سے اعلیٰ افسر سمجھا جاتا تھا۔

محکمۂ مخبری

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُسوقت کے لحاظ سے شیواجی کا محکمۂ مخبری نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ہندوستان میں اُسوقت کسی راجہ یا بادشاہ کے پاس اس پایہ کا محکمۂ مخبری نہ تھا۔ شیواجی اپنے مخبری محکمہ میں چیدہ چیدہ ہوشیار پڑھے لکھے لوگ رکھا کرتا تھا۔ اگرچہ اسکی حکومت ایک محدود حصہ تک ہی ہے مگر سارے ہندوستان کی خبر اسے فوراً ملجایا کرتی تھی۔ چنانچہ ہر ایک جملہ دار صوبہ اور ۵ ہزاری افسر کے پاس ایک خاص محکمہ مخبری قائم تھا۔ جس سے فوجی افسروں کو ہمیشہ ملک اور غیر ملک کی تازہ خبروں سے واقفیت رہا کرتی تھی۔ شیواجی اس محکمہ پر سخت نگرانی رکھا کرتا تھا۔

کوئی شخص جو فوجی یا ملکی خدمت کے لیے ملازم رکھا جاتا اسے سب کے پہلے شیواجی کے پاس لیجایا کرتے تھے کیونکہ کسی اور شخص کو تقرری کا اختیار نہ تھا۔ شیواجی ہمیشہ اچھی طرح جانچ پرتال کے بعد اُسے ملازم رکھتا اور کچھ دنوں تک اسکی سخت نگرانی کرتا تھا۔

سپاہیوں کی تنخواہ

پہلے پہل تو یہ دستور رکھا گیا تھا کہ جو لوگ فوج میں بھرتی ہوا کرتے تھے اُنھیں لوٹ وغیرہ میں سے حصہ دیا جاتا تھا مگر بعض اوقات زیادہ تاخیر ہونے سے لوگ شاکی رہا کرتے تھے کہ لوٹ میں جو کچھ ملا تھا وہ سب خرچ ہوگیا لہٰذا شیواجی نے یہ مقرر کیا کہ ہر ایک سپاہی کو روزانہ غلہ وغیرہ دیا جائے پھر اس غلہ کی تقسیم ہفتہ وار کی گئی بعض لوگ عیال و اطفال زائد ہونیکی وجہ سے زیادہ مانگا کرتے تھے

Marfat.com

لہٰذا انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ تنخواہ مقرر کی جائے چنانچہ تین روپے سے چھ روپے تک ماہوار تنخواہ مقرر کی گئی۔ پہلے پہل ایک سپاہی تین روپے سے نوکر ہوا کرتا تھا اور رفتہ رفتہ اپنی کارگزاری کی وجہ سے ترقی کر کے چھ روپے طلب حاصل کرنے لگتا تھا۔ رسالہ میں ایک "بارگیر" سوار کو چھ روپے سے پندرہ روپے اور ایک "سلحدار" کو ماہوار اٹھارہ روپے سے چھتیس روپے تک تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اور یہی انتظام شیواجی کی زندگی تک رہا۔

شیواجی کو گھوڑوں کا از حد شوق تھا چنانچہ انکی پرداخت کے لیے زبردست "ڈپو" مقرر تھا صاف موسم میں تو حملہ آوری کے وقت دشمن کے ملک میں انکا گزارہ ہوجایا کرتا تھا مگر موسم بارش میں انکو "ڈپو" میں رکھا جاتا تھا اور یہاں پر انکی نسل وغیرہ بڑھانے کی کوشش اور تدبیریں کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ جو جانور اس جگہ کے لائق نہ ہوتے ان کو ایسے جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا جہاں پر عمدہ گھاس ہوتی تھی۔

دسہرہ کا تہوار شیواجی کے بہت ہی دلپسند تھا کیونکہ گھوڑوں ہتھیاروں سے اسے دلی الفت تھی۔ اس تیوہار میں گھوڑوں کو خوب سجا کر انکا جلوس نکالا جاتا تھا۔ اسی روز شیواجی اپنے تمام رسالہ کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ جو سوار اپنے گھوڑے کی اچھی پرداخت رکھتے انکو انعام اکرام ملتا تھا اسی روز شیواجی اپنے ہتھیاروں کی پوجا بھی کیا کرتا تھا اور بھوانی دیوی سے دعا بھی مانگا کرتا تھا کہ "ماتا! ان ہتھیاروں میں وہ اثر دے جو دشمن پر پڑتے ہی فتح کی آواز نکلے" اسی تیوہار سے سارے دفاتر کا حساب کتاب تمام ہوتا تھا اور نیا کاروبار شروع ہوا کرتا تھا۔

سنہ ۱۶۷۴ء تک شیواجی نے اپنے فتوحات کو خوب ترقی دی اور بہت سا ملک اپنے قبضہ میں کر لیا۔ مہاراشٹر کے مشہور مشہور قلعے اپنے قبضے میں کر لیئے اور دولت بھی خوب حاصل کر لی۔ اسکے بعد اسے اپنی تاجپوشی کا خیال ہوا۔ چنانچہ اس سال قلو رائے گڈھ میں اسنے ایک بڑا جشن کیا اور اپنے مذہبی و قومی رسوم کے مطابق تاجپوشی کی رسم ادا کر کے "چھترپتی مہاراج" کا لقب اختیار کیا۔ اسکے بعد کچھ معمولی جنگیں بھی ہوئیں مگر اسکا ذکر یہاں طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

شیواجی کی عمر ۵۳ سال کی ہو چکی تھی اتفاقاً شیواجی کے گھٹنوں میں درد اٹھا۔ درد اٹھتے ہی تمام گھٹنا سوج گیا اور سخت بخار آنے لگا بالآخر ۵۔ اپریل سنہ ۱۶۸۰ء کو اس دار فانی سے عالم بقا کو بمقام قلو رائے گڈھ کوچ کیا۔ اور سنبھاجی اسکا بیٹا جانشین ہوا۔

مہاراشٹر میں شیواجی کا سا اب نہ کوئی شخص پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ غریبی سے امیری اور

اسیری سے شاہی کے درجہ کو پہونچنا اسی کا کام تھا سترہوین صدی مین مسلمانون کا دکن مین کتنا زور تھا اور ایسے وقت مین ایک علٰحدہ سلطنت قائم کرنا کچھ آسان بات نہ تھی مگر شیواجی کے بہت بڑے ارمان تھے افسوس اُسکی عمر نے وفا نہ کی مگر اسپر بھی کچھ نہ کچھ کرہی کے چھوڑا۔ جسطرح سے یہ ایک سپاہی تھا اسی طرح اسمین ملکی کارروائیون کی پوری لیاقت تھی۔ جسطرح انتظام سلطنت مین یدطولی رکھتا تھا اسی طرح خدا پرست بھی تھا۔ بعض مورخین اسپر یہ الزام لگاتے ہین کہ شیواجی لٹیرا اور غارت گر تھا اور ہمیشہ دغابازی سے کام لیا کرتا تھا۔ مگر ہم ان الزامون کے ماننے کے لیے تیار نہین ہین۔ کیونکہ ایسے مورخین کو سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ پہلے اُسوقت کی حالت کو دیکھین شیواجی کے سامنے کسقدر مشکلات تھین۔ مثلاً افضل خان کو قتل نہ کرتا تو کیا کرتا۔ شیواجی کے پاس اتنی فوج نہین تھی کہ افضل خان کا مقابلہ کرتا۔ مگر یہ باتین اُسوقت کے مذاق کے موافق کچھ عیب مین داخل نہ تھین۔ آجکل کی تہذیب اگرچہ بہت بڑہی ہوئی ہے۔ مگر شیواجی کے زمانہ سے بھی زیادہ فریب اور دغابازیان کی جاتی ہین۔ در اصل شیواجی مسلمانون کا دشمن نہ تھا اور نہ اُنکے مذہب کا مخالف۔ ملکی کارروائیون کی وجہ سے تعصب کا الزام فضول ہے۔ ہر شخص اپنی بھلائی اور بہبودی کا خواستگار رہا کرتا ہے اور ملک گیری مین بعض اوقات کوئی نہ کوئی اخلاقی جرم سرزد ہوہی جاتا ہے۔ جہانتک ہمنے شیواجی کے حالات پڑھے ہین اُن سے نفرت کی کوئی بُو نہین آتی۔ شیواجی اپنے دہرم کا سچا خیرخواہ تھا۔ اخلاقی معاملات مین شیواجی ایک فرشتہ خصلت آدمی تھا اسنے کبھی کسی غیر عورت پر کوئی بُری نگاہ ڈالی اور نہ کبھی کسی کے ساتھ بدسلوکی جائز سمجھی۔ حالانکہ بہت بار اسے اچھے اچھے موقع ملے۔ مستورات کو اسنے کبھی نہین ستایا اور نہ کبھی کوئی بری خواہش ظاہر کی وہ ملک کا سچا خیرخواہ اور قوم کا عاشق تھا

قطب الدین خان راقی

(جنوری ۱۹۱۴ء)

شیواجی و سوامی رام داس

مہاتما رام داس شیواجی کے گرو اور اپنے وقت کے ایک مشہور معروف ولی اللہ تھے۔ کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ جب شیواجی ستارہ میں مقیم تھے یہ بھی وہاں آکر کاسہ گدایانہ لیے دربدر گھومنے لگے اور اپنے الوالعزم چیلے کے (جو اس وقت چھترپتی۔ راجہ ہوگیا تھا) قیامگاہ کے قریب "جے رگھوپتی" کہکر کھڑے ہوگئے۔ شیواجی نے آواز پہچان کر ایک فوری جوش میں اپنے نائب سے کل جائداد اور سلطنت کا سوامی رام داس کے نام بخشش نامہ لکھوا دیا۔ اور اُسے محل کے باہر آکر اپنے گرو کے حوالے کر دیا۔ اُس رہبر معرفت نے یہ کہکر کہ مجھے کھانے کی ضرورت ہے نہ کہ کاغذ ایک شخص کو اُسے پڑھنے کو دیدیا۔ اور اُسکے نفس مطلب سے واقف ہونے پر شیواجی سے پوچھا کہ سلطنت تو مجھے دیدی اب تم کیا کروگے۔ وہ بولا کہ میں بھی دوسرے مریدوں کی طرح آپ کی خدمت گزاری میں بسر کرونگا۔ سیواجی نے اپنا قول نباھنے کے لیے فوراً گیروے کپڑے بھی پہن لیے اور فقیرانہ وضع اختیار کر لی۔ رمز شناس حقیقت اور تارک الدنیا سوامی جی کو امتحان اور نصیحت مدنظر تھی جب شیواجی اس امتحان میں پورے اترے تو انکی سلطنت انھیں واپس کرنا چاہی مگر شیواجی نے انکار کیا کہ چھتری کا دھرم ہے کہ کسی چیز کو ایک مرتبہ دیکر پھر واپس نہ لے۔ سوامی رام

Marfat.com

سے بہت پند و نصائح کے بعد شیواجی سے کہا کہ تم اپنے تئیں میرا نائب اور
ملازم سمجھو۔ میری طرف سے سلطنت کرو اور انتظام مملکت میں اپنے تئیں میرا
جواب دہ جانو۔ کیونکہ حکمرانی چھتریوں کا دھرم ہے تم میرے قائمقام ہو کر سب
کام عدل و انصاف اور رحم کو مدنظر رکھکر انجام دو۔ شیواجی کو سر تسلیم خم کرنے
کے سوا اور کیا چارہ تھا۔ مگر اسکے بعد سے گیروا کپڑا مرہٹوں کا قومی نشان قرار پایا
سوامی رامداس اور شیواجی کی تصویر جو اس پرچے کیساتھ ہدیۂ ناظرین کیگئی ہے
اسی تاریخی واقعہ کی یادگار ہے جو آجکل کی ہماہمی اور نفسا نفسی کے زمانہ میں
خاص طور پر مفید ثابت ہونا چاہیئے۔ فقط

Marfat.com

سلاطین مغلیہ کے دار الضرب

(نوشتہ جناب حکیم سید شمس اللہ قادری۔ ماہر آثار قدیمہ حیدرآباد دکن):۔

سلاطین مغلیہ سنہ ۹۳۲ھ سے ۱۲۷۴ھ تک تقریباً تین سو بیالیس ۳۴۲ سال ہندوستان مین حکمران رہے ہین اس طویل عرصہ مین ان بادشاہون نے جن جن شہرون مین اپنے سکّے مضروب کرائے ہین۔ اُن کی فہرست اس مضمون کے ذریعہ نذر ناظرین کیجاتی ہے۔

اسٹینلی لین پول[1] نے جو انگلستان کے مشہور مستشرق ہین برٹش میوزیم کے اسلامی سکون کی فہرست کئی جلدون مین مرتب کی ہے۔ اس کا وہ حصہ جو سکہ جات سلاطین مغلیہ سے تعلق رکھتا ہے ۱۸۹۲ء مین شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر مین مصنّف نے ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس مین ۱۰۶ دار الضرب کی فہرست درج ہے۔ اسکے ایک سال بعد ۱۸۹۳ء مین راجرس[2] نے لاہور میوزیم کے سکہ جات مغلیہ کی فہرست مدون کی اور اس مین برٹش میوزیم کی فہرست سے ... دار الضرب کے نام زیادہ درج کئے۔ ۱۹۰۸ء مین برٹش میوزیم کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ کا تکملہ شائع ہوا۔ ۱۹۱۴ء مین نلسن رائٹ[3] نے انڈین میوزیم کلکتہ کے مغلیہ سکون کی فہرست تیار کی۔ لیکن انھون نے لین پول اور راجرس کی فہرستون پر کسی جدید دار الضرب کا اضافہ نہین کیا۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کے رسالون مین

---

[1] S. LANE POOLE [2] C. RODEGERS [3] H.N. WRIGHT

۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۶ء تک ضمیمہ مسکوکات کے اکتیس نمبر شائع ہوئے ہیں۔ انہیں سلاطین مغلیہ کے ۱۲۰ دارالضرب کا تذکرہ آیا ہے وائٹ ہیڈ اور برن نے ۱۹۱۴ء میں پنجاب میوزیم اور ۱۹۲۰ء میں لکھنؤ میوزیم کے مغلیہ سکہ جات کی فہرستیں ترتیب دی ہیں ان میں بحیثیت مجموعی ۱۴۰ دارالضرب کا تذکرہ ملتا ہے۔

ان کے علاوہ سلاطین مغلیہ کے دارالضرب پر بعض ماہران سکہ جات نے مستقل مضامین لکھے ہیں۔ ان میں برن، ٹیلر اور وائٹ ہیڈ کی فہرستیں زیادہ مکمل اور مفصل ہیں۔ ان میں سے پہلی میں ۱۹۲۔ اور دوسری ۲۰۰۔ اور تیسری میں ۲۱۰ دارالضرب کے نام ہیں۔

ہم نے اس فہرست کے ترتیب دینے میں اوپر کی تصنیفات سے امداد لی ہے۔ انکے علاوہ ہالینڈ کے مشہور ماہر سکہ جات ڈاکٹر شالمان کے ناشرات سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔ الغرض بڑی جدوجہد کے بعد ۲۱۹ نام جمع کئے ہیں۔ برن اور ٹیلر کی فہرستوں میں بعض ایسے نام بھی درج ہیں جنکے سکے ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اسلئے ہم نے ان ناموں کو فہرست میں شامل نہیں کیا ہے۔ تاہم ناظرین کی واقفیت کیلئے ہم انھیں ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں۔

اعزآباد	بھاول پور	ٹانڈہ
جالندر	سکندرآباد	سیالکوٹ
سیتاپور	کالنجر	ہاپور

ہماری فہرست ترتیب کے لحاظ سے چار حصوں پر منقسم ہے۔

(۱) اس میں دارالضرب کے نام اور اُن کے تحت میں ان بادشاہوں کے نام ہیں جن کے سکے ان مقامات پر مضروب ہوئے ہیں۔

(۲) اس میں سلاطین کے نام اور اُنکے تحت میں اُن مقامات کے نام ہیں جہاں اُنکے سکے مضروب ہوئے ہیں۔

(۳) اس میں دارالضرب کے القاب مذکور ہیں اور اُنکے تحت میں اولاً اُن مقامات کی صراحت کی گئی ہے جنکے لقب مقرر تھے۔ اس کے بعد اُن سلاطین کے نام لکھے گئے ہیں جنکے سکوں پر یہ القاب مسکوک ہیں۔

(۴) اس میں بتلایا گیا ہے کہ دارالضرب کن کن القاب سے مشہور تھے

۵۳ NUMISMATIC. SUPPLEMENT. J.A.S.B

۵۴ R.B. WHITE HEAD — ۵۶ G.J. BROWN

۵۷ R. BURN — ۵۸ G.P. TAYLOR

۵۹ SHALMAN

Marfat.com

سلاطین مغلیہ

۱- ظہیر الدین بابر	۱۵- رجب سنہ ۹۳۲ھ	۸- جہاندار شاہ	۱۴- ربیع الاول سنہ ۱۱۲۴ھ
۲- نصیر الدین ہمایوں	۹- جمادی الاول سنہ ۹۳۷ھ	۹- فرخ سیر	۲۳- ذی الحجہ سنہ ۱۱۲۴ھ
۳- جلال الدین اکبر	۲- ربیع الثانی سنہ ۹۶۳ھ	۱۰- رفیع الدرجات	۹- ربیع الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ
۴- نور الدین جہانگیر	۲۰- جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ	۱۱- رفیع الدولہ	۲۰- رجب سنہ ۱۱۳۱ھ
داور بخش	۲۸- صفر سنہ ۱۰۳۷ھ	نیکوسیر	۹- جمادی الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ
۵- شہاب الدین شاہجہان	۱۸- جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۷ھ	ابراہیم	۹- ذی الحجہ سنہ ۱۱۳۲ھ
شجاع (بنگالہ میں)	سنہ ۱۰۶۸ھ	۱۲- محمد شاہ	۱۵- ذی القعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ
مراد بخش (گجرات میں)	۴ شوال سنہ ۱۰۶۸ھ	۱۳- احمد شاہ	۲- جمادی الاول سنہ ۱۱۶۱ھ
۶- محی الدین اورنگ زیب	۱- ذی قعدہ سنہ ۱۰۶۸ھ	۱۴- عزیز الدین عالمگیر ثانی	۲- شعبان سنہ ۱۱۶۷ھ
اعظم شاہ	۱۰- ذی الحجہ سنہ ۱۱۱۸ھ	شاہجہان ثانی	۲۰- ربیع الثانی سنہ ۱۱۷۳ھ
کام بخش	سنہ ۱۱۱۹ھ	۱۵- شاہ عالم ثانی	۵- جمادی الاول سنہ ۱۱۷۳ھ
۷- شاہ عالم بہادر	۲۰- محرم سنہ ۱۱۱۹ھ	بیدار بخت	۲۷- ذی القعدہ سنہ ۱۲۰۲ھ
عظیم الشان	سنہ ۱۱۲۴ھ	۱۶- اکبر شاہ ثانی	۷- رمضان سنہ ۱۲۲۱ھ

۱۷- بہادر شاہ ثانی ۲۳- جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ھ

دہلی پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے ۱۳ شعبان سنہ ۱۲۷۴ھ کو بہادر شاہ معزول کیے گئے۔

دار الضرب

(۱)

(۱) اٹاوہ — اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی

(۲) اٹک — محمد شاہ

(۳) اٹک بنارس — جلال الدین اکبر

(۴) اجمیر — اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔

Marfat.com

(۵) اجمیر سلیم آباد — اب۔

(۶) اُجین — ہمایون۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔

(۷) احسن آباد — اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ کام بخش

(۸) احمد آباد — اکبر۔ جہانگیر۔ نورجہان۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ مراد بخش۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہجہان ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔ بیدار بخت۔

(۹) احمد نگر — اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر

(۱۰) ادونی — اورنگ زیب

(۱۱) اُودے پور — اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔

(۱۲) اُردو — بابر۔ اکبر۔ جہانگیر

(۱۳) اردو در راہ دکھن — جہانگیر

(۱۴) اردوے ظفر قرین — اکبر۔ شاہجہان

(۱۵) ارکاٹ — شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی

(۱۶) اسلام آباد — اورنگ زیب۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہجہان ثانی۔ شاہ عالم ثانی

(۱۷) اسلام بندر — اورنگ زیب

(۱۸) اسمٰعیل گڈھ — شاہ عالم ثانی۔

(۱۹) اسیر — اکبر

(۲۰) اعظم نگر — اورنگ زیب۔ فرخ سیر

(۲۱) اعظم نگر گوکل گنڈہ — فرخ سیر۔ محمد شاہ

(۲۲) اکبر آباد — شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔

(۲۳) اکبر پور — اکبر۔ جہاندار شاہ۔ شاہ عالم ثانی

(۲۴) اکبر پور ٹانڈہ — اکبر

Marfat.com

(۲۵)	اکبر نگر	اکبر۔ جہانگیر۔ نورجہان۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ شجاع۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی
(۲۶)	آگرہ	بابر۔ ہمایون۔ اکبر۔ جہانگیر۔ نورجہان۔ شاہجہان۔
(۲۷)	الور	اکبر
(۲۸)	الہ آباد	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۲۹)	الہ باس (الہ آباد)	اکبر
(۳۰)	امتیاز گڑھ	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی
(۳۱)	امیر کوٹ	اکبر
(۳۲)	انوپ نگر شاہ آباد	شاہ عالم ثانی۔
(۳۳)	اختر نگر اودھ	محمد شاہ
(۳۴)	خطہ اودھ	اکبر
(۳۵)	صوبہ اودھ	شاہ عالم ثانی
(۳۶)	اورچھہ	شاہ عالم ثانی
(۳۷)	اورنگ آباد	اورنگ زیب۔ محمد شاہ
(۳۸)	اورنگ نگر	شاہجہان۔ فرخ سیر۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۳۹)	اوسا	شاہ عالم بہادر۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔
(۴۰)	آنولہ	شاہ عالم ثانی
(۴۱)	ایلچ پور	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
(۴۲)	بالاپور	اکبر۔ محمد شاہ۔
(۴۳)	بالانگر گڈھا	شاہ عالم ثانی
(۴۴)	باندھو	اکبر
(۴۵)	براگون	اکبر
(۴۶)	برج اندرپور	شاہ عالم ثانی

Marfat.com

(٤٧)	بڑودہ	شاہ عالم ثانی
(٤٨)	برہان پور	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ شاہ عالم ثانی۔
(٤٩)	بریلی	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
(٥٠)	آصف آباد بریلی	شاہ عالم ثانی۔
(٥١)	بسولی	شاہ عالم ثانی۔
(٥٢)	بیکانیر	عالمگیر ثانی
(٥٣)	بلخ	شاہ جہان
(٥٤)	بلونت نگر	محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
(٥٥)	بنارس	محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(٥٦)	بندرابن	شاہ عالم ثانی
(٥٧)	بندر شاہی	اکبر
(٥٨)	بنکاپور	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر
(٥٩)	بنگالہ	اکبر
(٦٠)	بہادر پٹن	شاہ عالم بہادر
(٦١)	[illegible]	شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر
(٦٢)	بھرائچ	اکبر
(٦٣)	[illegible]	شاہ عالم ثانی
(٦٤)	[illegible]	عالمگیر ثانی
(٦٥)	[illegible] نگر	اکبر۔ شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔
(٦٦)	بھوپال	شاہ عالم ثانی۔
(٦٧)	بھیلسہ	شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔
(٦٨)	بیجاپور	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ کام بخش۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر
(٦٩)	برار	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب

Marfat.com

(۷۰)	پانی پت	شاہ عالم ثانی
(۷۱)	پٹن	اکبر
(۷۲)	پٹن دیو	شاہجہان
(۷۳)	پٹنہ	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات
(۷۴)	پنج نگر	جہانگیر
(۷۵)	پرینڈہ	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ
(۷۶)	پونچھ	اورنگ زیب
(۷۷)	پشاور	شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات محمد شاہ۔ احمد شاہ
(۷۸)	تہتہ	بابر۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔
(۷۹)	تورگل	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ کام بخش۔ فرخ سیر۔ احمد شاہ
(۸۰)	جالنہ پور	جہانگیر
(۸۱)	جلال پور	اکبر
(۸۲)	جلال نگر	اکبر
(۸۳)	جالیر	جہانگیر
(۸۴)	جمبون	شاہ عالم ثانی
(۸۵)	جنجی	اورنگ زیب
(۸۶)	جودھ پور	احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۸۷)	جون پور	بابر۔ ہمایون۔ اکبر۔ اورنگ زیب۔
(۸۸)	جوناگڈھ	شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات محمد شاہ
(۸۹)	جہانسی	شاہ عالم ثانی۔
(۹۰)	جہانگیر نگر	جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات محمد ابراہیم محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
(۹۱)	جے پور	محمد شاہ احمد شاہ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۹۲)	چنار	اکبر

Marfat.com

(۹۳) چنپانیر — اکبر

(۹۴) چترپور — شاہ عالم ثانی

(۹۵) چھچھروتی — شاہ عالم ثانی

(۹۶) چیتوپر — اکبر

(۹۷) چیناپٹن — اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ

(۹۸) حاجی پور — اکبر

(۹۹) حافظ آباد — محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی

(۱۰۰) حسن آباد — شاہ عالم ثانی

(۱۰۱) حصار — اکبر

(۱۰۲) حیدرآباد — اورنگزیب۔ شاہ عالم بہادر۔ کام بخش۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ شاہ عالم ثانی بہادر شاہ۔

(۱۰۳) خجستہ بنیاد — اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔

(۱۰۴) خیرآباد — اکبر

(۱۰۵) خیرپور — اکبر

(۱۰۶) خیرنگر — اورنگ زیب

(۱۰۷) دارزرہ — شاہ عالم ثانی

(۱۰۸) دابلہ — شاہ عالم ثانی

(۱۰۹) دلشادآباد — عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی

(۱۱۰) دوگاؤں — اکبر۔ شاہجہان

(۱۱۱) دولت آباد — شاہجہان۔ شاہ عالم ثانی

(۱۱۲) دیرہ — احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی

(۱۱۳) دیرجات — محمد شاہ۔ احمد شاہ

(۱۱۴) دیوگڑھ — شاہ عالم ثانی

(۱۱۵) دیول بندر — اکبر

Marfat.com

(۱۱۶)	رنتھمبور	اورنگ زیب
(۱۱۷)	روشنگر ساگر	شاہ عالم ثانی
(۱۱۸)	رہتاس	جہانگیر
(۱۱۹)	سانبھر	اورنگ زیب
(۱۲۰)	ستارہ	اورنگ زیب۔ محمد شاہ۔
(۱۲۱)	سرونج	اکبر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۱۲۲)	سری نگر	اکبر۔ شاہ عالم ثانی
(۱۲۳)	سعدنگر	فرخ سیر۔
(۱۲۴)	سلیم آباد	اکبر
(۱۲۵)	سنبھل	اکبر۔ محمد شاہ۔
(۱۲۶)	سندھ	محمد شاہ
(۱۲۷)	سورت	اکبر۔ جہانگیر نورجہان۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ اعظم شاہ۔ جہاندار شاہ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی شاہجہان ثانی شاہ عالم ثانی۔
(۱۲۸)	سہارنپور	اکبر۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم ثانی۔
(۱۲۹)	سہرند	اکبر۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔
(۱۳۰)	سیکاکول	شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ احمد شاہ۔
(۱۳۱)	شاہ آباد	محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہجہان ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۱۳۲)	شاہ گڑھ	اکبر
(۱۳۳)	شاہجہان آباد	شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات رفیع الدولہ۔ محمد ابراہیم۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہجہان ثانی۔ شاہ عالم ثانی بیدار بخت۔ اکبر ثانی۔ بہادر شاہ۔
(۱۳۴)	شولاپور	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ
(۱۳۵)	شیرپور	اکبر

Marfat.com

۱۳۶)	شیر گڈھ	اکبر
۱۳۷)	ظفرآباد	شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
۱۳۸)	ظفر پور	اورنگ زیب
۱۳۹)	ظفر نگر	جہانگیر۔ شاہجہان
۱۴۰)	عالمگیر پور	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد ابراہیم
۱۴۱)	عظیم آباد	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی شاہجہان ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
۱۴۲)	فتح آباد	جہاندار شاہ۔ فرخ سیر
۱۴۳)	فتح پور	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان
۱۴۴)	فرخ آباد	فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
۱۴۵)	فرخ نگر	شاہ عالم بہادر
۱۴۶)	فیروز گڑھ	شاہ عالم بہادر
۱۴۷)	فیروز نگر	شاہ عالم بہادر۔ محمد شاہ۔ شاہ عالم ثانی
۱۴۸)	قمر نگر	محمد شاہ
۱۴۹)	قندھار	ہمایون۔ جہانگیر۔ شاہجہان
۱۵۰)	قندھار (دکن)	محمد شاہ
۱۵۱)	کابل	بابر۔ ہمایون۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔
۱۵۲)	کالپی	اکبر۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
۱۵۳)	کانکرتی	فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔
۱۵۴)	کٹک	جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ شاہ عالم ثانی
۱۵۵)	کرارآباد	جہاندار شاہ۔ فرخ سیر
۱۵۶)	کرپا	اورنگ زیب
۱۵۷)	کریم آباد	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر
۱۵۸)	کشمیر	اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ اورنگ زیب۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی

Marfat.com

(۱۵۹)	کلانور	اکبر
(۱۶۰)	کلکتہ	عالمگیر ثانی ۔ شاہ عالم ثانی
(۱۶۱)	کورا	اکبر ۔ رفیع الدرجات ۔ رفیع الدولہ ۔ محمد شاہ ۔ احمد شاہ عالمگیر ثانی ۔ شاہ عالم ثانی
(۱۶۲)	کورنج	شاہ عالم ثانی
(۱۶۳)	کنبایت	شاہ جہان ۔ اورنگ زیب ۔ مراد بخش ۔ شاہ عالم بہادر ۔ فرخ سیر ۔ رفیع الدرجات محمد شاہ احمد شاہ ۔
(۱۶۴)	کرت پور	اکبر
(۱۶۵)	گدرولہ	اکبر
(۱۶۶)	گدوال	شاہ عالم ثانی
(۱۶۷)	گلبرگہ	اورنگ زیب ۔ کام بخش ۔ جہاندار شاہ
(۱۶۸)	گلشن آباد	فرخ سیر
(۱۶۹)	گلکنڈہ	شاہ جہان ۔ اورنگ زیب
(۱۷۰)	گوالیار	اکبر ۔ اورنگ زیب ۔ جہاندار شاہ ۔ فرخ سیر ۔ رفیع الدرجات ۔ محمد شاہ ۔ احمد شاہ شاہ عالم ثانی ۔
(۱۷۱)	گوبند پور	اکبر
(۱۷۲)	گوتی	اورنگ زیب ۔ شاہ عالم بہادر ۔ فرخ سیر
(۱۷۳)	گورنگ پور	اکبر
(۱۷۴)	گوکل گڑھ	شاہ عالم ثانی
(۱۷۵)	گوہد	اکبر ۔ شاہ عالم ثانی
(۱۷۶)	لاہور	بابر ۔ ہمایون ۔ اکبر ۔ جہانگیر ۔ نور جہان ۔ دارا بخش ۔ شاہجہان ۔ اورنگزیب ۔ شاہ عالم بہادر جہاندار شاہ ۔ فرخ سیر ۔ رفیع الدرجات ۔ رفیع الدولہ محمد شاہ احمد شاہ
(۱۷۷)	لکھنؤ	بابر ۔ شاہ جہان ۔ اورنگ زیب ۔ شاہ عالم بہادر ۔ جہاندار شاہ ۔ فرخ سیر ۔ رفیع الدرجات رفیع الدولہ محمد شاہ ۔
(۱۷۸)	لہری بنا	اکبر
(۱۷۹)	مال پور	اکبر

Marfat.com

(۱۸۰)	مانک پور	اکبر
(۱۸۱)	مانگیر	اکبر
(۱۸۲)	متھرا۔ اسلام آباد	شاہ عالم ثانی
(۱۸۳)	مجاہد آباد	احمد شاہ
(۱۸۴)	مچھلی پٹن	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۱۸۵)	محمد آباد	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر
(۱۸۶)	محمد نگر	شاہ عالم بہادر
(۱۸۷)	محمود بندر	اورنگ زیب
(۱۸۸)	مخصوص آباد	اورنگ زیب
(۱۸۹)	مدن کوٹ	اکبر
(۱۹۰)	مراد آباد	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۱۹۱)	مرشد آباد	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔
(۱۹۲)	مصطفیٰ آباد	شاہ عالم ثانی
(۱۹۳)	مظفر آباد	شاہ عالم ثانی
(۱۹۴)	مظفر نگر	شاہ عالم ثانی
(۱۹۵)	معظم آباد	اورنگ زیب۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ محمد شاہ
(۱۹۶)	ملتان	اکبر۔ شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی
(۱۹۷)	ملکاپور	شاہ جہان
(۱۹۸)	ملکا نگر	اورنگ زیب
(۱۹۹)	ملہار نگر	شاہ عالم ثانی
(۲۰۰)	ممبئی (بمبئی)	فرخ سیر۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۲۰۱)	مندسور	شاہ عالم ثانی

Marfat.com

(۲۰۲) مندو — ہمایون ۔ اکبر

(۲۰۳) مومن آباد — شاہ عالم ثانی

(۲۰۴) مونگیر — شاہ عالم ثانی

(۲۰۵) جہاندرپور — احمد شاہ ۔ عالمگیر ثانی ۔ شاہ جہان ثانی ۔ شاہ عالم ثانی

(۲۰۶) مہی سور (میسور) — شاہ عالم ثانی

(۲۰۷) میرٹھ — اکبر

(۲۰۸) میلاپور — اورنگ زیب ۔ شاہ عالم بہادر

(۲۰۹) نارنول — اکبر شاہجہان ۔ اورنگ زیب ۔ شاہ عالم بہادر

(۲۱۰) ناگور — شاہ عالم ثانی ۔ عالمگیر ثانی

(۲۱۱) ناہن — شاہ عالم ثانی

(۲۱۲) نجف گڈھ — شاہ عالم ثانی

(۲۱۳) نجیب آباد — عالمگیر ثانی ۔ شاہ عالم ثانی

(۲۱۴) نروار — احمد شاہ عالمگیر ثانی ۔ شاہ عالم ثانی

(۲۱۵) نصراللہ نگر — شاہ عالم ثانی

(۲۱۶) نصرت آباد — اورنگ زیب ۔ شاہ عالم بہادر ۔ کام بخش

(۲۱۷) ہاتھرس — شاہ عالم ثانی

(۲۱۸) ہانسی — شاہ عالم ثانی

(۲۱۹) ہردوار — شاہ عالم ثانی

دارالضرب

(۲)

بابر — آگرہ ۔ جون پور ۔ کالپی ۔ لاہور ۔ لکھنؤ ۔ تہتہ ۔ اردو

ہمایون — اگرہ ۔ چنپانیر ۔ دہلی ۔ جونپور ۔ کابل ۔ لاہور ۔ مندور ۔ قندہار ۔ اوجین

اکبر — آگرہ ۔ احمدآباد ۔ احمدنگر ۔ اجمیر ۔ اکبرآباد ۔ اکبرپور ۔ اکبرنگر ۔ الہ آباد ۔ الہاباس ۔ الور ۔ امیرکوٹ ۔ اسیر
اٹک اودہ ۔ بہرائچ ۔ برار ۔ بالاپور ۔ بندرشاہی ۔ باندھو ۔ بنگالہ ۔ بھکر ۔ بداؤن ۔ برہانپور ۔ چیتور ۔ چنار

Marfat.com

دہلی۔ دیول بندر۔ دوگاؤں۔ ایلچ پور۔ فتح پور۔ گدرولہ۔ گوالیار۔ گوبند پور۔ گوہد۔ گورکھپور۔ حاجی پور۔ حصار۔ جلال پور
جودھ پور۔ کابل۔ کالپی۔ کشمیر۔ کلانور۔ خیرآباد۔ خیرپور۔ کرت پور۔ کورا۔ لاہور۔ لہری بندر۔ لکھنؤ۔ مدن کوٹ
مالپورہ۔ مانک پور۔ مانگیر۔ میرٹھ۔ ملتان۔ نارنول۔ نہروالہ پٹن۔ پٹنہ۔ پٹن۔ سہارن پور۔ سہرند۔ سلیم آباد۔
سنبھل۔ شاہ گڑھ۔ سرونج۔ شیرپور۔ شیرگڈھ۔ سری نگر۔ سورت۔ تہتہ۔ ادے پور۔ اجین۔ اُردو۔ اُردوے ظفر قرین

جہانگیر آگرہ۔ احمد آباد۔ احمد نگر۔ اجمیر۔ اکبر نگر۔ الہ آباد۔ بہادر گڈھ۔ بیرار۔ برہان پور۔ دہلی۔ ایلچ پور۔ فتح پور۔ جہانگیر نگر
جالیر۔ جالنا پور۔ کابل۔ کشمیر۔ کٹک۔ لاہور۔ ملتان۔ پنج نگر۔ پٹنہ۔ قندہار۔ رہتاس۔ سورت۔ تہتہ۔ اُدے پور
اردو۔ اُردو در راہ دکن۔ ظفر نگر۔

جہانگیر و نور جہان آگرہ۔ احمد آباد۔ اکبر نگر۔ لاہور

(داور بخش) لاہور

شاہ جہان آگرہ۔ احمد آباد۔ احمد نگر۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اکبر نگر۔ بیرار۔ بلخ۔ بھکر۔ بھیلسہ۔ برہان پور۔ دولت آباد۔ دہلی
دوگاؤں۔ ایلچ پور۔ فتح پور۔ گلکنڈہ۔ جہانگیر نگر۔ جوناگڈھ۔ کابل۔ کنبایت۔ کشمیر۔ کٹک۔ لاہور۔ لکھنؤ
ملتان۔ پٹنہ۔ پٹن دیو۔ پیشاور۔ قندہار۔ شاہ جہان آباد۔ سورت۔ تہتہ۔ اُردوے ظفر قرین۔ ظفر آباد۔ ظفر نگر

شاہ شجاع اکبر نگر

مراد بخش اکبر آباد۔ کنبایت۔ سورت۔

اورنگ زیب عالمگیر ادہونی۔ احمد آباد۔ احمد نگر۔ احسن آباد۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اکبر نگر۔ الہ آباد۔ اورنگ آباد۔ عالمگیر پور۔ عظیم نگر
عظیم آباد۔ برار۔ بنکاپور۔ بریلی۔ بھکر۔ بھیلسہ۔ بیجاپور۔ برہان پور۔ چیناپٹن۔ ایلچ پور۔ اٹاوہ۔ گوالیار
گلبرگہ۔ گلکنڈہ۔ گوتی۔ حیدرآباد۔ امتیاز گڈھ۔ اسلام آباد۔ اسلام بندر۔ جہانگیر نگر۔ جون پور۔ جنجی۔ جوناگڈھ
کابل۔ کنبایت۔ کشمیر۔ کریم آباد۔ کرپا۔ خیر نگر۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ مچھلی پٹن۔ محمود بندر۔ میلاپور۔ مخصوص آباد
ملکا نگر۔ معظم آباد۔ محمد آباد۔ ملتان۔ مرشد آباد۔ مراد آباد۔ نارنول۔ نصرت آباد۔ پٹنہ۔ پیشاور۔ پونچ۔ پرینڈہ
رنتنبھور۔ سہارن پور۔ سہرند۔ سانبھر۔ ستارا۔ شاہ جہان آباد۔ شولاپور۔ سورت۔ تہتہ۔ تورگل۔ اجین
ظفر آباد۔ ظفر نگر۔

اعظم شاہ احمد آباد۔ اورنگ آباد۔ برہان پور۔ سورت۔ اوجین

کام بخش احسن آباد۔ بیجاپور۔ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ گوکل گڑھ۔ نصرت آباد۔ تورگل۔

شاہ عالم بہادر احمد آباد۔ احمد نگر۔ احسن آباد۔ اکبر نگر۔ عالمگیر پور۔ الہ آباد۔ ارکاٹ۔ ادسا۔ عظیم آباد۔ بہادر گڈھ۔ بنکاپور۔
بریلی۔ بیجاپور۔ برہان پور۔ چیناپٹن۔ اٹیہ۔ اٹاوہ۔ فیروز گڈھ۔ فیروز نگر۔ گوتی۔ حیدرآباد۔ امتیاز گڈھ

Marfat.com

جہانگیر نگر۔ جوناگڈھ ۔کابل ۔کنبایت ۔کشمیر۔ کریم آباد۔ لاہور ۔لکھنؤ۔ مچھلی پٹن ۔میدا پور۔ محمد آباد۔ ملتان
مراد آباد ۔مرشد آباد۔ نصرت آباد۔ پشاور ۔ پرینده ۔ سہرند۔ شاہ جہان آباد۔ شولاپور ۔سیکاکول ۔سورت
تورگل ۔ اوجین ۔

جہاندارشاہ احمد آباد ۔احمد نگر۔ اجمیر۔ اکبر آباد ۔اکبر نگر۔ اکبر پور۔ ارکاٹ ۔بہادر گڈھ ۔بریلی ۔بھکر۔ بیجاپور۔ برہانپور
ایلچپور۔ اٹاوہ ۔حیدر آباد۔ شاہ جہان آباد۔ پشاور ۔ ٹھٹہ ۔ اوجین

فرخ سیر احمد آباد۔ احمد نگر۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اکبر نگر۔ عالمگیر پور۔ الہ آباد۔ ارکاٹ ۔اورنگ آباد۔ اورنگ نگر
اعظم نگر۔ عظیم آباد۔ بہادر گڈھ ۔بنکاپور۔ بریلی ۔بھکر۔ بیجاپور۔ برہانپور۔ چینا پٹن ۔دہارور ۔ایلچپور۔ اٹاوہ
فرخ آباد۔ گوالیر۔ گلشن آباد۔ گوتی ۔حیدر آباد۔ امتیاز گڈھ ۔اسلام آباد۔ جہانگیر نگر۔ جوناگڈھ ۔کابل ۔کنبایت
کرار آباد۔ کٹک ۔لاہور۔ لکھنؤ۔ مچھلی پٹن ۔معظم آباد ۔ملتان ۔ بمبئی۔ مرشد آباد ۔پٹنہ۔ پشاور ۔ پرینده
سعد نگر۔ سہرند۔ سیکاکول ۔بروچ ۔ شاہ جہان آباد۔ شولاپور۔ سورت ۔ٹھٹہ۔ تورگل ۔ اوجین

رفیع الدرجات احمد آباد۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اورنگ آباد۔ بریلی ۔برہانپور۔ اٹاوہ ۔گوالیار ۔کابل ۔کنبایت ۔کورا۔ لاہور
لکھنؤ ۔معظم آباد۔ ملتان ۔ مرشد آباد۔ پٹنہ ۔پشاور ۔سہرند۔ شاہجہان آباد ۔سورت ۔ اوجین۔

رفیع الدولہ احمد آباد۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ ارکاٹ ۔ اورنگ آباد ۔بریلی ۔برہان پور ۔اٹاوہ ۔گوالیار۔ حیدر آباد
اسلام آباد ۔کنبایت ۔کورا۔ لاہور ۔لکھنو ۔ملتان ۔بمبئی ۔مرشد آباد۔ پٹنہ۔ سہرند۔ شاہ جہان آباد
سورت ۔ اوجین

ابراہیم شاہجہان آباد

محمد شاہ احمد آباد۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اکبر نگر۔ عالمگیر پور۔ الہ آباد۔ ارکاٹ ۔ اٹک ۔اورنگ آباد۔ اونسا۔ اوده
اعظم نگر۔ بالاپور۔ بلونت نگر۔ بنارس ۔ بریلی ۔بھکر۔ برہانپور ۔چینا پٹن ۔ڈیرہ جات ۔ایلچپور۔ اٹاوہ
فرخ آباد ۔فیروز نگر۔ گوالیار۔ حیدر آباد۔ حافظ آباد۔ امتیاز گڈھ ۔اسلام آباد۔ جہانگیر نگر۔ جے پور
جوناگڈھ ۔کابل ۔کنبایت ۔کشمیر۔ کٹک ۔کورا۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ مچھلی پٹن ۔معظم آباد۔ ملتان ۔بمبئی
مرشد آباد۔ پٹنہ ۔پشاور۔ پرینده۔ قمر نگر۔ قنوج ۔قندہار۔ سہرند ۔سنبھل ۔ستارا ۔سرونج ۔شاہجہان آباد
شولاپور۔ اوجین

احمد شاہ احمد آباد۔ اجمیر۔ اکبر آباد۔ اکبر نگر۔ الہ آباد۔ ارکاٹ ۔اورنگ آباد۔ عظیم آباد۔ بلونت نگر۔ بنارس۔ بریلی
بھکر۔ برہان پور۔ ڈیرہ ۔ڈیرہ جات ۔ایلچ پور۔ اٹاوہ ۔فرخ آباد ۔امتیاز گڈھ ۔ اسلام آباد۔ جہانگیر نگر
جے پور۔ جودھپور ۔کالپی ۔کنبایت ۔کشمیر ۔کٹک ۔کورا۔ لاہور۔ مچھلی پٹن ۔مہاندرپور۔ مجاہد آباد۔

Marfat.com

ملتان۔بمبئی۔مرادآباد۔مرشدآباد۔نزوار۔پشاور۔قنوج۔شاہ آباد۔سہرند۔شاہجہان آباد سیکاکول
سورت۔تورگل

عالمگیرثانی احمدآباد۔اجمیر۔اکبرآباد واکبرنگر۔الہ آباد۔ارکاٹ۔اوسا۔اورنگ آباد۔اورنگ نگر۔عظیم آباد
بلونت نگر۔بنارس۔بریلی۔بھروچ۔بیکانیر۔برہانپور۔دیرہ۔دلشادآباد۔ایلچ پور۔اٹاوہ۔فرخ آباد
گوالیار۔حافظ آباد۔امتیاز گڈہ۔اسلام آباد۔جہانگیرنگر۔جے پور۔جودہ پور۔کابل۔کلکتہ۔کالپی
کنبایت۔کشمیر۔کٹک۔کورا۔لاہور۔مچھلی پٹن۔مہاندر پور۔ملتان۔بمبئی۔مرادآباد۔مرشدآباد
ناگور۔نجف گڈہ۔نجیب آباد۔نرورا۔قنوج۔سہرند۔شاہجہان آباد۔سرونج۔سورت۔اوجین۔ظفرآباد

(شاہجہان سوم) احمدآباد۔عظیم آباد۔فرخ آباد۔اسلام آباد۔قنوج۔شاہجہان آباد۔سورت۔مہاندرپور۔

شاہ عالم ثانی احمدآباد۔اجمیر۔اکبرنگر۔اکبرآباد۔الہ آباد۔انوپ نگر۔شاہ آباد۔ارکاٹ۔آنولہ۔اورنگ نگر۔اورچھہ
اودھ۔عظیم آباد۔بالانگر۔گڈہ۔بلونت نگر۔بندرابن۔بنارس۔بریلی۔بڑودہ۔بھرت پور۔بھوپال
برج اندرپور۔برہانپور۔چھترپور۔چیچر ولی۔دادر۔دالمہ۔دلشادآباد۔دولت آباد۔ایلچپور۔
اٹاوہ۔فرخ آباد۔فیروزنگر۔گوالیار۔گوکل گڈہ۔گوہد۔حیدرآباد۔ہانسی۔ہردوار۔ہاتھرس
حسین آباد۔امتیاز گڈہ۔اسلام آباد۔اسمعیل گڈہ۔جہانگیرنگر۔جھانسی۔جے پور۔جون۔جودہ پور
کالپی۔کلکتہ۔کٹک۔کورچ۔کورا۔مچھلی پٹن۔مہاندرپور۔محمدنگر۔مھیسور۔ملھارنگر۔متھرا۔ملتان
ممبئی۔مونگیر۔مصطفےٰآباد۔مرادآباد۔مرشدآباد۔مظفرنگر۔ناگور۔نجف گڈہ۔نصراللہ نگر۔نرورا۔
پانی پت۔قنوج۔روشن نگر۔ساگر۔سہارن پور۔شاہجہان آباد۔سرونج۔سری نگر۔سورت۔اُجین

(بیدار بخت) احمدآباد۔ارکاٹ۔شاہجہان آباد

اکبرثانی احمدآباد۔حیدرآباد۔شاہ جہان آباد

بہادرشاہ حیدرآباد شاہ جہان آباد

دارالضرب کے القاب

(۱)

(۱)	آصف آباد	بریلی	شاہ عالم بہادر
(۲)	برج	اندرپور	اکبرثانی
(۳)	بلدہ	اوجین	شاہ جہان

Marfat.com

		اکبرآباد	اکبر
		آگرہ	اکبر
		الہ آباد	اورنگ زیب
		برہان پور	شاہجہان
		سہرند	اکبر
(۴)	بلدۂ صفا		عالمگیر ثانی
(۵)	بلدۂ فاخرہ	برہان پور	اورنگ زیب
(۶)	بندر	دیول	اکبر
(۷)	بندر مبارک	سورت	اورنگ زیب
(۸)	تیرتھ	ہردوار	شاہ عالم ثانی
(۹)	حضرت	دہلی	ہمایون۔اکبر
(۱۰)	خطہ	بریلی	شاہ عالم ثانی
(۱۱)	دارالسلام	دوگاؤن	اکبر
(۱۲)	دارالامان	آگرہ	ہمایون
		جمّوں	شاہ عالم ثانی
		ملتان	اورنگ زیب
(۱۳)	دارالبرکات	ناگور	عالمگیر ثانی۔شاہ عالم ثانی
(۱۴)	دارالنصور	جودھ پور	احمد شاہ
(۱۵)	دارالجہاد	حیدرآباد	اورنگ زیب۔کام بخش۔شاہ عالم بہادر
(۱۶)	دارالخلافہ	احمدآباد	اکبر
		اکبرآباد	شاہجہان
		اکبرپور	اکبر
		آگرہ	بابر۔ہمایون۔اکبر۔شاہ جہان
		اودھ	اکبر
		بہرائچ	اکبر

Marfat.com

		جونپور	اکبر
		دوگاؤں	اکبر
		شاہجہان آباد	شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ شاہجہان ثانی محمد ابراہیم۔ محمد شاہ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہجہان ثالث۔ شاہ عالم ثانی اکبر ثانی۔ بہادر شاہ
		قنوج	اکبر
		گوالیار	اکبر
		گورکپور	اکبر
		لاہور	ہمایوں۔ اکبر
		لکھنؤ	اکبر
		خطہ اودہ	اکبر
(۱۷)	دارالخیر	اجمیر	اورنگ زیب
(۱۸)	دارالسرور	برہان پور	شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی۔ اکبر ثانی
		سہارن پور	شاہ عالم ثانی
(۱۹)	دارالسلام	دوگاؤں	اکبر
		مندسور	شاہ عالم ثانی
(۲۰)	دارالسلطنت	احمد آباد	اکبر
		برہان پور	جہاندار شاہ
		فتحپور	اکبر
		لاہور	اکبر۔ شاہ جہان۔ اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ فرخ سیر۔ رفیع الدرجات۔ محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی
(۲۱)	دارالضرب	احمد آباد	اکبر
		پٹنہ	اکبر

Marfat.com

		جون پور	ہمایون
		حصار	اکبر
		فتح پور	اکبر
		کالپی	اکبر
(۲۲)	ارالضرب قلعہ	آگرہ	بابر
(۲۳)	دارالظفر	بیجاپور	اورنگ زیب۔ کام بخش۔ فرخ سیر
(۲۴)	دارالعدل	آگرہ	ہمایون
(۲۵)	دارالفتح	اُجین	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ جہاندار شاہ۔ فرخ سیر محمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۲۶)	دارالملک	کابل	اورنگ زیب۔ شاہ عالم بہادر۔ رفیع الدرجات
(۲۷)	دارالملک حضرت	دہلی	ہمایون۔ اکبر
(۲۸)	دارالمنصور	جودہ پور	عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم ثانی
(۲۹)	دہ	جودہ پور	شاہ عالم ثانی
(۳۰)	زین البلاد	......	محمد شاہ
(۳۱)	زینت البلاد	احمد آباد	رفیع الدرجات
(۳۲)	سلیم گڈھ	اجمیر	اکبر
(۳۳)	سوائی	جے پور	محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ شاہ عالم ثانی
(۳۴)	شاہ آباد	قنوج	محمد شاہ۔ احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ جہان ثانی شاہ عالم ثانی
(۳۵)	شہر مکرم	چنپانیر	ہمایون
(۳۶)	شیر گڈھ	قنوج	اکبر
(۳۷)	صاحب آباد	ہانسی	شاہ عالم ثانی
(۳۸)	صوبہ	اودہ	شاہ عالم ثانی
(۳۹)	ظفر قرین	اُردو	اکبر
(۴۰)	فتح آباد	دہارور	فرخ سیر

Marfat.com

(۴۱)	فرخ آباد	احمد نگر	عالمگیر ثانی۔شاہ جہان ثانی۔شاہ عالم ثانی
(۴۲)	فرخندہ بنیاد	حیدرآباد	شاہ عالم بہادر۔محمد شاہ۔اکبر ثانی۔بہادر شاہ
(۴۳)	فیروزہ	حصار	اکبر
(۴۴)	قصبہ	پانی پت	شاہ عالم ثانی
		شیرکوٹ	اکبر
(۴۵)	قطع	بریلی	شاہ عالم ثانی
(۴۶)	قلعہ	آگرہ	بابر۔اکبر
		الور	اکبر
		پونچ	شاہ عالم ثانی
		گوالیار	اکبر
(۴۷)	محمد آباد	اودے پور	اکبر
		بنارس	محمد شاہ۔احمد شاہ۔عالمگیر ثانی۔شاہ عالم ثانی
		کالپی	
(۴۸)	مستقر الخلافت	اجمیر	شاہ عالم بہادر
		اکبرآباد	اورنگ زیب۔شاہ عالم بہادر۔فرخ سیر۔رفیع الدرجات رفیع الدولہ۔محمد شاہ۔احمد شاہ۔عالمگیر ثانی۔شاہ عالم ثانی
(۴۹)	مستقر الملک	اکبرآباد	شاہ عالم بہادر۔جہاندار شاہ۔فرخ سیر۔شاہ عالم ثانی
		پٹنہ	جہاندار شاہ
		عظیم آباد	فرخ سیر
(۵۰)	مفتوحہ	اودے پور	اکبر
(۵۱)	مومن آباد	بندرابن	شاہ عالم ثانی
(۵۲)	مہہ	اندرپور	عالمگیر ثانی۔شاہ جہان ثانی۔شاہ عالم ثانی

(۲)

(۱)	اجمیر	دارالخیر۔دارالمنصور۔سلیم گڈھ۔مستقر الخلافت

Marfat.com

	چپین	بلدہ دارالفتح
(۳)	احمدآباد	دارالخلافت ۔ دارالسلطنت ۔ دارالضرب ۔ زینت البلاد
(۴)	احمدنگر	فرخ آباد
(۵)	اودے پور	محمدآباد ۔ مفتوحہ
(۶)	اردو	ظفرقرین
(۷)	اکبرآباد	بلدہ ۔ دارالخلافت مستقرالخلافت ۔ مستقرالملک
(۸)	اکبرپور	دارالخلافت
(۹)	آگرہ	بلدہ ۔ دارالامان ۔ دارالخلافت ۔ دارالعدل ۔ دارالضرب قطع قلعہ ۔
(۱۰)	الور	قلعہ
(۱۱)	الہ آباد	بلدہ
(۱۲)	اندرپور	برج ۔ جہا
(۱۳)	اودھ	دارالخلافت ۔ خطہ ۔ صوبہ
(۱۴)	اورنگ آباد	خجستہ بنیاد
(۱۵)	ایلچ پور	دارالخلافت
(۱۶)	برہان پور	بلدہ ۔ بلدہ فاخرہ ۔ دارالسرور
(۱۷)	بریلی	آصف آباد قطعہ
(۱۸)	بنارس	محمدآباد
(۱۹)	بندراین	مومن آباد
(۲۰)	پونچ	قلعہ
(۲۱)	بھروچ	دارالخلافت
(۲۲)	بیجاپور	دارالظفر
(۲۳)	پانی پت	قصبہ
(۲۴)	پٹنہ	دارالضرب
(۲۵)	جموں	دارالامان
(۲۶)	جون پور	دارالخلافت ۔ دارالضرب ۔

Marfat.com

(۲۷)	جودھ پور	دارالقصور۔ دارالتصور۔
(۲۸)	جے پور	سوائی
(۲۹)	چپانیر	شہر کرم
(۳۰)	حصار	فیروزہ
(۳۱)	حیدرآباد	دارالجہاد۔ فرخندہ بنیاد
(۳۲)	دوگاؤں	دارالخلافت۔ دارالسلام۔
(۳۳)	دلہرو	فتح آباد۔
(۳۴)	دہلی	حضرت۔ دارالملک۔
(۳۵)	دیول	بندر
(۳۶)	سورت	بندر مبارک
(۳۷)	سہارنپور	دارالسرور
(۳۸)	سہرند	بلدہ
(۳۹)	شاہجہان آباد	دارالخلافت
(۴۰)	عظیم آباد	مستقر الملک
(۴۱)	فتح پور	دارالسلطنت۔ دارالضرب
(۴۲)	قنوج	دارالخلافت۔ شاہ آباد۔ شیر گڈھ
(۴۳)	کابل	دارالملک
(۴۴)	کالپی	دارالضرب۔ محمد آباد۔
(۴۵)	گوالیار	دارالخلافت۔ قلعہ۔
(۴۶)	گورکھپور	دارالخلافت
(۴۷)	لاہور	دارالخلافت۔ دارالسلطنت
(۴۸)	لکھنؤ	دارالخلافت
(۴۹)	ملتان	دارالامان
(۵۰)	مندسور	دارالسلام
(۵۱)	متھرا	اسلام آباد
(۵۲)	ناگور	دارالبرکات
(۵۳)	ہانسی	صاحب آباد۔
(۵۴)	ہردوار	تیرتھ

Marfat.com

Marfat.com

آثار اودھ

اکتساب علم گر ٹوٹی ہوئی دیوار سے
ہر پرانی اینٹ اک گنجینۂ تاریخ ہے

صوبہ اودھ کے آثار قدیمہ کی داستان جس قدر دل آویز ہے اُسیقدر اُس سے بے پروائی کی گئی ہے ان کثیر التعداد مورخین مین جنکی توجہ اس سرزمین کی گذشتہ تاریخ تحریر کرنے پر مبذول ہوئی ہے۔ ایک بھی ایسا نہین ہے جس نے یہانکے آثار قدیمہ کا سُراغ لگایا ہو اور اُنھین ایک مستقل باب مین درج کرکے اودھ کی تاریخ کو تکمیل کی حد تک پہونچانے کی کوشش کی ہو۔ حالانکہ یہ عام طور پر معلوم ہے کہ ملک اودھ یا قدیم "کوشال" قدیم الایام سے آرین تہذیب کا گہوارہ بنا رہا ہے اور اس قدیم فاتح قوم کی نسلین اور مختلف فرقے جو یکے بعد دیگرے عروج پذیر ہوئے اپنی اپنی تہذیب اور تمدن کے ایسے گہرے نقش قدم چھوڑ گئے ہین جو ہزارون سال کے بعد بھی ابتک کم و بیش حالت مین موجود ہین، نیز عہد گذشتہ کے مسلمان حکمرانون کو بھی اس سرسبز و شاداب خطے سے ہمیشہ ایک خاص دلبستگی رہی ہے اور اُن کے دور حکومت کی بیشمار نشانیان ابتک تازہ ہین۔ ہم کوشش کرتے ہین کہ تاریخ اودھ مین ایک ضروری باب کا اضافہ ہو اور یہان کے آثار قدیمہ کے متفرق و پاشان حالات کو ایک سلک مین منسلک کر دین۔

ملک اودھ کا قدیم رقبہ شمال مین کوہ ہمالیہ۔ مغرب اور جنوب مین دریاے جمنا۔ مشرق مین صوبۂ بہار سے محدود تھا۔ یہ وسیع قطعہ زمین جو اپنی ہمواری۔ سرسبزی۔ اعتدال فصلین اور لطیف آب و ہوا

Marfat.com

کی وجہ سے "جنت الہند" دگارڈن آف انڈیا) کہلاتا ہے شمالی ہندوستان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پرواقعات صوبہ ہے جہان بڑی بڑی سلطنتون کی بنیادین پڑین اور عرصۂ درازتک قایم رہین۔ اسکے خاص خاص قدیم شہر حسب ذیل تھے جہان سے تہذیب اور تمدن کی نئی نئی شعاعین بلند ہوتی رہی ہین۔

(۱) بنارس یا بارانسی۔ جو دریاے گنگا پر واقع ہے۔ اسکی بنیاد شیوجی (مشہور ہندو اوتار) اور ایک راجہ مسمی دیبوداس سے منسوب کیجاتی ہے جو زمانۂ بودھ سے بہت پیشتر گزرا ہے

(۲) اجودھیا۔ (اس لفظ کے لغوی معنی "ناقابل التسخیر" ہین) یہ شہر جو دریاے سرجو پر واقع ہے اپنی قدامت اور گزشتہ جاہ وجلال کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے۔ اسکی بنیاد سورج بنسی خاندان کے ایک راجہ "اکشاکو" نے ڈالی تھی جسکی نسل مین رامچندر جی فاتح لنکا شہرت تامہ رکھتے ہین۔ رامائن مین اجودھیا کے زمانۂ عروج کی نہایت مکمل تصویر موجود ہے۔

(۳) سرستی۔ جو بالفعل "سہت مہت" کہلاتا ہے اور دریاے راپتی پر واقع ہے۔ اسکا بانی راجہ "سرست لہ جو وانواس" تھا جو سولار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور ستورید بانی سورج بنس، کا دسوان جانشین تھا۔ مشہور راجہ وکرمادت بھی یہین کا راجہ تھا جو بودھ اعظم سے پانسو برس بعد گزرا ہے یہ بودھ مذہب کا سب سے بڑا حریف تھا جسکے ہاتھ سے اس عالمگیر مذہب کی بنیادین ہل گئی تھین اسی مشہور بودھ مقنن "منوشیتا" نے جو "دبھاش شاستر" کا مصنف تھا مذہبی مباحث مین ہمنون سے شکست کھاکر خودکشی کرلی تھی۔ تقریبًا ایکہزار سال قبل مسیح سے لیکر چوتھی صدی عیسوی تک قبل الذکر خاندان یہان نہایت عظمت وجبروت کے ساتھ حکمران رہا لیکن ۱۰۲۳ء مین یہ شہر کلیتًہ برباد ہوگیا تھا۔ یہان قدیم عمارات کے بہت سے کھنڈر ابتک اپنی گذشتہ عظمت کی یاد دلاتے ہین۔ وہ مقام جو بالفعل سہت مہت کہلاتا ہے راجہ سہیل دیو کی راجدھانی کی یادگار ہے جو پانڈون کے عہد حکومت مین ملن کا حکمران تھا۔ اس زمانے مین اس شہر کا نام "چندرکاپوری" مشہور تھا۔

(۴) ہستناپور۔ جو روہیلکھنڈ مین دریاے گنگا پر واقع تھا۔ اور (۵) اندرپرست جو موجودہ دہلی کے متصل تھا۔ اُنکے بانی راجہ جدھشٹر تھے (۶) متھرا جو کرشن جی کے نام سے مشہور ہے اور انکے ماموں "کنس" کی راجدھانی تھا (۷) بیراٹ۔ جو دروپدی کے باپ کا دارالسلطنت تھا۔ ان سب کے مفصل حالات مہابھارت مین موجود ہین۔

(۸) قنوج۔ یہ بھی ہندوستان کا نہایت قدیم شہر ہے جو دریاے گنگا پر واقع ہے۔ بارھوین صدی عیسوی کے اختتام تک جب یہان کا راجہ "جے چندر" تھا یہ راٹھور خاندان کے راجپوتون

Marfat.com

کی طاقت و عظمت کا زبردست مرکز تھا۔ مشہور افغان فاتح شہاب الدین غوری کے حملے کے بعد سے چندر اور قنوج دونون کی عظمت کا خاتمہ ہوگیا۔

(۹) پریاگ (الہ آباد) اسکے بانی مشہور ویدک مُنی "بھارت دواج" تھے جن کا ذکر رامائن مین موجود ہے اسکا پُرانا سنگی قلعہ جو گنگا جمنا کے سنگم پر واقع ہے بہت سی تاریخی معلومات کا گنجینہ ہے۔ اسکے صحن مین اشوک اعظم کا ایک سنگی ستون بھی موجود ہے اور سنگی تہ خانہ مین بھارت دواج اور دوسرے رشیون کی مورتین بھی بہت قدیم زمانے کی یادگار ہین۔ اکبر اعظم نے حسب عادت اس قلعہ کی بھی معقول مرمت کراکے اپنی قدامت پسندی کا ثبوت دیا تھا۔ شہر مین بھارت دواج کی قدیم گوپھا بھی ابتک موجود ہے۔ نیز جہانگیر کے عہد کے بھی بعض آثار موجود ہین۔ خصوصاً "خسرو باغ" جس مین شہزادہ خسرو اور اُسکی والدہ مدفون ہین یہ مقبرے نہایت عمدہ سنگتراشی کے نمونے ہین۔

(۱۰) جونپور۔ (۱۱) لکھنو۔ ان شہرونکا مفصل ذکر آگے آئیگا۔

یہ گیارہ شہر گیارہ تاریخی واقعات کے اسٹیج اور خاص خاص تہذیب و تمدن کے مرکز تھے۔

انکے علاوہ بہت سے متوسط درجے کے شہر تھے۔ جو تاریخی عظمت اور مذہبی تقدس مین خاص مرتبہ رکھتے تھے۔ مثلاً (۱) سہراون۔ جو سرحد نیپال پر واقع ہے۔ یہ شہر اُسوقت آباد ہوا جب سورج بنسی خاندان ملک اودھ سے پسپا ہوکر ہمالیہ کیطرف فرار ہوا تھا۔ اور وہان ایک شہر آباد کرکے عرصہ دراز تک حکمران رہا (۱) کپل وستو جسے مہاتما بودھ کی جائے ولادت ہونیکی وجہ سے شہرت دوام حاصل ہے (۳) اہچھتر۔ واقع روہیلکھنڈ (۴) سنکاسیہ۔ واقع دوآب (۵) مانکپور اور (۶) کوشمبی متصل الہ آباد (۷) نیمکھار متصل سیتاپور یہ ایک مشہور تیرتھ ہے جس مین ایک پُرانا قلعہ اور کثیر التعداد منادر کے علاوہ ایک وسیع تالاب بھی شامل ہے آئین اکبری مین اس تالاب کا نام "چکر تیرتھ" درج ہے جسکا قطر ایک سو بیس فیٹ ہے۔ (۸) نیول اور (۹) سنجن کوٹ متصل لکھنؤ۔

زمانۂ قبل التاریخ مین اگرچہ عمارات کی طرز مختلف اوقات مین بدلتی رہی لیکن انکی تعمیر مین لکڑی پھوس۔ اور مٹی کے سوا اور چیزین نہین استعمال کی گئین۔ اینٹ۔ چونہ۔ اور پتھر وغیرہ کا استعمال رامائن اور مہابھارت کے زمانون سے پایا جاتا ہے جب ہندوستانی تمدن ترقی کرچکا تھا۔ مختلف قسم کی دھاتین مثلاً سونا۔ چاندی۔ تانبا اور لوہا بھی انھین زمانون سے عمارات مین استعمال ہونے لگا تھا جیسا کہ بعض محلات اور منادر کی تفصیلون سے جوان کتابون مین درج ہین بخوبی واضح ہے۔ ان عہود عتیق مین جو شہر آباد ہوتے تھے اُنکے ساتھ قلعہ بندی کا خاص اہتمام تھا جنکے بروج اور فصلین بہت بلند ہوتی تھین۔ اور گرد

Marfat.com

خندقون اور گھنے جنگلون کا بھی التزام تھا جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے تھے۔ شاہی محلات ناف شہر مین بلند ٹیلون پر بنائے جاتے تھے اور چار دیواری سے محدود ہوتے تھے ان محلات مین مختلف قسم کی عمارتین ہوتی تھین جنکا صحیح صحیح نقشہ کھینچنا دشوار ہے اس قسم کے ایک محل کا دھندلا سا خاکہ ایک یونانی سفیر کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہے جو تقریباً تین سو سال قبل مسیح یہان وارد ہوا تھا۔ وہ اس محل کا نام "پاتال پتر" لکھتا ہے جو ایک مستطیل وضع کا قلعہ تھا۔ اسکا طول نو میل اور عرض دو میل بیان کیا گیا ہے جسکے گرد تیس ہاتھ گہری ایک خندق تھی۔ شہر پناہ پانسو ستر برج اور پھاٹکون سے مزین تھی جس کا بالائی حصہ چوبی تھا اور جس مین تیر مارنے کیلئے بیشمار سوراخ بنائے گئے تھے۔ خندق سے مدافعت غنیم کا کام بھی نکلتا تھا اور شہر مین پانی بھی مہیا ہوتا تھا۔

ہندوستانی طرز تعمیر کے متعلق معلومات کے صرف دو ذریعے ہین۔ اول قدیم کھنڈرات۔ دوم قدیم تحریرین دو حصون مین منقسم ہین۔ اوّل مقامی۔ دوم غیر ملکی۔ مقامی تحریرین وہ کتابین یا پُرانین ہین جو بہت ہی قدیم ہین۔ حتی کہ وید مقدس مین بھی علم التعمیر پر ایک مستقل کتاب موسوم بہ "شیلپا شاستر" موجود ہے جسمین مذہبی اور خانگی دونون قسم کی عمارتون کے متعلق عام ہدایات درج ہین۔ مشہور ہندو مقنن سری منوجی نے اسپر اور اضافہ کیا ہے اور وہ راجہ کو اپنی راجدھانی[۵۵] قایم کرنے کے لیے ایک پہاڑی ملک کی ہدایت کرتے ہین جسکے گرد خندقین اور جنگل ہون اور قلعہ شاہی محلات کے سب سے بلند مقام پر تعمیر کیا جائے۔

---

۵۵ راجہ کو اپنی راجدھانی قایم کرنے کے لیے اپنے ملک مین سب سے بلند اور ہموار قطعۂ زمین منتخب کرنا چاہیے جو اشجار و اثمار وغیرہ سے مالامال ہو۔ جہان امراض ساریہ کا اندیشہ نہو۔ جس کا نظارہ خوبصورت ہو۔ جسکے گرد بلند پہاڑ اور گھنے جنگل ہون۔ اور جہان اُسکی رعایا آرام و آسایش سے رہ سکے۔ یہان اُسے اپنا دارالخلافت قایم کرنا چاہیے۔ جس مین ایک مضبوط قلعہ ہو جسکے گرد بیس میل کا جنگل یا ریگستانی میدان ہو۔ یا اُسے ایک ایسے قلعہ مین قیام کرنا چاہیے جسمین پانی اور درختون کی فراوانی ہو اور مسلح فوج یا پہاڑ اُسکی حفاظت کرین۔ ایک پہاڑی قلعہ سب سے بہتر ہے۔ ایسے قلعے کا ایک سپاہی فصیل پر کھڑا ہو کر نیچے کھڑے ہوئے ایکسو سپاہیون سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ قلعے کے اندر یہ سامان موجود رہنا چاہیے:۔ ہتھیار، غلہ، دولت، چوپائے، برہمن، اہل حرفہ، وشکار، رصد گاہ، چارہ اور پانی۔ اس قلعے مین راجہ کو اپنا محل صدر مقام پر بنانا چاہیے جسپر سفیدی پھری ہو جسمین متعدد مکانات تمام ضرورتون کے لیے کافی اور ہر موسم کے لیے موزون ہون اور جہان کنوئین اور درختون کی بھی کثرت ہو۔ منوشاستر

Marfat.com

رامائن مین اجودھیا کا جو نقشہ جادو نگار والمیک نے کھینچا ہے اس سے ایک قدیم زمانے کے دارالسلطنت پر صاف صاف روشنی پڑتی ہے۔ نیز رامائن مین کوشال داودھ) کی تمام بڑی بڑی اور مقدس مقامات کا ذکر بھی موجود ہے۔ مہابھارت مین ہستناپور اور اندرپرست مفصل بیان ہے نیز کرن کے دارالحکومت "دیپ" مین رمتصل تلسی پور) اور "سیارٹ کھیڑا" کا ذکر بھی موجود جسکے قرب جوار مین ایک سالانہ میلہ ہوا کرتا ہے۔ علاوہ برین "ان دھا" کے قلعے کا جو متھو مین واقع ہے اور راجہ نل کے قلعے کا جو نگراؤن مین تھا بالتفصیل ذکر ہے۔ کسکند ھا مین بنارس کے زمانۂ عروج کی پوری تصویر کھنچی ہوئی ہے اور اسکے بیشمار مندرون کی تفصیل درج ہے۔ اسیطرح پرانون مین جو آغاز تاریخ سے بہت پہلے کی تصانیف ہین اُن ہندو تعمیرات کا ذکر ہے جو زمانۂ قدیم سے بودھ مت کے آغاز تک بنائی گئین۔ زمانۂ بودھ کے تعمیرات کی تکمیل اشوک اعظم کے عہد مین ہوئی اور اُسکے تعمیر کردہ کھمب یا ستون دھرم شالے یا سرائین۔ بہار یا خانقاہین۔ اور استوپے۔ سرستی۔ اجودھیا۔ قنوج۔ کوسمبھی اور دوسرے شہرون مین اس کثرت سے پھیلے ہوے تھے کہ قدم قدم پر یہی نظر آتے تھے۔

جب سوامی شنکر آچارج کی بدولت ہندو مذہب کو دوبارہ فروغ حاصل ہوا تو قاعدہ فطرت کے مطابق بودھ تعمیرات پر زوال آگیا۔ تاہم اگرچہ ہندو مذہب نے تمام تر اقتدار حاصل کر لیا اور پراچین زمانے کی تمام باتین سختی کے ساتھ دوبارہ اختیار کر لی گئین لیکن فن تعمیر کے متعلق کوئی نمایان تغیر ظہور پذیر نہین ہوا بلکہ بودھ زمانے کی ترقی یافتہ طرز تعمیر بحال رہی۔ جیسا کہ "بودھے سر" متصل بہرام گھاٹ اور اس عہد کے دوسرے مندرون کی طرز تعمیر سے بآسانی واضح ہے۔ البتہ ستونون۔ اور گنبدون کی تعمیر جن سے

مله۔ شہر کی گلی کوچون کی تقسیم اور آراستگی نہایت دلکش تھی اور خاص خاص سڑکون پر پانی کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ باغات کی کثرت نے شہر کی خوبصورتی دوبالا کر دی تھی۔ شہر پناہ اور اُسکے پھاٹک نہایت عالیشان تھے۔ مسلح رتھ بانون اور جھنڈے لیے ہوے سپاہیون۔ حسینان خوش گلو۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ آراستہ و پیراستہ رتھون۔ سوداگرون۔ اور مختلف ملکون کے سفیرون کی کثرت وانبوہ سے تمام شہر گونج رہا تھا۔ دولتمندی کے اعتبار سے یہ شہر دولت کی کان تھا جہان لکشمی جی براج رہی تھین۔ در و دیوار انواع اقسام کے جواہرات سے مرصع تھے اور اپنی گوناگونی کے لحاظ سے چوسر کی بساط معلوم ہوتے تھے۔ سربفلک مکانات کی قطارین مسلسل اور یکسان بلند تھین جو باجون کی آواز۔ کمانون کی جھنکار اور وید منترونکی سوہلی آوازون سے گونج رہے تھے۔ بخور اور خوشبوئیات کی لپٹ۔ پھولون کی مہک۔ اور پوجا پاٹ کے دیگر لوازم۔ خوشبو سے دماغ معطر ہوتے رہے۔ ۱۲

(اجودھیا کا نڈ)

Marfat.com

بودھ مذہب کی یادتازہ ہوتی تھی یکقلم موقوف ہوگئی اور بہت سی موجودہ عمارات خصوصًا خانقاہین کلیۃً مسمار کر دی گئین ۔ انہین صرف وہ عمارتین اس عام تباہی سے محفوظ رہ سکین جو گھنے جنگلون اور پہاڑون مین پوشیدہ تھین جن مین ایلورا اور اجنٹا کے غار خصوصیت کے ساتھ قابل الذکر ہین جو ریاست نظام مین ابتک موجود ہین ۔ اس عہد مین بہت سے عالیشان منادر تعمیر ہوے تھے جن مین سے بعض بعض نہایت ہی اعلیٰ صناعی پر مبنی تھے ۔ مثلاً "سرناتھ" متصل بنارس جس کے کھنڈرات کو جنرل کننگھم نے ۱۸۳۵ء مین زمین سے برآمد کر کے اس عہد کی تاریخ پر ایک زبردست روشنی ڈالی تھی ۔

بہرنوع بودھ زمانے کی تمام مقدس عمارتین جو سرستی اور اجودھیا مین دست برد زمانہ سے بچ رہی تھین جین مت والون کے قبضے مین آئین ۔ چوتھی صدی عیسوی کی ایک تاریخی شہادت اس پر دال ہے ۔ مشہور چینی جاتری "فاہیان" جو اس زمانے مین ہندوستان آیا تھا اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ بودھ مذہب اور بودھ منادر دونون زوال پذیر ہین ۔ بعدازان "ہیون تھسانگ" دوسرا چینی سیاح جو ۶۳۰ء مین وارد ہند ہوا تھا ۔ لکھتا ہے کہ اس وقت شہر سرستی بالکل جنگل ہے اور اجودھیا دوبارہ ایک ہندو شہر ہو گیا ہے جیسے سرستی یا اوجین کے راجہ بکرماجیت نے جو بودھ مذہب کا زبردست دشمن تھا سن عیسوی کے آغاز مین پھر اپنی عظمت پر پہونچا دیا یہان اس نے نو نار سال کی مناسبت سے تین سو ساٹھ ہندو مندر تعمیر کرائے ہین جن سے رامچندر جی اور انکے متعلقین کے روزانہ مشاغل زندگی واضح ہوتے ہین ۔

اس عہد کے اختتام پر اندرونی مخالفت کی آگ بھڑکنے لگی اور باہمی نفاق اور عام تباہی وبربادی کی بدولت تقریبًا سارا اودھ ویران ہو گیا ۔ اب اونچی قومین کمزور ہوگئین اور نیچ ذاتین مثلاً تھار دبھار، اہیر وغیرہ طاقت پکڑ گئے ۔ بعدازان اسلامی حملے شروع ہوے اور بالآخر اودھ بھی مسلمانون کے قبضے مین آگیا ۔ اسطرح قدیم ملکی طرز تعمیر کے چمنستان مین ایک غیرملکی طرز تعمیر کے پودے نے نشو و نما کا آغاز کیا ۔ اور ابتک اس عہد کی بہت سی عمارتین ملی حالت قایم ہین جو ایک مخلوط طرز تعمیر کا نہایت صاف مرقع ہین ۔

نظر برین اودھ کی تعمیرات اپنی نوعیت کے اعتبار سے آٹھ قسمون پر منقسم ہین ۔ انمین چار ہندوون اور چار مسلمانون سے تعلق رکھتی ہین ۔ ہندو طرز تعمیر مین پہلی قسم ویدک زمانے سے تقریبًا دو سو پچاس سال قبل مسیح تک رائج رہی ۔ دوسری قسم بودھ زمانے سے تعلق رکھتی ہے جو دو سو پچاس برس قبل مسیح سے لیکر پانچوین صدی عیسوی تک رائج رہی ۔ تیسری قسم برہمنی دور کے زمانہ متوسط سے متعلق ہے جو پانچوین صدی عیسوی سے بارھوین صدی تک رائج رہی ۔ اور چوتھی قسم موجودہ سناتن دھرم سے علاقہ رکھتی ہے جو بارھوین صدی عیسوی سے اب تک قایم ہے ۔ اسیطرح مسلمانون کے عہد کی تعمیرات

Marfat.com

مین پہلی قسم عام ا فغانون سے تعلق رکھتی ہے جو گیارھوین صدی عیسوی سے چودھوین صدی عیسوی تک برابر رائج رہی۔ دوسری قسم جونپوری پٹھانون سے متعلق ہے جو چودھوین صدی سے پندرھوین صدی مذکور تک رواج پذیر رہی۔ تیسری قسم عہد مغلیہ کی یادگار ہے جس کا زمانہ پندرھوین صدی سے سترھوین صدی عیسوی تک ہے۔ چوتھی قسم جس کے آثار ابتک تازہ اور بکثرت موجود ہین۔ نیشاپوری خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو ۱۷۲۲ء سے ۱۸۵۶ء تک روزافزون ترقی کے ساتھ قائم رہی۔

نیشاپوری حکومت کے درمیان ہی مین اودھ کا بہت سا حصہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات مین شامل ہوگیا تھا اور ۱۸۵۸ء کے مشہور غدر کے بعد سے سارا ملک تاج برطانیہ کے زیر نگین ہوگیا۔ لیکن جدید دور حکومت مین عرصہ دراز تک کوئی قابل الذکر عمارت نہین تعمیر ہوئی۔ البتہ حال مین گورنمنٹ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی ہے اور اکثر عمدہ اور وسیع عمارات زیر تعمیر ہین جن سے اودھ کے صیغۂ تعمیر مین ایک معتد بہ اضافہ ہونے کی امید ہے۔

اودھ مین قدیم زمانے کے بہت سے آثار مختلف سلطنتون کے دور مین اس طرح مٹ گئے ہین یا اُنکی کایا پلٹ ہوگئی ہے کہ اُنھین خالص آرین تعمیر ثابت کرنا نہایت دشوار ہے۔ اسکے متعلق اسیقدر کہنا کافی ہے کہ جس طرح بودھ زمانے کی تمام تعمیرات آرین طرز تعمیر سے ماخوذ تھین۔ اسیطرح برہمنی دور کی تعمیرات مین بودھ طرز تعمیر کی تقلید کی گئی تھی۔ لیکن ہر دور کی عمارتون مین کچھ نہ کچھ نمایان تغیر بھی ہوتا رہا جس سے ہر زمانے کی تعمیرات مین ایک مابہ الامتیاز فرق قایم ہوگیا۔ اور اگلی طرز تعمیر بعد کی طرز تعمیر مین اس طرح مخلوط ہوگئی کہ اس کا صحیح نشان نہین ملتا چنانچہ اب نہ اس قسم کے گنبد۔ سمادھیان۔ مسان۔ اور بہار (خانقاہین) نظر آتی ہین نہ اس قسم کے سنگین ستون جو بودھ مذہب سے خصوصیت رکھتے تھے۔ بلکہ اب اُنکی جگہ عام شوالون اور ٹھاکردوارون نے لیلی ہے۔ قدیم پرانون مین "جیاس تھمب" اور "کیرتی تھمب" کا ذکر جا بجا موجود ہے۔ لیکن اس زمانے مین ان کا نشان تک نہین۔

اودھ مین ویدک زمانے یا ست جُگی دور کے اکثر شہر ابتک موجود ہین۔ مثلاً "اجودھیا" جس مین بلند و مرتفع ٹیلون کا ایک طولانی سلسلہ اپنی قدیم شان و شوکت کی نہایت صاف نشانی ہے۔ اسیطرح رام کوٹ اور "مہر گام" مین جو ضلع سیتاپور مین واقع ہین۔ ایسے بلند ٹیلے ابتک موجود ہین جو اپنی قدیم عظمت کی نشانات نہایت واضح طور پر ظاہر کرتے ہین۔ انکے علاوہ "منو۔ یا مان پور" جو لکھنؤ سے تقریباً چوبیس میل کے فاصلے پر جانب شمال واقع ہے عہد مہابھارت کی یادگار ہے۔ اس مین ایک نہایت وسیع اور بلند ٹیلا ہے جو "مان دھاتا" کا قلعہ کہلاتا ہے۔ اسکے فرمانروائون

Marfat.com

مین ایک کا نام بیر دیہان تھا جو مہابھارت کے مشہور ہیرو "ارجن" کا بیٹا تھا۔ یہ ٹیلہ کئی میل وسیع ہے تقریباً پچاس فیٹ بلند ہے۔ اسکے شمال جانب ایک عمیق نالہ ہے جو درحقیقت اس قلعے کی خندق ہے اور نہایت آسانی سے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ اس قلعے کی شکستہ اینٹین اور پتھر کے روڑے اس کثرت سے پھیلے ہوئے ہین کہ قرب وجوار کے دیہات مین تمام مکانات انھین سے بنائے گئے ہین۔ اسکی دیوارون کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ دس فیٹ چوڑی تھین اور اسکی تصدیق کھدی ہوئی دیوارونکے جوف سے ہوسکتی ہے اسکی نیو اسقدر گہری اور مضبوط ہے کہ نہ گہرائی کا پتہ چلتا ہے اور نہ کوئی اینٹ سالم نکل سکتی ہے۔ ادھر ادھر بیشمار مورتین نظر آتی ہین جو سب کی سب شکستہ ہین اور جنھین قرب وجوار کے دیہاتیون نے جابجا کھڑا کرکے اپنی عقیدتمندی کا ثبوت دیا ہے۔

انمین بعض مورتین بیحد خوبصورت ہین اور بعض اسقدر تازہ ہین گویا انھین ترشے ہوے چند روز سے زیادہ عرصہ نہین گذرا۔ نیز انکی تراش خراش مین نہ صرف اعلیٰ ہنرمندی کا اظہار کیا گیا ہے بلکہ انکے چہرے اور تناسب اعضاء دیکھکر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انکے بنانیوالے علم تشریح الابدان مین بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چہرونکی شگفتگی وشادابی دیکھکر صاف پتہ لگتا ہے کہ اُس زمانے مین اس ملک کی صحت نہایت عمدہ تھی اور ہر شخص اُس طمانیت اور دلی مسرت کا لطف اُٹھارہا تھا جو بعد زمانون مین مفقود ہوگئی۔ بہرکیف یہ مقام قدیم تمدن کا ایک ایسا خزانہ ہے جسکی احتیاط کے ساتھ تحقیقات کرنیسے علم ادب مین بہت کچھ اضافہ ممکن ہے۔

ضلع کھیری مین بھی قدیم شہرونکے بہت سے عالیشان کھنڈر اب تک موجود ہین جن مین کھجوا اور نورنگ آباد۔ کے کھنڈر بہت ہی معنی خیز ہین۔ ان مین ایک شہر "بیرات" کا ہمسر تھا جہان شیبا حکومت کا دور دورہ تھا اور جسکے راجہ کے پاس پانچون پانڈوؤن نے اپنے زمانۂ جلاوطنی مین پناہ لی تھی یہان ہرسال ایک میلہ ہوا کرتا ہے اور بہت سے متبرک مقامات کا سُراغ ملتا ہے جو ان اوتار نما بھائیون کی یادگار ہین[1]۔ شہر کا وسیع رقبہ۔ بے انتہا چوڑی خشتی دیوارین۔ خوشنما ظروف گلی۔ اور نفیس مورتین ایک نہایت دولتمند عہد کی یاد دلاتے ہین جس مین اودھ کے قدیم باشندے حال کے باشندون سے کچھ کم ذہین اور طباع نہ تھے۔

نگراؤن (ضلع لکھنو) کے کھنڈرات بھی بہت وسیع ہین۔ یہان مشہور راجہ "نل" کی راجدھانی قائم تھی جسکے چارونطرف بارہ جھیلین تھین جو نلون کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھین۔ کہا جاتا ہے کہ ان نلون سے راجہ کے محل کی عورتین پانی لایا کرتی تھین۔ یہ نل تمام شہر مین پھیلے ہوے تھے جن مین بعض بعض آہنی تھے اور زمین کھودنے پر برآمد ہوے ہین۔ تعجب ہے کہ نل دیا ئپ) کا استعمال

نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲

ملے یہان کی زمین کھودنے پر خوبصورت ترشی ہوئی اینٹین، پتھر کی سلین مٹی کے برتن اور مورتین برآمد ہوئی ہین

Marfat.com

اُس عہد قدیم مین بھی موجود تھا جسکو زمانۂ حال کی سائنٹفک فتوحات مین شمار کیا جاتا ہے۔ شاید لوہل کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہو۔ عرصہ ہوا کہ یہان کی زمین سے پُرانے سکّے اور جواہرات بھی برآمد ہوے تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ یہان کے ٹیلو نمین راجہ نل کا خزانہ دفن ہے۔ مہا بھارت مین اس اولوالعزم راجہ کی داستان نہایت دلچسپ ہے۔ وہ بہت بڑا عالی ہمت اور فیاض راجہ تھا ایک وقت مین اُس پر ایسی مصیبت پڑی کہ وہ بالکل تباہ ہوگیا۔ صحرا نوردی ' دریا دیہ پیائی کی مصیبت مین اُسکی خوبصورت رانی دمینتی (دمن) اُسکی رفیق تھی۔ آخر اُسے بھی جنگل مین تنہا چھوڑ کے وہ کسیطرف نکل گیا۔ اُسکی مصیبت کی یہ انتہا تھی جو ذیل کی مشہور مثل سے واضح ہے :۔

راجہ نل پہ بپت پڑی　　　　بھونی مچھلی جل کو چلی

اس امر کی تصدیق کہ یہ کھنڈرات زمانۂ بودھ سے بہت پہلے کے آثار ہین متعدد ذرائع سے ہوسکتی ہے۔ اوّل۔ ان کا بیان مہابھارت مین موجود ہے جسکو زمانۂ حال کے محققین نے بھی کم و بیش دس ہزار سال پہلے کی تصنیف مانا ہے۔ دوم ان کھنڈرات کے اینٹ اور پتھر بہت ہی پُرانے زمانے کے معلوم ہوتے ہین۔ سوم زبانی روایات' چہارم مورتون کی ساخت جن مین گوتم بدھ کی کوئی مورت کبھی نہین پائی گئی۔ حالانکہ زمانۂ بودھ کے کھنڈرات مین مہاتما بدھ کی مورتین ضرور ملتی ہین۔ نیز ان مورتون کے نقش و نگار ہندن کے زمانۂ متوسط اور حال کی سنگتراشی سے بھی مختلف ہین جس سے یہ گمان نہین ہوسکتا کہ وہ بودھ زمانہ کے بعد معرض وجود مین آئین۔ اس تھیوری کی تصدیق بھی محال ہے کہ ہند وسنگتراشی اہل یونان کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ابھی تک یہ سوال معرض بحث مین ہے کہ ہندو اور یونانی سویلزیشن مین کون مقدم ہے۔ ہندوستان مین یونانی نقش قدم سکندر اعظم کے مشہور حملے کے وقت سے ملتے ہین اور یونانی تمدن کی ترقی کا بھی یہی زمانہ ہے جسے ابھی اڑھائی ہزار سال بھی نہین گزرے۔ سکندر سے پیشتر صرف حکیم فیثا غورث کے یہان آنے کا پتہ لگتا ہے۔ لیکن وہ ایک حکیم یا فلاسفر تھا نہ کہ کوئی صناع و دستکار۔ نیز اُسکا تھوڑے عرصے تک قیام کرکے واپس جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ یہان اکتساب علم کے لیے آیا تھا نہ کہ اپنے علوم کی تعلیم دینے۔ کیونکہ آخر الذکر صورت مین اُس کا قیام قلیل نہوتا اور اُسکی بھی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایران ایسے آباد ملک کو راہ مین چھوڑ کر ہندوستان کو اپنی تلقینات کا مرکز بناتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہندو سنگتراشی مین یونانی خط و خال کا شائبہ تک نہین حالانکہ اگر وہ اہل یونان کی تعلیم کا نتیجہ ہوتی تو یہ قدرتی امر تھا کہ نقل مین اصل کی کچھ جھلک ضرور آجاتی۔

Marfat.com

یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اہل بودھ جو در صل ہندو تھے ، بغیر کسی قدیم نقش قدم کے فن تعمیر اور دستکاری مین ایک دم سے کسی اعلیٰ پیمانے پر نہین پہونچ گئے ۔ بلکہ انکا تمدن درحقیقت ایک طولانی ٹریننگ کا نتیجہ تھا اور جو تہذیب مدتہاے دراز سے درجہ بدرجہ ترقی کرتی چلی آئی تھی اُسی سے فائدہ اُٹھا کر وہ تمدن کی اُس شہ نشین پر پہونچے تھے جہان سے ساری دُنیا کی نگاہین اُن پر پڑنے لگی تھین ۔ حتیٰ کہ بودھ مذہب بھی ہندوازم کی ایک ترقی یافتہ شاخ تھا ۔ بعض چینی سیاح جو وقتاً فوقتاً یہان آتے رہے ہین اُن تمام مورتون کا ذکر کرتے ہین جو برہمنی مندرون مین موجود تھین ۔ نیز آریون کی قدیم پُرانین بھی فن سنگتراشی کے کے بہت سے اعلیٰ نمونون کے نام اور حُلیے پیش کرتی ہین ۔ ان وجوہ سے یہ تھیوری جو بعض مغربی مورخین نے قائم کی ہے کہ ہندوستان کے تمام آثار قدیمہ زمانۂ بودھ سے پہلے کے نہین ہین قابل اعتبار نہین ہے اور ایسا خیال قایم کرنے والون نے ادنیٰ غور وتامل سے بھی کام نہین لیا ۔ بہرکیف یہ نیچرل طور پر تاریخ کہ آرین عہد کے آثار بودھ زمانے کے آثار کے ساتھ ساتھ قایم رہ سکتے ہین اور عمدہ تحقیقات اُنھین روشنی مین لا سکتی ہے ۔

یہان ایک اور بات قابل غور ہے کہ قدیم کھنڈرات مین جو پتھر پاے جاتے ہین وہ زبان حال سے کہ رہے ہین کہ اُنھون نے کس مدت دراز تک قدرت کا مقابلہ کیا ہے اور قرنہاے ماضیہ نے اُنکی حالت کسقدر تبدیل کر دی ہے ۔ حتیٰ کہ اب وہ بغیر دوبارہ گڑھے ہوے کام مین نہین آسکتے اور جب سے یہ قدیم عمارتین مختلف زمانون مین منہدم ہوئی ہین اُنکے پتھر کبھی تراشے یا استعمال نہین کیے گئے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف یہ پتھر زمین مین کھود کر نکالے نہین گئے ۔ دوسری طرف موجودہ سامان عمارت ختم ہو جانے سے ان اضلاع مین پتھر کی خاص کمی نظر آتی ہے ۔ خصوصاً لکھنؤ کی آخری عمارات مین پتھر کا ذکر تک نہین ہے ۔

بہرکیف بودھ طرز تعمیر قدرتی طور پر آرین فن تعمیر کا ترقی یافتہ نتیجہ تھی ۔ استوپہ کی تعمیر سے یہ غرض تھی کہ ایک بزرگ کے خیال مین اضافہ ہو ۔ اسیطرح ستونون اور خانقاہون کو سمجھنا چاہیے ۔ حتیٰ کہ محلات اور قلعے ۔ یا خانگی عمارات کی تعمیر مین بھی یہی غرض مضمر رہی ۔ نظر برین قدیم وجدید طرز تعمیر مین دو قسم کا فرق قائم ہو سکتا ہے ۔ اوّل یہ کہ آخر الذکر نے اوّل الذکر طرز تعمیر مین اضافہ کیا یا اُسکو ترقی دی ۔ دوم یہ کہ بودھ زمانے کی تمام عمارات اس غرض سے بنائی گئین جن سے بانی مذہب کے اشغال زندگی اُس حد تک نمایان ہون جو اگلے زمانے مین مفقود تھی ۔ اسطرح بودھ طرز تعمیر زیادہ مستقل و زیادہ مقبول ہو گئی اور اُسکے نمونے کابل تبت چین ۔ برہما ۔ سیلون اور جاپان وغیرہ تک وسیع ہو گئے ۔ بس خالص آرین طرز تعمیر کا سُراغ لگانا نہایت مشکل ہے کیونکہ اُسپر بے انتہا سیلاب گزر گئے ۔ حالانکہ بودھ مذہب نہایت وسعت کے ساتھ غیر ممالک

Marfat.com

تک پھیلا ہوا ہے اور اسکے نشانات ہر جگہ پائے جاتے ہین۔

یہان یہ بحث دوبارہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا فی الحقیقت ہندون کے آخری فن تعمیر پر کوئی یونانی اثر پڑا تھا؟ یا یہ تھیوری محض خیالی طور پر تصنیف کر لیگئی ہے۔ اگرچہ اشوک اعظم کے عالیشان مینارون کی ساخت یونانی اثر تعمیر سے مشابہ ہے اور کابل و پنجاب مین ایسے سکے بھی برآمد ہوے ہین جن مین یونانی دیوتاؤن کی تصویرین بنی ہوئی ہین جنکی بنا پر اس عہد کو "ہند یونانی عہد"[1] کہا جاتا ہے۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ سنسکرت کو یونانی زبان کا بچہ نہین کہا جاتا جس مین بے انتہا مشابہت ہے۔ اس سے انکار نہین کہ سکندر اعظم کے حملے کے وقت سے یونانیون اور ہندون مین انٹرکورس قایم ہو گیا تھا اور عرصے تک قایم رہا لیکن یہ ہندون کے زوال کا زمانہ تھا اور اُنکی تمام ترقی اس سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی جسکے صدہا نشانات ابتک موجود ہین۔ اور سب اُس عہد سے پہلے کی یادگار ہین۔ ایسے ہی "ہندی سیتھین عہد"[2] بھی قابل اعتماد نہین۔ کیونکہ سیتھین طرز کی کوئی عمارت کہین موجود نہین ہے جس سے اس خیال کی تصدیق ہو سکے کہ کبھی کوئی ایسا اثر روے زمین پر قائم ہوا تھا۔ نہ کوئی یونانی طرز کی عمارت سرزمین ہند پر موجود ہے جس سے کوئی یونانی اثر پایۂ ثبوت کو پہونچ سکے۔ نفس الامر یہ ہے کہ زمانۂ حال کے ماہران علم التعمیر نے بجاے ذاتی تحقیقات کے محض یونانی اور چینی سیاحون کے بیانات پر اعتماد کر لیا ہے جنکے سفرنامے بالکل سرسری کوشش کا نتیجہ ہین۔ نیز اُنکے ترجمے بھی بہت ہی مشکوک و مبہم ہین جنکی بنا پر خیالی عمارت اُٹھا لیگئی ہے

زمانۂ بودھ مین اودھ کے جو خاص خاص شہر فن تعمیر کے مرکز تھے وہ (۱) بنارس (۲) اجودھیا (۳) سرتی اور (۴) کپل وستو تھے۔ کپل وستو وہ مقام تھا جسے گوتم بدھ کی جاے ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے اور جہان اس زبردست روحانی رفارمر یا پیغمبر اعظم نے اپنی طفلی کا زمانہ بسر کیا تھا۔ اس شہر کا نشان صرف ایک ٹیلے کی صورت مین رہ گیا ہے جو "بھویلا تال" کہلاتا ہے اور اجودھیا سے شمال مشرق جانب تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر ضلع بستی مین واقع ہے۔ بنارس وہ مقام ہے جہان مہاتما بدھ نے پہلے پہل تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہان اُس وقت کے آثار حسب ذیل ہین:- (۱) وہ گنبد اعظم جو "دھامک" کے نام سے مشہور ہے (۲) ایک خشتی گنبد (۳) خانقاہون کے نشانات (۴) ایک پختہ خشتی چبوترہ جس پر ایک مثمن برج بنا ہوا ہے اور "چوکنڈی" کے نام سے مشہور ہے (۵) تین جھیلین

اجودھیا اُس وقت تک ایک مستقل حکومت کا دار السلطنت تھی جہان مہاتما بدھ سات برس تک مقیم رہے تھے

---

[1] INDO GRECIAN PERIOD

[2] INDO SCYTHIAN PERIOD

یہان اُنکے قیام کی یادگار مین متعدد عمارات تعمیر کی گئی تھین ۔ سرستی ایک دوسری سلطنت کا پایۂ تخت تھی جس کا راجہ اور وزیر سب سے پہلے گوتم بدھ پر ایمان لائے تھے ۔ نظر بون یہ شہر بودھ طرز کی عمارات کا ایک گنجینہ تھا جنمین بہت سی عمارات کا سُراغ جنرل کننگھم نے لگایا تھا ۔ مشہور چینی جاتری فاہیان نے یہانکے قلعے کا ذکر جو اب بالکل معدوم ہو گیا ہے نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے جسکے اردگرد بیشمار گپھائین ۔ ستون ۔ اور عبادت گاہین بنی ہوئی تھین ۔ اسکے قریب ایک اور مقام ہے جسکا نام "منڈوا"[1] ہے یہان بعض نہایت اہم کھنڈرات ہین ۔ اور عوام الناس "مایا دیوی" کی مورت کو "ستیا مائی" کے نام سے پوجتے ہین ۔

زمانۂ بودھ کے اختتام پر برہمنی تہذیب کا دوسرا دور شروع ہوا ۔ اب استوپون اور خانقاہون کی جگہہ مندرون نے لے لی اور مایا دیوی اور گوتم بدھ کی مورتون کے بجاے "وشنو" مہادیو ، اور پاربتی جی ، کی مورتین بننے لگین ۔ خصوصًا سکون پر ہندو علم الاصنام کی تصویرین مضروب ہونے لگین اور اس عہد کے سکے عام طور پر ایک تا دیا بیل اور ایک چتربھجی مورت پیش کرتے ہین جو چار ہاتھ والی دیوی "درگا جی" سے منسوب ہے ۔

اسی زمانے مین قنوج[2] ایک دارالسلطنت کے درجے پر پہونچا اور اجودھیا بودھ اثر سے پاک ہوئی ۔

---

[1] منڈوا مین خشتی کھنڈر کا ایک ٹیلہ ہے جسکا طول آٹھ سو فیٹ عرض تین سو فیٹ اور بلندی ۳۰ فیٹ ہے اسکے قریب ایک جھیل بھی ہے جو "ستیا دیوی تال" کہلاتی ہے ۔ اسکے جنوب مغربی کونے پر ایک عظیم استوپہ کے کھنڈر ہین جسکا قطر ستر فیٹ ہے ۔ یہین وہ مورت ہے جو ستیا مائی کہلاتی ہے اور جو در اصل مایا دیوی کی مورت ہے ۔ یہین کیشپ بودھ کو ایک برگد کے درخت کے نیچے نروان حاصل ہوا تھا ۔ ۱۲

[2] جب ۱۰۱۸ء مین محمود غزنوی نے قنوج پر فوج کشی کی تو اسے ایک ایسا فلک فرسا شہر نظر آیا جو اپنی عالیشان تعمیر اور مضبوطی مین اپنا ہمسر نہ رکھتا تھا ۔ اسے عام طور پر "کان کُبج" کہتے تھے ۔ اسکے ایک مشہور راجہ کا نام "ہرش وردھان" تھا جو ۶۰۶ء سے ۶۴۸ء تک حکمران رہا ۔ اس شہر مین ۸۴ محلے تھے جن مین ۲۵ ابتک باقی ہین ۔ اسکا قلعہ ہر طرف سے چار ہزار فیٹ طویل ہے اور بلندی ساٹھ سے ستر فیٹ تک اسکی شکل مثلث ہے ۔ شمالی گوشے پر ایک حاجی کی درگاہ ہے مغربی جانب اجے پال کا مندر اور جنوب و مشرق جانب ایک عالیشان برج ہے جسے "کشیم کالی برج" کہتے ہین ۔ شہر کے تین جانب تین جاگھ ہین اور جاے وقوع نہایت شاندار ہے ۔ اجے تال اور برج کے درمیان مین "بالا پیر" کا روضہ ہے ۔ سب سے بلند ٹیلے کے وسط مین "ستیا کی رسوئین" ہے اور اجے پال کے مندر کے قریب ہی "رنگ محل" ہے جو ایک قدیم محل کے کھنڈر کا مجموعہ ہے ۔ جامع مسجد اور مسجد مخدوم جہانیان بھی بہت پرانی عمارتین ہین جنکی بنا قدیم زمانے کے ستون یا کھمب ہین ۔ رنگ محل کا رقبہ دو سو چالیس فیٹ طویل اور ایک سو اسی فیٹ عریض ہے ۔ ستیا کی رسوئین جس مین جمعہ و دیگر

Marfat.com

سرستی یا اُجین (جسکا قدیم نام "انشکا پوری بھی ہے) کا راجہ وکرما دت جو بودھ مذہب کا سخت دشمن تھا اجودھیا کی از سر نو آبادی اور رونق کا باعث ہوا اور اُس نے اُن جنگلون کو صاف کرایا جنھون نے ساری اجودھیا کو گھیر لیا تھا۔ ان جنگلونمین قدیم شہر کا پتہ لگانیکے لیے مقدس دریاے سرجو جسکی موجون نے رام دستیا کے قدم چومے تھے راجہ کی بہت کچھ رہبری کی۔ نیز "ناگیشور ناتھ" کا مندر بھی ایک کافی نشان تھا جو بودھسٹ یا دہریت کے زمانون کی پائمالی سے بچ رہا تھا۔ ان نشانات اور قدیم نوشتونکی مدد سے اُس نے متعدد مقدس مقامات کو از سر نو تعمیر کرایا جنکی تعداد تین سو ساٹھ تھی اور جہان غول درغول جاتری جاتے تھے

لیکن مرور ایام کے ساتھ ساتھ نیچ قومین اکثر فرقون پر غالب آ گئی تھین۔ اور رفتہ رفتہ انھون نے اپنی حکومت کی بنیادین اسوک پور، مکیہ [illegible] اور دیگر معمولی شہرونمین قائم کرلین یہان انھون نے خشتی قلعے تعمیر کرائے اور ان شہرون کو اپنی جنگی طاقت کا مرکز قرار دیا۔ تاہم یہ قلعے اس قابل نہ تھے کہ مسلمانون کی فتحمند فوجون کے سیلاب کو روک سکتے جو اُس وقت ہندوستان کو فتح کر چکے تھے اور ہندوون کی بڑی بڑی سلطنتین مثلاً دہلی و اجمیر۔ قنوج و گجرات وغیرہ اُنکے قبضے مین آ چکی تھین۔ پھر بھی بعض بعض نیچ قومون کے سردار اسقدر طاقتور تھے کہ اودھ پر حملہ کرنیوالون سے مقابلہ کرتے رہے اور انمین بعض کامیاب بھی ہوے۔ چنانچہ "سہیل دیو" والی اسوک پور نے سید سالار کی عظیم فوج کو ایک سخت جنگ مین مقام بہرائچ شکست دیدی جس مین

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ [illegible] مسجد واقع ہے ایک اُٹھ فیٹ طویل اور چھ فیٹ عریض ہے۔ سورج کنڈ بھی ایک پرانا مقام ہے جہان ہندوون کے مہینے مین ایک میلا ہوا کرتا ہے۔ ہیان کے بیان کے مطابق یہان ایک عالیشان اسپتہ بھی تھا جسے اشوک نے تعمیر کرایا تھا اسکی بلندی دو سو فیٹ تھی اور دریاے گنگا کے شمال مشرق جانب واقع تھا جہان مہاتما بدھ نے اپنے معتقدین کو تلقین کی تھی مونی [illegible] میں رام [illegible] اور دوسرے دیوتاؤن کی بہت قدیم مورتین ہین۔ دیگر آثار قدیمہ متعدد ٹیلے ہین جو شکستہ اینٹون اور درختون سے بھرے ہوے ہین ۱۲

[illegible] ایک بہت پرانا قلعہ ہے جسکی بلندی ایکسو نیٹ کے قریب ہے اور دریاے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ اسکے اندر شاہجہان کے عہد کی ایک [illegible] ایک دوری بھی ہے جو دریا سے اسقدر ملی ہوئی ہے کہ اُسکی چھت پر سے دریا مین ڈول لٹکایا جاسکتا ہے ڈلمؤ کی اصلیت [illegible] ہے جسکا بانی راجہ "دل" برادر راجہ [illegible] قوم بہیر تھا۔ یہ پھاگن کے مہینے مین کثرت سے مے نوشی کیا کرتا تھا آخرکار جونپور کے ایک بادشاہ نے دلمؤ پر حملہ کرکے دونون بھائیون کو قتل کر ڈالا۔ اس پر دونو تکی بیوہ رانیون نے دعا مانگی اور قلعہ حملہ آور پر پلٹ پڑا۔ بعد ازان رانیون نے حملہ کرکے بادشاہ کو قتل کر ڈالا۔ جس کا مزار لکھن پور مین واقع ہے پھاگن کے مہینے مین ان دونون بھائیون کی یادگار مین ایک میلہ ہوا کرتا ہے ۱۲

Marfat.com

خود سید صاحب بھی کام آئے۔ اور اب تک ان کا مزار اُسی مقام پر موجود ہے یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ ہوا کرتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ قومین بالکل ضعیف ہوتی گئین اور اب بجز چھارد۔ یا اہیر سردار دکی یادگار کوئی ایسی عمارت موجود نہین ہے جن سے انکے فن تعمیر کا اندازہ کیا جا سکے یا انکی تعمیرات کا کوئی جداگانہ اسکول قایم کیا جاے۔ قیاساً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انکے قلعے اُن معمولی گڑھیون سے مشابہ تھے جو مسلمانون کے عہد حکومت مین تعلقہ داران اودھ شاہی فوج کو روکنے کے لیے بنا لیا کرتے تھے۔

مسلمان فاتحین ہندوستان مین اُسوقت آئے تھے جب وہ دنیا کے بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے اور بغداد کی مشہور سلطنت پورے عروج پر تھی لیکن عربون کا حملہ ہندوستان مین زیادہ کامیاب نہین ہوا اور وہ اپنی نئی تہذیب تمدن کا کوئی اثر نہ قائم کر سکے۔ البتہ ایک زمانہ دراز کے بعد افغانون کی مسلسل کوشش سے ہندوستان فتح ہوا اور شہاب الدین غوری کے گورنر قطب الدین ایبک نے بعض اسلامی وضع کی عمارات تعمیر کرا کے ہندوستان کے فن تعمیر مین ایک نیا باب کھولدیا۔ رفتہ رفتہ مفتوح قوم کی خاص طرز تعمیر حکمران قوم کی طرز تعمیر مین مخلوط ہو گئی۔ نو وارد فاتحین کو ہندوستان مین اپنی حکومت اور تہذیب قائم کرنیکی ضرورت تھی۔ لہذا ہندونکی موجودہ عمارات مین تصرف ایک قدرتی بات تھی بہرکیف بہت سی قدیم عمارات کی ہیئت جدید طرز پر تبدیل ہو گئی۔ انمین مذہبی اور غیر مذہبی ہر قسم کی عمارتین شامل تھین۔ حتی کہ تھوڑے عرصے کے بعد مفتوح قوم بھی فاتح قوم کی تعمیری خصوصیات کا اثر قبول کرنے لگی۔ چنانچہ اودھ مین اسلامی حکومت قائم ہونیکے بعد ہندونکی مذہبی اور خانگی عمارات مین یہ اثر نمایان طور پر واضح ہونے لگا تھا۔ حتی کہ ہندونکے گنبد بھی ”تلجی قسم“ کے بننے لگے تھے جو اسلامی طرز تعمیر کی خاص خصوصیت تھی۔ اس زمانے مین جو مندر تالاب۔ گھاٹ اور قصبے وغیرہ تعمیر ہوے ان مین اسلامی طرز تعمیر مخلوط ہے۔ خاص جودھیا یا اُسکے نواح مین راجہ درشن سنگھ اور اُنکے نامور بیٹے راجہ مان سنگھ نے جتنے مندر وغیرہ تعمیر کرائے تھے اُنکے بقیہ نشانات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے ”ہنومان گڑھی“ بھی مسلمانون ہی کے عہد مین تعمیر ہوئی تھی جسے تین سو برس سے زائد عرصہ گذرا۔ اور اسمین بھی اس کا شائبہ موجود ہے۔

مسلمانون کے عہد مین سب سے پہلے افغانی طرز تعمیر کا نمبر ہے۔ اودھ پر مسلمانونکی سب سے پہلی فوجکشی سید سالار مسعود“ کی سرغنائی مین ہوئی تھی۔ اُنھون نے اپنے مذہب کی ترویج ”ستر کھ“ سے شروع کی تھی جو عرصہ تک اُنکا صدر مقام رہا۔ یہین سے اُنھون نے بنارس، مانک پور۔ اور دیگر مقامات کی تسخیر کو فوجین روانہ کی تھین۔ ہندو مسلمانون مین بعض نہایت خونریز لڑائیان وقوع مین آئین

جنگکے اختتام پر میدان جنگ مسلمان مقتولین کے مزارون سے آباد ہوگئے. قصبۂ بسوان مین جو لکھنؤ سے شمال مشرق جانب تقریبًا بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے ہندو مسلمانون کے اس مخاصمانہ عہد کی بہت سی دلچسپ یادگارین موجود ہین جن مین سب سے زیادہ معنی خیز "اک راتیہ روضۂ شہید" ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ بیان کیجاتی ہے کہ یہ روضہ صرف ایک رات مین تعمیر ہوا تھا. لیکن ایک رات مین اسکی تعمیر تکمیل کو نہین پہونچ سکی تھی. چنانچہ اس عمارت پر گنبد نہین تیار ہوسکا. اسکی تعمیر مین جو مٹریل استعمال کیا گیا ہے وہ صاف طور پر ہندو عمارات کا سامان معلوم ہوتا ہے اور اینٹ پتھر نہایت بے ترتیبی سے ایک دوسرے پر رکھدیے گئے ہین جو ایک نہایت عاجلانہ کارروائی کے شاہد ہین۔ اس روضے مین چار قبرین ہین دو مردانی اور دو زنانی۔ اب یہ عمارت تباہی کے عالم مین ہے اور بہت سے برگد کے درخت اسکو اپنے آغوش مین چھپائے ہوے ہین. یہان ایک اور روضہ بھی ہے جو "چریان شہید" کی درگاہ کہلاتا ہے۔ اسیطرح بہرائچ. سندیلہ. اور فتحپور کی مسجدین بھی قدیم افغانی طرز تعمیر کی یادگار ہین. فیض آباد مین "غوران غوری" کا مزار اور "خرد مکہ" کی درگاہ بھی تقریبًا سات صدی پہلے کی عمارتین ہین۔

شرقی سلطانونکی طرز تعمیر خصوصیت کے ساتھ جونپور[1] تک محدود ہے. حالانکہ اُسکے بہت سے نمونے سلطانپور

---

[1] جونپور کا قدیم نام "جمدگنی پور" یا جمن پور تھا اسمین حسب ذیل عمارتین یا اُنکے آثار پائے جاتے ہین:-

(۱) قدیم قلعہ جس کا نام "کرکوٹ" تھا اور ایک راچھس مسمی کر سے منسوب تھا جو رامچندر جی کے ہاتھ سے مارا گیا تھا یہ قلعہ لب دریائے گومتی واقع تھا جسکی دیوارون کو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایک انجنیر نے کھدوا کر مسمار کردیا تھا (۲) اٹالا دیوی کا مندر۔ جسے راجہ جے چند والی قنوج نے تقریبًا ۱۳۰۰ء مین تعمیر کرایا تھا (۳) بے مندر اوپر اٹالا (۴) ایک پُرانی مسجد اندرون قلعہ. یہ عمارت قدیم بنگالی طرز تعمیر سے مشابہ ہے جو ہندو طرز کے نقشی ستونون پر قائم ہے اور جس کے وسط مین تین پست گنبد ہین۔ اسکا طول ۱۳۰ فیٹ اور عرض ۲۲ فیٹ ہے (۵) اٹالا مسجد جسے ابراہیم شاہ شرقی نے قدیم ہندو مندر کی جگہ پر تعمیر کرایا تھا. اس مسجد مین نہایت عمدہ نقش و نگار ہین اور بہت خوبصورت ہے۔ اس کا طول ۲۵۲ فیٹ اور عرض ۲۴۸ فیٹ ہے۔ اسکے ساتھ ایک بہت کشادہ صحن ہے جس کا طول ۱۷۶ اور عرض ایکسو ننانوے فیٹ ہے۔ اسکی وسطی محراب جو نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ ہے ۷۵ فیٹ بلند ہے اسکے دونون پہلوؤن مین دو اور محرابین ہین جو کسیقدر چھوٹی ہین اور مساوی الاضلاع ہین صدر محراب نیچے سے ۴۸ فیٹ اور اوپر سے ۴۵ فیٹ عریض ہے۔ خاص مسجد پانچ درجون مین منقسم ہے. وسطی درجے پر ایک عالیشان گنبد ہے جسکا قطر تیس فیٹ ہے۔ اسکے دونون پہلوؤن مین دو لمبے چوڑے کمرے ہین جنکا طول ۴۲ فیٹ اور عرض ۳۰ فیٹ ہے۔ انکے بعد دونون کنارون پر ایک ایک کسیقدر پست اور چھوٹا حجرہ ہے۔ اس کا نقشہ ایک ہندو معمار نے ۱۴۰۸ء مین مرتب کیا تھا جس کا نام "پدومری" تھا

رسلے بریلی۔ اور نانک پور مین بھی نظر آتے ہین شاہانِ جونپور نے جو طرز تعمیر اختیار کی تھی وہ غوری اور خلجی شاہانِ دہلی کی طرز تعمیر کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے۔ قطب الدین ایبک کی دونون عالیشان مسجدین جو دہلی اور اجمیر مین واقع ہین اُنکی رو کار کی صدر محرابین درمیانی گنبد تک بلند ہین تمام مشرقی پٹھان بادشاہون نے بھی اس خصوصیت کو قائم رکھا ہے اور ساتھ ہی خلجی طرز تعمیر کے تتبع مین منبت کاری کی

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ۔ ہی وجہ سے اسکی تعمیر ہندو مسلمانی طرز تعمیر کا مجموعہ ہے (۶) خالص مخلص مسجد جو نبے چندر کے مندر کی جگہ پر تقریباً سنہ ۱۴۰۰ء مین تعمیر ہوئی تھی۔ اب اس مسجد کا بہت کم حصہ باقی ہے۔ صرف شکستہ صدر محراب رہ گئی جسکی چھت ہموار ہے اور ہندو طرز کے ستونون کی دس قطارون پر قائم ہے جنکی تعداد ایک سو چودہ ہی (۷) زنجیری مسجد جسکی منبتکاری زنجیر نما ہونیکی وجہ سے یہ نام پڑ گیا (۸) جامع مسجد اس کا طول دوسو پچاس فیٹ اور عرض ۲۰۰ فیٹ ہے۔ یہ مسجد محمود شاہ نے بنوائی تھی جسکی تعمیر سنہ ۱۴۷۰ء مین انجام کو پہونچی تھی۔ اس کا صحن بھی اٹالا مسجد کی طرح بہت وسیع ہے۔ اور اس مین ایک بلند چبوترہ بھی واقع ہے۔ پھاٹک کے پہلو ئین مین تین منزل بلند حجرے ہین (۹) لال دروازہ مسجد جسکی بنیاد سنہ ۱۴۴۷ء مین پڑی تھی اور سنہ ۱۴۵۰ء مین اختتام کو پہونچی۔ خاص عمارت کا طول ۲۰۰ فیٹ اور عرض ۱۶۸ فیٹ ہے۔ صدر محراب ۴۸ فیٹ چوڑی اور ۵۹ فیٹ بلند ہے۔ اسمین آمد و رفت کا ایک دالان بھی ہے جو دوسری مسجدون مین نہین ہے۔ (۱۰) پتھر کا پل اسکی بنیاد شہنشاہ اکبر نے سنہ ۱۵۶۴ء مین ڈالی تھی لیکن عام طور پر اس پل کو محمد منعم خان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس پل کے دو حصے ہین جنکے درمیان مین ریت کا ایک ٹیلہ سا ہے۔ ابتدا مین اس پل کا ایک ہی حصہ بنایا گیا تھا۔ لیکن بعد کو دریا کے ہٹ جانے سے دوسرا حصہ بھی تعمیر ہوا۔ یہ پل ہندوستان کے مشہور پلون مین شمار کیا جاتا ہے جو اپنی وضع مین لاجواب ہے۔ اسکے ستون اور محرابین قد و قامت مین مساوی ہین اور ہر ستون کی بالائی حد پر پتھر کا ایک چھوٹا سا درجہ ہلکے ہلکے ستونون پر قائم ہے۔ ان درجون کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جن مین تجارت پیشہ لوگون کی دوکانین قائم ہونیکی وجہ سے پل کے اوپر ایک خوبصورت بازار قائم ہے۔ یہ دوکانین پل کے دونون جانب ایک دوسرے کے جواب مین واقع ہین۔ بیچ کی سڑک ۲۶ فیٹ چوڑی ہے جسکے دونون جانب سنگی چبوترے ۲۰-۲۴ فیٹ تک قایم ہین۔ تمام پل کا طول ۶۵۴ فیٹ ۱۳ انچ ہی پل کے بڑے حصے مین (جو شمال جانب ہے) دس کھلی محرابین ہین جو ۱۰ ستونون پر قائم ہین دوسرا حصہ جو کسیقدر چھوٹا ہے اور جنوب جانب واقع ہے صرف پانچ محرابون پر منقسم ہے ۱۲

(جنرل گزیٹیر۔ حم)

کی متعلقہ محرابین بھی قایم کی ہین۔ عمارت کے پھاٹک اور دوسرے حصے ہند وطرزِ تعمیر سے خاص مناسبت رکھتے ہین اور ان سب کے اجتماع سے ایک جداگانہ طرزِ تعمیر پیدا ہوگئی ہے۔ رائے بریلی مین ایک بہت بلند اور وسیع قلعہ ہے جو ابراہیم شرقی" والی جونپور کی یادگار ہے۔ اسکی نشانی ایک عظیم کنوان بھی ہے جسکا قطر اکیسو فیٹ ہے۔ اس کنوین مین جو کوٹھیان گلائی گئی ہین اُنکا طول دو فیٹ۔ عرض ڈیڑھ فیٹ۔ اور دبازت ایک فیٹ ہے۔

مغل طرزِ تعمیر کے نمونون مین بابر شاہ کی مسجد واقع اجودھیا۔ جونپور کا پُل۔ لبوان کی مسجد۔ عالمگیری مسجدین واقع بنارس و لکھنؤ۔ خسرو باغ واقع الہ آباد و بعض مقابر و قلعۂ مچھی بھون واقع لکھنؤ۔ خاص خاص عمارتین ہین جنمین آخر الذکر قلعہ اب موجود نہین ہے۔ انمین لبوان کی مسجد نہایت ہی خوبصورت ہے جسکے ایک پہلو مین ایک مقبرہ اور دوسرے پہلو مین ایک مسافر خانہ بھی ہے۔ اسے ایک شخص مسمی "شیخ بھورے" نے تعمیر کرایا تھا جسے ڈھوبرس سے زائد عرصہ ہوا قلعہ مچھی بھون شیوخ لکھنؤ کی یادگار تھا جنھین مغلیہ دربار سے لکھنؤ کی جاگیر عطا ہوئی تھی۔ شاہ مینا کی درگاہ۔ پیر جلیل کا روضہ اور بعض نہایت پُرانے مقبرے بھی شیوخ لکھنؤ ہی کے عہد کی یادگار ہین جنمین اوّل الذکر درگاہ کا اب نشان تک نہین ہے۔ یہ درگاہ ۱۴۷۵ء مین تعمیر ہوئی تھی اور ۱۸۵۸ء مین مسمار ہوگئی۔ لیکن شاہ صاحب کا مزار ابتک مع ایک مختصر احاطے کے موجود ہے جہان جوق جوق خلقت زیارت کو آیا کرتی ہے۔ بقیہ روضے اور مقبرے نہایت خستہ حالت مین ہین جنکی صدیون سے مرمت نہین ہوئی۔ مغلیہ طرزِ تعمیر مین سادگی، ارتفاع اور خوش وضعی کو سب سے زیادہ دخل ہے اس طرز کی خاص علامت نکیلی محرابین ہین جو عہد مغلیہ کی تمام ابتدائی عمارتون مین صاف نظر آتی ہین۔ اسمین بھی ہند وطرزِ تعمیر ایک حد تک مخلوط ہے اور اس اختلاط کی خاص وجہ ملکی خصوصیت کو قائم رکھنا یا ہند و مسلمانون مین اتحاد کی کوشش کرنا معلوم ہوتی ہے جو شہنشاہ اکبر کا خاص مقصد تھا۔

نیشاپوری خاندان کی ابتدا نواب "برہان الملک" سے ہوئی تھی جنکا ذکر نادرشاہ" کے مشہور حملے کے

؎ شیخ عبد الرحیم ساکن بجنور یا دری طالع سے اکبر اعظم کے متوسلین مین داخل ہوگیا تھا جسے "کورج" اور "لکھنؤ" کے علاقے بطور جاگیر عطا ہوئے تھے جن پر اسکی اولاد عرصے تک قابض رہی حتی کہ بہادر شاہ اوّل کے عہد مین شیخ ابو المکارم کو اودھ کی صوبہ داری بھی عطا ہوگئی۔ لکھنؤ ان شیخون کا صدر مقام تھا جہان اُنھون نے مچھی بھون نام ایک قلعہ اور کئی عمدہ و مستحکم عمارات تعمیر کرائی تھین۔ انمین "پنج محلہ" وہ عمارت تھی جسے عبد الرحیم نے اپنی پانچ بیبیون کے مشترکہ محل کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔ قلعے کے صدر پھاٹک کا نام "شیخن دروازہ" تھا جسمین شیوخ لکھنؤ نے اپنی جنگی طاقت کے اظہار کے طور پر ایک تلوار لٹکا دی تھی اور جسے برہان الملک نے اپنے داخلہ کے وقت کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ عبد الرحیم کا مقبرہ نبی گنج مین "نذان محل" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲ (قیصر التواریخ جلد اوّل)

Marfat.com

ساتھ تاریخ دہلی مین موجود ہے۔ دربار دہلی سے انھین اودھ کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی۔ اُس زمانے مین زمینداران اودھ کی سرکشی حد سے گزر گئی تھی اور اُنکی سرکوبی کے لیے برہان الملک سے جنگجو صوبہ دار کی ضرورت تھی اُنکی ساری عمر جنگ و جدل مین گذری۔ اور ہمیشہ سپاہیانہ طور پر خیمون مین بسر کرتے رہے۔ صرف محلات کے قیام کے لیے قلعہ مچھی بھون اور پنچ محلہ "شیوخ لکھنؤ سے پانسو چھتیس روپیہ ماہوار بطور کرایہ لے لیا تھا۔ تمام اودھ مین کوئی عمارت اُنکی یادگار نہین ہے۔ اُنکے جانشین نواب صفدر جنگ بھی زیادہ تر جنگی مشاغل مین مصروف رہے لیکن نواح لکھنؤ مین مقامی فتنہ پردازیون کی روک تھام کے لیے ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا جسکے کھنڈرات "قلعہ جلال آباد" کے نام سے ابتک مشہور ہین۔ نواب برہان الملک کی وفات پر اُنکی لاش دہلی بھیجی گئی اور صفدر جنگ نے انکا مقبرہ، مین تعمیر کرایا۔ اُنھون نے "پنپٹرھ گھاٹ" پر ایک اور عمارت کی بنیاد بھی ڈالی تھی جسے وہ اپنا دارالحکومت قرار دینا چاہتے تھے لیکن بوجوہ یہ عمارت ناتمام رہگئی۔ بالآخر اُنھون نے فیض آباد کو اپنا مستقر قرار دیا اور وہان ایک قلعہ اور چند خس پوش مکانات تعمیر کرائے جسکی وجہ سے شہر کو بنگلہ بھی کہنے لگے۔ بنگلہ کا لفظ بنگال سے مشتق ہے جہان اُس زمانہ مین خس پوش مکانات کی بہت کثرت تھی۔ اور چونکہ انگریز زیادہ تر ایسے ہی مکانات مین رہتے تھے لہذا انگریزی زبان مین اسکا نام BUNGALOW پڑگیا۔ صفدر جنگ کی وفات پر اُنکے جانشین نواب شجاع الدولہ نے انکا مقبرہ بھی دہلی مین تعمیر کرایا لیکن فیض آباد مین جو انکا مستقل دارالحکومت تھا کئی مشہور اور قابل الذکر عمارتین تعمیر کرائین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) کلکتہ خرد۔ قلعہ متصل میزان گھاٹ) یہ قلعہ نواب موصوف نے بکسر مین انگریزون سے شکست کھانیکے بعد مع شہر پناہ تعمیر کرایا تھا۔ اسکا مثمن برج جو نواب کے محل کے قریب تھا ایک خاص قسم کا برج تھا جس سے دریا بہت فاصلے پر بہتا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ نواب نے ایک لاکھ پچیس ہزار کا مئن اور بمقدار دودھ دیکر دریا کو برج کے نیچے بہنے پر رضامند کرلیا تھا۔ (۲) گلاب باڑی یہ نواب شجاع الدولہ کا مقبرہ ہے جو نہایت ہی شاندار عمارت ہے۔ اسے نواب موصوف نے اپنی آخری قیامگاہ کی غرض سے تعمیر کرایا تھا جسمین وہ دفن ہین۔ خاندان اودھ مین یہ پہلے صوبہ دار تھے جو سرزمین اودھ مین دفن ہوئے (۳) موتی محل اور اُسکی متعلقہ عمارات جو شاہی محلات تھے اور دلکشا کے قریب واقع تھے (۴) تربولیہ یا تین محرابی پھاٹکون کے مجموعے۔ جو چوک کے تین جانب واقع ہین اور سب کے الحاق سے نہایت خوبصورت نظارہ پیدا کرتے ہین (۵) بہو بیگم کا مقبرہ جناب بہو بیگم زوجۂ شجاع الدولہ کا عالیشان مقبرہ ہے جو نہایت دولتمند اور دوراندیش بیگم تھین یہ اپنے شوہر کے بعد بہت عرصے تک زندہ رہین اور اپنی تمام جائداد ایسٹ انڈیا کمپنی کو بطور امانت دیکر اپنے

Marfat.com

خاندان اور تمام ذریات کا وثیقہ کرا گیئن جو اتبک قایم ہے۔ ان عمارات کے علاوہ فیض آباد مین اور بھی بہت سی قابل الذکر عمارتین ہین۔ جن مین "داراب علیخان" اور "سالار جنگ" کی تعمیرات۔ شاہی باغات۔ سرایئن امام باڑے اور مقبرے خاص وقعت رکھتے ہین۔ ان تمام عمارات مین جو طرز تعمیر اختیار کیگئی ہے وہ مغلیہ عہد کی آخری تعمیرات کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ نیشاپوری خاندان کی تعمیری خصوصیت کا آغاز آصف الدولہ کے عہد سے شروع ہوا تھا۔

قبل ازین کہ لکھنؤ مین عہد صفی کی تعمیرات کا ذکر کیا جاے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم ترین شہر کی مختصر تاریخ بھی بیان کردیجاے۔

یہ عام طور پر معلوم ہے کہ لکھنؤ کو "لکشمن جی" نے آباد کیا تھا۔ اس کا قدیم نام "لکھنا پوری" تھا جو مسلمانون کے عہد حکومت مین پہلے "لکھنوتی" اور بعد کو "لکھنؤ" ہوگیا۔ اس عہد عتیق کی نشانی اب صرف "لچھمن ٹیلہ" باقی ہے جو لب دریا واقع ہے اور سارے شہر سے بلند ہے۔ اسی ٹیلہ پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مسجد ہے اور "شاہ پیر محمد" کا مزار بھی ہے جو بہت قدیم روضہ ہے۔ فرقہ شیوخ کی آبادی سے پہلے یہان برہمنون کا ایک مرفہ حال فرقہ آباد تھا۔ سنہ ۱۲۰۰ء کے قریب فرقہ شیوخ نے یہان اپنی نو آبادی قائم کی اور ایک عالیشان قلعہ تعمیر کرایا جو ایک ہندو معمار مسمی "لکھنا" کی کارگیری کا نتیجہ تھا اور اسکے نام کی مناسبت سے اسکو "لکھنا" کہتے تھے۔ لیکن بعد مین بھی بھون کہنے لگے۔ یہ نام اسکو نواب شجاع الدولہ نے دیا تھا جنکے دامن پر دریا سے اچھل کر ایک مچھلی اسکے کمرے مین آپڑی تھی۔ ایک عرصے تک برہمنون اور شیخون مین دوستانہ تعلقات قائم رہے اور دونون اپنے اپنے فرائض مذہبی نہایت آزادی سے ادا کرتے رہے۔ برہمنون کا قدیم مرکز "رانی کٹرہ" تھا جو اتبک موجود ہے اور شیخون کی پرانی بستی کا صدر مقام "اسمعیل گنج" تھا۔ ان دونون محلون کے گرد بڑے بڑے نالے تھے جو کسی زمانے مین خندق کا کام دیتے ہونگے۔ ایک عرصہ دراز تک وہ مقدس سرنگ یا زمین دوز راستہ بھی کھلی رہی۔ قائم رہا جسکے ذریعے سے لکھنؤ اور اجودھیا مین الحاق تھا اور جس کا طول تقریباً ستر میل تھا۔ سنہ ۱۵۳۰ء مین جب مغل بادشاہ "ہمایون شیر شاہ" سے شکست کھا کر دہلی گیا ہے تو اس تباہی کے عالم مین لکھنؤ بھی آیا تھا اور شیوخ لکھنؤ نے اسے چالیس گھوڑے اور دس ہزار روپیہ بطور نذرانہ دیا تھا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد مین لکھنؤ مغلیہ سلطنت کا ایک مستقل صوبہ تھا اور اس عہد کی تاریخون مین اس کا ذکر "لکھنوتی" کے نام سے ہوا ہے۔ خود اکبر بھی یہان اکثر آیا ہے اور اسکی یادگار مشہور "اکبری دروازہ" اور اسکے متصل ایک بڑا کنوان اتبک موجود ہے۔ اکبر کے سے محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اودھ ایک مستقل صوبہ رہا ہے جس کا صدر مقام لکھنؤ تھا۔ اورنگ زیب کے مشہور صوبہ دار ابو منصور خان کا بھی یہی شہر تھا۔ اسکے بعد برہان الملک صوبہ دار ہوے اور جس قدر مغلیہ سلطنت کمزور

ہوتی گئی اودھ کے نیشاپوری حکمرانون کو عروج حاصل ہوتا گیا۔

جب نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے اور اُنھون نے اپنا مستقر بجائے فیض آباد کے لکھنؤ کو مقرر کیا تو صورت حال مین بہت کچھ تبدیلی ہوگئی۔ شجاع الدولہ اور انگریزون کی نقیض معرکۂ بکسر کے بعد ختم ہوگئی تھی اور ایک عہدنامے کی بنا پر اُن کو اودھ کی صوبہ داری پھر حاصل ہوگئی۔ حتیٰ کہ آصف الدولہ اور انگریزی گورنمنٹ مین نہایت گہرے تعلقات قائم ہوگئے۔ اور اُنھین ذاتی طور پر معاملات سلطنت مین اس قدر اطمینان ہوگیا کہ بیفکری کے ساتھ تعمیرات اور دیگر فنون لطیفہ کی ترقی کی طرف کافی طور پر متوجہ ہوئے۔ لکھنؤ مین اُنکے عہد کی بہت سی بے نظیر عمارتین ابتک موجود ہین جو اپنے اولوالعزم بانی کی نیابتی یاد دلاتی ہین۔ اس عہد کی ابتدائی عمارات (۱) گئو گھاٹ اور (۲) دولت خانہ ہین جو کم و بیش حالت مین ابتک موجود ہین۔ انھین "دولت خانہ" نواب کا ابتدائی محل تھا جو چند عمارتونکا مجموعہ تھا اور ایک بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اسمین ایک خاص ایوان "شیش محل" کہلاتا تھا اور اسی کے قریب "تخت والی بارہ دری" تھی۔ اسمین ایک تالاب بھی ہے جو "پتھری والا تالاب" کہلاتا ہے۔ حالانکہ اب اسمین پتھر کا ذکر بھی نہین ہے۔ اُسکے محاذی ایک اور عمارت تھی جو "مہتاب باغ" کے نام سے موسوم تھی۔ دولت خانہ سے تھوڑے فاصلے پر جانب شمال ایک بہت پُرانی عمارت کے آثار نظر آتے ہین یہ (۳) "قدیم رومی دروازہ" کے ناتمام آثار ہین۔ ابتداءً رومی دروازہ اور نواب کے مشہور امام باڑہ کی بنیاد اسی مقام پر ڈالی گئی تھی۔ لیکن دریا کے قریب ہونے سے طغیانی آگئی اور بالآخر یہ مقام ناپسند کیا گیا (۴) آصف الدولہ کا امام باڑہ جو عرف عام مین "بڑا امام باڑہ" کہلاتا ہے کئی بے نظیر عمارتون کا مجموعہ ہے۔ سب سے پہلے "رومی دروازہ" کا عالیشان نظارہ پیش ہوتا ہے جو دنیا مین سب سے زیادہ بلند پھاٹک ہے۔ اسکے بعد ایک وسیع و دلکشا صحن ہے جسکے اختتام پر دوسرے صحن مین جانیکا راستہ ہے دوسرا صحن اور زیادہ وسیع ہے جسکے ایک پہلو مین نہایت عالیشان مسجد ہے اور دوسرے پہلو مین باولی کی عمارت ہے جو سات منزل بلند ہے جنوب جانب خاص امام باڑہ کی نفیس و مرتفع عمارت ہے جو ایک نہایت بلند چبوترے پر قائم کی گئی ہے۔ اس عمارت کے بالائی حصہ مین بھول بھلیان قائم کی گئی ہین جو نہایت حیرت انگیز ہین۔ یہ تمام عمارات خشتی ہین جن مین لکڑی وغیرہ مطلق نہین استعمال کیگئی۔ کہین کہین پتھر کی چھوٹی چھوٹی بُرجیان محض خوبصورتی کی نظر سے قائم کردی گئین ہین جو عمارت کا کوئی حصہ نہین ہین۔ امام باڑہ کا طول تین سو تین فیٹ عرض ایکسو ساٹھ فیٹ اور بلندی ترسٹھ فیٹ ہے۔ یہ صرف یکمنزلہ عمارت ہے جو اسقدر بلند ہے۔ اسمین ایک وسطی اور چھ بغلی درجے ہین۔ اور ایک پیش دالان اور دوسرا تسبیح خانہ بھی شامل ہے جسے غلام گردش کہہ سکتے ہین۔ اسکے وسطی درجے کا طول ایک سو ترسٹھ فیٹ۔ عرض ۵۳ فیٹ اور بلندی ۴۹½ فیٹ ہے۔ تمام درجون کی

چھتین بھی خشتی ہین جن مین نہایت عمدہ منبت بنی ہوئی ہے (۵) پکا پل۔ یہ بھی امام باڑہ کا ایک جزو تھا اور بالکل خشتی پل تھا جو حال ہی مین منہدم ہوگیا ہے۔ (۶) موسیٰ باغ (۷) چار باغ (۸) عیش باغ (۹) میاں کی کوٹھی (۱۰) چھنت۔ یہ سب نہایت نفیس اور منیبہ سواد عمارتین تھین جنکے اب صرف کھنڈر ہی کھنڈر باقی ہین۔ انکے علاوہ (۱۱) فرح بخش (عرف چھتر منزل) جسے کلاوڈ مارٹین نے یورپین طرز پر تعمیر کرا کے آصف الدولہ کے ہاتھ پچاس لاکھ کو فروخت کیا تھا۔ (۱۲) مہاراجہ ٹکیت رائے کا تالاب (۱۳) میاں تحسین کی مسجد (۱۴) میاں الماس کی عمارتین سب عہد آصفی ہی کی یادگار ہین [ل]

آصف الدولہ کے عہد مین اگرچہ تمام عمارات دیسی طرز پر تعمیر ہوئین لیکن جنرل مارٹین کی دو تون مشہور عمارتون (فرح بخش اور قسطنطنیہ[ہ]) کے وجود سے مقامی فن تعمیر پر غیر ملکی طرز تعمیر کا اثر پڑنے لگا تھا۔ خصوصاً نواب سعادت علیخان کی بیشتر عمارات غیر ملکی طرز تعمیر کا پرتو دکھاتی ہین جو آصف الدولہ کے جانشین تھے۔ اس قسم کی عمارات مین "دلکشا" اور پرانی "رزیڈنسی" زیادہ ممتاز ہین جو انگلستان کی بہت ہی بھدی عمارتون کی نقل تھین۔ انکے دربار مین ایک انگریزی انجنیر بھی ملازم تھا جس کا نام "میکلوڈ" تھا اور جو صیغہ تعمیرات کا

ل عمارات کے علاوہ آصف الدولہ کے عہد مین بہت سے محلے بھی آباد ہوئے جو حسب ذیل ہین:

(۱) یحییٰ گنج۔ جو آصف الدولہ کے اصلی نام "محمد یحییٰ" پر آباد ہوا۔ (۲) وزیر گنج۔ جو آصف الدولہ کے لیے پالک بیٹے مرزا وزیر علی کے نام پر آباد کیا گیا (۳) اماتی گنج (۴) فتح گنج (۵) رکاب گنج (۶) نخاس قدیم (۷) دولت گنج۔ (۸) بیگم گنج (۹) نواب گنج بھی آصف الدولہ ہی کے بسائے ہوے محلے ہین۔ علاوہ برین بہت سے محلے انکے عہد مین دوسرون نے آباد کیے مثلاً (۱) احاطہ خانساماں (۲) ٹکیت گنج اور بازار راجہ ٹکیت رائے (۳) ترمنی گنج (۴) مہا نگری (۵) چھاونی حسن الدین خان (۶) حسن گنج باولی (۷) بھوانی گنج (۸) بالک گنج (۹) کشمیری محلہ (۱۰) احاطہ صورت سنگھ (۱۱) نوازگنج (۱۲) تحسین گنج (۱۳) نگریا۔ آخرالذکر کو آصف الدولہ کی والدہ نے اپنی زمانے مین آباد کیا تھا جنھون نے گومتی پار (۱۴) علی گنج کی بنیاد ڈالی تھی (۱۵) عنبر گنج (۱۶) محبوب گنج (۱۷) توپ [illegible] (۱۸) خیالی گنج (۱۹) بازار جھاؤلال (۲۰) حسن گنج (دریا پار) (ماخوذ از اودھ گزٹیر)

ہ اس عمارت کو اب "مارٹین کی کوٹھی" کہتے ہین۔ جب نواب آصف الدولہ نے فرح بخش کو پچاس لاکھ پر خرید لیا تو جنرل مارٹین کو جو انکے مصاحب خاص تھے۔ فرح بخش سے زیادہ عالیشان عمارت بنانے کی ترغیب ہوئی انکی قیمت ایک کروڑ روپیہ طے ہوئی تھی۔ لیکن ہنوز عمارت ناتمام تھی کہ نواب کا انتقال ہوگیا۔ انکے جانشین نواب سعادت علیخان نہایت کفایت شعار شخص تھے۔ چنانچہ انھون نے ایسی فضول عمارت کے لیے اتنی بڑی رقم صرف کرنا

افسر تھا، اسکی نگرانی مین عام معمار کام کرتے تھے۔ لیکن اس وقت تک عہد آصفی کا مشہور معمار "کفایت اللہ" جس نے بڑا امام باڑہ اور رومی دروازہ وغیرہ تعمیر کیے تھے زندہ تھا۔ لہٰذا اس عہد مین بھی بعض عمارات خالص دیسی طرز پر تعمیر ہوئین جن مین "سعادت علیخان کی والدہ کا مقبرہ" واقع گولہ گنج اور "لال بارہ دری" جو آخر تک شاہان اودھ کا تختگاہ رہی۔ قابل الذکر ہین۔ کوٹھی "دل آرام" بھی سعادت علیخان ہی کی یادگار ہے جو دریا اُس پار واقع ہے۔

غازی الدین حیدر کے عہد مین نیشاپوری طرز تعمیر زیادہ خصوصیت کے ساتھ نمایان ہوئی اور اس عہد کی تعمیرات مین (۱) موتی محل (لب دریا) (۲) موتی محل کا پُل (۳) شاہ نجف (۴) مقبرۂ سعادت علیخان (۵) مقبرۂ زوجہ سعادت علیخان (۶) خورشید منزل، خاص نو دکی عمارتین تھین جن مین اب بہت کچھ تغیر و تبدل ہوگیا ہے۔ ان عمارات مین منبت کی کثرت نیشاپوری طرز تعمیر کی خاص علامت ہے۔

نصیر الدین حیدر نے (۱) چھتر منزل ثانی (روبرو فرح بخش) (۲) سکندر باغ (۳) تارہ والی کوٹھی (۴) بادشاہ باغ (۵) ولایتی باغ (۶) رمنہ (۷) کربلا (دریا پار) (۸) اور نہر کی عالیشان تعمیرات سے شہر کی رونق کو دوبالا کر دیا تھا۔

محمد علی شاہ کا زمانۂ سلطنت بہت قلیل تھا لیکن اُنھون نے "حسین آباد" کی بینظیر تعمیر سے اپنے تعمیری شوق کا ایسا کامل ثبوت دیا ہے جو تاریخ اودھ مین عدیم المثال ہے۔ حسین آباد ایک نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے جو رومی دروازہ کے بالمقابل واقع ہے۔ یہ متعدد دلکش عمارات کا مجموعہ ہے جن مین (۱) ست کھنڈا (۲) تالاب (۳) لال کوٹھی (جو عرصہ ہوا مسمار ہوگئی) (۳) جامع مسجد بیرونی عمارات ہین۔

اصل امام باڑہ ایک نہایت وسیع و دلکشا صحن مین ایک بلندی کرسی پر قائم ہے جو نہایت نفاست سے آراستہ ہے۔ صحن مین متعدد دلکش عمارتین ہین اور وسط مین ایک خوبصورت نہر قائم ہے۔ نہر کے دونون

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پسند نہین کیا۔ بالآخر جنرل موصوف نے اس عمارت کو اپنا مدفن قرار دیا۔ جسکے حیرت انگیز تہ خانے مین وہ دفن ہین انکی وصیت کے مطابق اس عمارت مین قومی درس گاہ بھی قایم ہوئی جسمین انگریز طلبا ابتک تعلیم پاتے ہین۔ چونکہ جنرل موصوف بھی اس عمارت کی تکمیل سے پہلے انتقال کر گئے لہذا عمارت کے دونون بازو جو نیم دائرہ کی شکل مین ہین انکے بعد حسب نقشۂ مجوزہ سابق تیار کیے گئے۔ اسکے مشرق جانب ایک تالاب بھی ہے اور تھوڑے فاصلے پر دریا بھی کسیقدر خم کھا کر بہتا ہے جس سے اس کا نظارہ پُر لطف ہے۔ یہ ایک بلا ڈین طرز تعمیر کا بگڑا ہوا نمونہ ہے جسکی نسبت بعض مغربی سیاحون نے صاف لکھدیا ہے کہ جنرل مارٹین کو فن تعمیر مین زیادہ دستگاہ نہین حاصل تھی۔ ۱۲

Marfat.com

پہلوؤن مین دو عمارتین "تاج محل" آگرہ کی طرز پر بنائی گئی ہین۔ اسکے علاوہ حمام اور مسجد وغیرہ نہایت خوبصورت عمارتین ہیں جن سے امام باڑہ کا صحن بہت ہی دلکش نظر آتا ہے۔ امام باڑہ پر ایک بہت بڑا طلائی گنبد ہے جسکے چارون کونون پر چار کسیقدر چھوٹے طلائی گنبد قائم کیے گئے ہین۔ بہیئت مجموعی حسین آباد کا نظارہ بڑے امام باڑے پر فوق رکھتا ہے۔ حالانکہ جو تعمیری خصوصیات بڑے امام باڑے مین نظر آتی ہین وہ ساری دنیا مین لاجواب ہین۔ موجودہ لوہے کا پل، بھی جو اپنی ساخت مین بے نظیر ہے محمد علیشاہ ہی کے عہد مین نصب کیا گیا تھا۔ اسے نواب سعادت علیخان نے انگلستان سے بنوایا تھا اور شاہ نصیر الدین حیدر کے وقت مین اسکے پرزے ولایت سے تیار ہوکر آگئے تھے شاہ موصوف اسے "فرح بخش" کے سامنے نصب کرانا چاہتے تھے۔ لیکن انکی مختصر زندگی مین اسکی نوبت نہ آئی بالآخر محمد علیشاہ کی تجویز سے اس مقام پر نصب کیا گیا جہان ابتک موجود ہے۔ غالباً ہمارے ہندوستان مین یہ پہلا آہنی پل ہے۔

محمد علیشاہ نے "حضرت گنج" کی بنیاد ڈالی تھی اور وہان شاہی محلات کا ایک بڑا سلسلہ "بیگم کوٹھی" کے نام سے تعمیر کرایا تھا۔ نیز ایک نہایت وسیع امام باڑہ بھی جس کا نام "سبطین آباد" رکھا گیا تھا اور جہان شاہ موصوف دفن ہین۔ اس عہد کی تعمیری خصوصیات مین رنگ آمیزی اور مصوری کو زیادہ دخل ہے چنانچہ ایک مغربی سیاح حسب ذیل رقمطراز ہے:-

> در دولت سے دریا تک کی سیر مین مجھے بادشاہ کے تماشئی مذاق کے اندازہ کرنے کا کافی موقع ملا اور مین نے تمام شاہی مکانات پر سفید یا رنگین نقش ونگار اور تصویرین دیکھین جنمین ہندوستانی طرز معاشرت کے سین دکھائے گئے ہین۔
>
> وان آرچ کی سیاحت ہند ۱۸۴۳ء

واجد علیشاہ لکھنؤ کے آخری بادشاہ تھے۔ انکی حکومت کا ابتدائی زمانہ فوج کی درستی اور امور ملکی کی انجام دہی مین گذارا اور آخری زمانہ عیش پسندی مین جو انتزاع سلطنت کا باعث ہوی۔ اسی عیش پسندی کی یادگار انکی مشہور عشرت گاہ "قیصر باغ" ہے جسکا بقیہ حصہ ابتک اپنی گذشتہ شان وشوکت کی یاد دلاتا ہے اسکی ملحقہ عمارات نہایت پرتکلف تھین جن مین (۱) نگینہ والی بارہ دری (۲) چاندی والی بارہ دری (۳) رہس منزل (۴) لنکا (۵) بادشاہ منزل (۶) ایوان خاص وغیرہ اب موجود نہین ہین۔ قیصر باغ کا شمالی حصہ بھی کلیۃً معدوم ہوگیا ہے اور اسکے وسیع صحن کی بیشتر عمارات بھی اب منہدم ہوگئی ہین۔ نیز اگلی چمن بندی کا اب نام ونشان تک نہین۔ تاہم یہ ایک وسیع وعالیشان عمارت ہے جو عہد دولتمندی کا پتہ دیتی ہے اسکی تعمیر ۱۸۴۸ء مین ہوئی تھی اور اندازاً ڈیڑھ کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اسکی سنگ مرمر کی

Marfat.com

نہر مین جو ابتک موجود ہے نہایت خوشنما بجرے پڑے ہوے تھے اور پل پر ایک نہایت نفیس عمارت تھی جسمین بادشاہ اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ چارون طرف کی مسلسل عمارت مین ایک ہزار سے زائد محلات کے رہنے کی گنجائش تھی۔ یہان ایک سالانہ میلہ بھی ہوا کرتا تھا جس مین اہل شہر صندلی رنگ کی پوشاک پہنکر شریک ہوتے تھے اور خود بادشاہ کی موجودگی سے میلے کی رونق مین ایسا اضافہ ہوجاتا تھا جس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ قیصر باغ کے علاوہ ایک اور تفریح گاہ بھی انکی یادگار تھی جس کا نام "عالم باغ" تھا اس باغ کو جسمین نہایت نفیس چمن بندی کے علاوہ کئی خوشنما عمارتین بھی شامل تھین۔ انھون نے اپنی پہلی بیگم "نواب خاص محل" کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ جو شاعرہ بھی تھین اور عالم، تخلص کرتی تھین۔ انکی نفاست پسندی۔ اور دور اندیشی۔ علمی قابلیت اور بیحد دولتمندی کے اعتبار سے لکھنؤ اودھ کی "نور جہان" کہنا مبالغے مین داخل نہوگا جنکے حسن و جمال کے افسانے ابتک مشہور ہین۔

ان شاہی عمارات کے علاوہ عام امیرون شہر کی عمارتین بھی کچھ کم اہمیت نہین رکھتی تھین خصوصًا نواب آغا میر کا محل۔ روشن الدولہ کی کوٹھی۔ ملکہ زمانیہ کا امام باڑہ۔ حضرت عباس کی درگاہ۔ شرف الدولہ کی کاظمین۔ حکیم مہدی کا مقبرہ وغیرہ تاریخی اور قابل دید عمارتین ہین جن مین بعض بعض نہایت خستہ حالت مین ہین۔ ان عمارات کا ذکر بطور اجمال کیا گیا ہے تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ غدر سے قبل لکھنؤ کا عام منظر اسقدر دلکش تھا کہ دُنیا کے بڑے بڑے سیاحون[1] نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

[1] اگرچہ دہلی مین لکھنؤ کی بہ نسبت زیادہ وسیع اور عمدہ عمارتین ہین تاہم اس کا نظارہ اسقدر شاندار نہین ہے جس قدر دار السلطنت اودھ کا۔ وہان اسقدر بلند منارون کی کثرت نہین جو ہمیشہ ایک اسلامی شہر خاص زینت ہوتے ہین۔ گنبد بھی بہت قلیل ہین جن پر سونا بھی نہین چڑھا ہے۔ اور خاص خاص عمارتین تاریک رنگ کے سنگ خارا سے بنائی گئی ہین جو سفید رنگ کی پختہ عمارات کی طرح دُور سے کوئی نفیس نظارہ نہین پیدا کرتین۔ لکھنؤ کی تمام نامی عمارتین قرینے سے مجتمع ہین۔ حالانکہ دہلی کی عمارات اسقدر پاشان ہین کہ انمین بہت سی شہر سے میلون کی دوری واقع ہین۔ MINTERN'S NEWYORK TODELHI

اس شہر لکھنؤ، کا نظارہ جو مشرقی ممالک مین بہت ہی خوبصورت شہر ہے تمام نقائص سے پاک ہے۔ صرف بنارس اس کا مد مقابل ہے۔ یا مشرقی قاہرہ جنھین مین نے بچشم خود دیکھا ہے۔ اسکا نظارہ اسقدر خالص مشرقی انداز پر مبنی ہے کہ ایک ایسے شخص کے لیے جو مشرقی ممالک مین نہ رہا ہو اسکی حقیقت بیان کرنا غیر ممکن ہے۔ بیشمار شاہی محلات۔ پبلک عمارات۔ مندرون اور مسجدونکے عالیشان طلائی گنبد اور مینار شہر کو اس طرح اپنے آغوش مین لیے ہوے ہین جس طرح چاند کے گرد ہالہ ('IRELAND'S FROM WALL STREET TO KASHMIR 1883)

"ایک پرستان ایک عالیشان محلون۔ مناروں۔ برجون اور سُنہرے گنبدون۔ چہل ستونون پر خوبصورت نقش و نگار کھدے ہوے کھمبون۔ اور میل با میلون کی لمبی قطارون۔ ہموار چھتین ان کے مرتفع ایوانات دیو ساکن تاہم چمکیلے سبزہ زارون کے سمندر سے سر نکالے ہوے"، کا پرستان اسمیلون تک دیکھتے چلے جاؤ پھر بھی یہ بجز نما پیدا کنار ختم نہو۔ جسکے وسط مین خوبصورت

خیرآباد مین بھی نیشاپوری عہد کی بہت سی خوبصورت عمارتین ہین جو شاہ نصیرالدین حیدر کے داروغہ "مکا دوزی" کی یادگار ہین - ان عمارات کا ایک مجموعہ ساہے جس مین ایک "قدم رسول" کی عمارت ہے جو ایک بلند چبوترے پر قائم ہے نیز ایک خوشنما امام باڑہ اور ایک "مسجد" جو نہایت خوبصورت ہے۔ مع باغات و مکانات و مقابر جو اصل عمارت کی پشت در پہلوؤن مین واقع ہین بہیئت مجموعی ایک نہایت خوبصورت نظارہ پیش کرتے ہین - انکی طرز تعمیر بھی نہایت عمدہ ہے۔ چنانچہ تمام گنبد طبعزاد نقشون کے مطابق بنائے گئے ہین اور مسجد کے مینار لہردار ہین قدم رسول کی کانسین بھی نئی طرز پر بنی ہین۔

علاوہ برین تمام اودھ مین بہت سے متفرق مقامات ہین جہان نہایت قدیم عمارتون کے آثار نظر آتے ہین - چنانچہ مانک پور۔ نیوتنی۔ اور کنوتی مین "چہل ستون" اور دوسری سنگی عمارتین جنکے اب صرف کھنڈر ہی کھنڈر رہ گئے ہین نہایت خوبصورت عمارتون کے آثار ہین۔ صفی پور۔ سنگرامئو۔ مرادآباد۔ بلگرام اور شاہ آباد کے معبد اور مکانات بھی خاص توجہ کے مستحق ہین۔ خصوصاً شاہ آباد کی تعمیرات نہایت عظیم الشان طرز تعمیر پر بنی ہین۔ نواب دلیرخان کا مقبرہ۔ مسجد اور قلعہ نما محلات اگرچہ اب تباہی کے عالم مین ہین تاہم اپنے عظیم الشان ارتفاع - خوبصورت سنگتراشی - اور غیرمخلوط طرز تعمیر کیوجہ سے ناظرین کی توجہ کو بہت دور سے اپنی طرف کھینچتے ہین اور اُن سے اپنے معمارون کی کاریگری کی داد لیتے ہین

نام نیکِ رفتگان ضائع مکن — تا بماند نام نیکت یادگار

لکھنؤ ۱۲- جولائی سنہ ۱۹۱۲ء — **نوبت رائے نظر**

نوٹ بقیہ صفحہ گذشتہ] شہر کے گنبد جگمگا رہے ہین۔ آفتاب کی شعاعون سے سونے کی چمک دمک آنکھون مین خیرگی پیدا کرتی ہے سنہری کلس اور برجیون کی چمک سے شہر پر منطقۃ البروج کا گمان ہوتا ہے۔ سارے شہر مین کوئی بدنما عمارت نظر نہین آتی یہ شہر (لکھنؤ) پیرس سے بہت زیادہ وسیع ہے ..... فن معماری کے نمونے جن سے سارا شہر بھرا ہوا ہے ہماری آنکھون مین خیرگی پیدا کرتے ہین طلائی مینارون اور گنبد کی چمک دمک سے سارا قیصرباغ منور ہو رہا ہے روم ایتھنز قسطنطنیہ اور جتنے شہر میری نظر سے گذرے ہین ان مین کوئی اسکی برابر دلکش اور خوبصورت نہین ہے اور جسقدر مین اسے زیادہ غور سے دیکھتا ہون اسیقدر اسکی خوبیان مجھ پر زیادہ واضح ہوتی ہین" RUSSELL'S DIARY 1858.

مسٹر رسل سنہ ۱۸۵۸ء کی تسخیر لکھنؤ کے وقت انگریزی فوج کے ہمراہ تھے اور انھون نے شہر کو اس حالت مین دیکھا تھا جب مسمار نہین کیا گیا تھا افسوس کہ تباہی کے بعد شہر کی نفیس عمارات نصف سے زیادہ معدوم ہو گئین اور عرصہ تک سارے شہر پر ایک ایسی عبرتناک تباہ کاری رہی جو قابل بیان ہے

Marfat.com

لکھنؤ کے پرانے سین

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

شاہان اودھ کی شوکت پسندیون اور زربخشیون کے افسانے ہندوستان سے یورپ تک مشہور ہین اور اُن مین کچھ ایسی ندرت پائی جاتی ہے کہ تمام مغربی سیاحون نے جو گذشتہ سلطنت کے زمانۂ عروج مین یہان آئے یا قیام پذیر رہے اُنھین قلمبند کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے ان اولالعزم فرمانروا ؤنکے ذاتی مشاغل، اُنکی شاہانہ زندگی، اور پولٹیکل مسائل کی پیچیدگی کو جب باہم ملاکر دیکھا جاتا ہی تو تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اُن سیاسی تسلسلات کے جنکی مقدار روز بروز بڑھتی جاتی تھی اُنکے دماغ پولٹیکل تفکرات سے آزاد ہوکر انکی روزانہ زندگی کو کسطرح اسقدر فرحت ناک بنا سکتے تھے کہ وہ اپنی چھوٹی سی سلطنت کے حدود مین قیصر و فغفور کی سی شان و شوکت اور جمشید و خسرو کی سی عشرت پسندی قایم رکھتے تھے

یہ ظاہر ہے کہ انکے آبا و اجداد براہ راست فارس سے آئے تھے اور نیشاپور اُنکا اصلی وطن تھا۔ فارس پر اگرچہ فی الحال نکبت و زوال کی گھٹائین چھائی ہوئی ہین لیکن ابتداے زمانہ تاریخ سے ابتک وہ کم و بیش شان و شوکت اور عشرت پسندی کا گہوارہ بنا رہا ہے بس یہ باتین اُن حکمرانون کی طبیعت مین خلقی طور پر موجود تھین جن پر پولٹیکل تفکرات غالب نہ آسکے۔ اگرچہ اودھ کے ابتدائی حکمرانون مین دلیری جنگجوئی اور کشورستانی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے جیسا کہ "برہان الملک" "صفدر جنگ" اور شجاع الدولہ کی تاریخون سے واضح ہے۔ تاہم ان سپاہیانہ طبیعت کے حکمرانون مین بھی (حالانکہ وہ محض ایک صوبہ دار کی حیثیت رکھتے تھے) شاہان مغلیہ کی سی شوکت پسندی اور عشرت پرستی کا شائبہ موجود تھا۔ لیکن اُنکی بہادرانہ زندگی نے اُنکی عشرت پسندی پر پردہ ڈالدیا تھا اور انھیر شاہانِ اودھ چونکہ دلیرانہ اوصاف سے بتدریج معرا ہوتے گئے لہذا نہ صرف انکی عشرت پسندی ہی بدنما صورت مین ظاہر ہوئی بلکہ اُنکی شوکت پسندی اور فیاضی بھی معیوب معلوم ہونے لگی۔

ان بادشاہون کی اولوالعزمیون مین جو امر سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے وہ ملک کے قلیل محاصل ہین جنکی تعداد کسی زمانہ مین دو کرور سے زائد نہین ہوئی بلکہ آخیر شاہان اودھ کے محاصل گھٹتے گھٹتے ایک کرور سے بھی کم ہوگئے

Marfat.com

تھے۔ سعادت خان برہان الملک کے عہد مین تقریباً سات کرور پس انداز ہوے تھے جو آصف الدولہ کی مشہور فیاضیون کے کام آئے۔ اسکے بعد سعادت علیخان نے اپنے عہد مین تقریباً بائیس کرور پس انداز کیے جو غازی الدین حیدر اول بادشاہ اودھ سے لیکر نصیر الدین حیدر کے عہد تک صاف ہوگئے تھے۔ کیونکہ جب محمد علیشاہ تخت نشین ہوے ہین تو داروغہ خزانہ سے استفسار پر معلوم ہوا کہ خزانہ بالکل خالی ہے صرف تیس لاکھ روپیہ ایک دیوار مین چنے ہوے تھے جو تقریباً جلوس اور حسین آباد کی تعمیر کے ابتدائی کامون مین صرف ہوے۔ لیکن تخت نشینی پر نذرون کی رقم اسقدر غیر معمولی تھی کہ خزانے کا ایک حصہ فوراً معمور ہوگیا اور سلطنت کے افلاس کا پردہ فاش نہین ہونے پایا۔ نیز باوجود نقدیات کی قلت کے خزانہ اودھ جواہرات سے ہمیشہ لبریز رہا اور یہ وہی جواہر تھا جو میر قاسم ناظم بنگالہ سے شجاع الدولہ کے ہاتھ آیا تھا اور جسے میر قاسم تین سو پچاس ہاتھیون پر بار کرکے لائے تھے

دربار اودھ کی دولتمندی کے افسانون کی صداقت کے لیے صرف ایک نظیر کفایت کرتی ہے جو نواب معتمد الدولہ آغا میر سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ شاہ زمن غازی الدین حیدر کے ندیم خاص اور وزیر اعظم تھے بادشاہ کو اپنے آخری ایام سلطنت مین اپنے ولیعہد (نصیر الدین حیدر) سے اسقدر کبیدگی پیدا ہوگئی کہ انھین نظر بند کر دیا۔ ولیعہد کو یقین دلایا گیا کہ اس عتاب کے بانی نواب معتمد الدولہ اور راجہ امرت لال عرض بیگی ہین۔ بہر کیف جب نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوے تو ان لوگون سے مواخذہ ایک قدرتی بات تھی آخر کچھ عرصہ کے بعد انکی معزولی اور ضبطی جائداد کا حکم صادر ہوا۔ راجہ امرت لال کے لیے یہ بھی حکم تھا کہ ہاتھی کے پاؤن مین باندھ کر تشہیر کیے جائین۔ لیکن راجہ غیرتمند تھے۔ اُنھون نے خودکشی کرلی تاہم بادشاہ کا غصہ فرو نہین ہوا اور اُنکی لاش کی تشہیر کا حکم دیا گیا۔ لیکن اسکی نوبت اسلیے نہین آئی کہ تمام ہندو امراے دولت نے اس انسانیت سے گزرے ہوے حکم کے خلاف خود بادشاہ سے اپیل کی اور کہا کہ "آج ہمارے ایک بھائی کی لاش کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا گیا تو کل ہم حضور سے کیا توقع رکھین گے۔ مناسب ہے کہ ہمارے استعفے قبول کیے جائین اور اجازت دیجائے کہ ہم شہر چھوڑ کر کسی طرف چلے جائین" شاہ نصیر الدین حیدر اپنے حکم کی پابندی کے لیے مشہور اور ان معاملات مین بہت سخت تھے۔ تاہم اس خیال سے کہ تمام انتظام سلطنت درہم برہم ہوا جاتا ہے اپنا حکم واپس لینے پر مجبور ہوے اور راجہ مرحوم کے مکان سے شاہی پہرے اٹھا لیے گئے جائداد کی ضبطی اس سے پیشتر ہی عمل مین آچکی تھی جو سلطنت اودھ مین ایک معمولی بات تھی

لیکن نواب آغا میر بہت با اثر آدمی تھے اور انکی گرفتاری یا اخراج کے لیے بادشاہ کو رزیڈنٹ سے مدد لینے کی ضرورت لاحق آئی تھی۔ بہرحال اُنکے لئے اس سے زیادہ اور کچھ نہو سکا کہ وہ اپنے عہدے سے معزول ہوکر کانپور چلے گئے۔ جس وقت یہ لکھنو سے روانہ ہوے تھے تو اُنکے ہمراہ نقد و جنس کے آٹھ سو

Marfat.com

چھکڑے اور متعدد ہاتھی اور اونٹ تھے جن پر انکا تمام مال واسباب لدا ہوا تھا جس قدر زر نقد جنس اپنے ہمراہ لے گئے تھے اسکا اندازہ ایک انگریزی مورخ نے "پچیس کرور روپیہ" کیا ہی جس سے دربار اودھ کی دولتمندی پر روشنی پڑتی ہے۔ آغا میر نے اپنے زمانۂ عروج مین جسقدر دولت خرچ کر ڈالی اُسکا اندازہ نا ممکن ہے کیونکہ انکا دربار شاہی دربار سے شاید ہی کچھ کم ہو شہر مین انکا محل اسقدر عظیم الشان تھا کہ مشکل سے شاہی عمارت اُسکی ہمسری کرسکتی تھی اور اُسکے منہدم ہوجانے پر ریلوے اسٹیشن۔ مجسٹریٹی اور میونسپلٹی کی کچہریان۔ جوبلی ہائی اسکول۔ اور ایک لمبی چوڑی سڑک سب اسکے رقبے مین سما گئے۔ تاہم ہر طرف بڑے بڑے میدان نظر آتے تھے۔ انکی سرائے بھی ایک نہایت وسیع عمارت تھی جو کسیقدر خراب حالت مین ابتک موجود ہے اور جسمین گھوڑون کے سوداگر ٹھہرا کرتے ہین

شاہ نصیر الدین حیدر کا دور سلطنت انکی طفلانہ حرکات کے لحاظ سے خواہ کیسا ہی تاریک دور کیون نہ کہا جائے لیکن عام دولتمندی۔ رفاہیت علمی ترقی اور اظہار شان وشوکت کے لحاظ سے وہ ایک مرکزی دور تھا جسے ہم شاہجہانی عہد سے مثال دے سکتے ہین۔ اردو زبان کو جو ترقی اس عہد مین ہوئی وہ ناسخ و آتش خلیق و ضمیر وغیرہ کے کلام سے ظاہر ہے۔ اگرچہ لوگ اب اُس مذاق شاعری کو پسند نہین کرتے جو اس عہد کے اساتذہ شعرا کے کلام مین پایا جاتا ہے لیکن شاعری کی علت غائی بدرجہ اتم اُسمین موجود ہے۔ اور سوسائٹی کی جیسی بے عیب تصویر اُسمین ملتی ہی وہ حال کی شاعری مین کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے نیز اسوقت کی شاعری کا ایک معیار قایم تھا جس پر اسکی جانچ ہو سکتی تھی اور آجکل کی شاعری بلا معیار ہے جس کی جانچ کے لیے کوئی قاعدہ نہین ہی۔ شاعری کی بحث سے قطع نظر کرکے نثر اردو کو بھی اس عہد مین خاص ترقی ہوئی اور مرزا رجب علی بیگ نے "فسانۂ عجائب" "سرور سلطانی" "گلزار سرور" وغیرہ وغیرہ متعدد تصنیفات سے نثر اردو پر وہ احسان کیا جو کبھی فراموش نہین ہوسکتا ان تمام بحثون سے علحدہ ہو کر جب بادشاہ کے علمی شوق کی طرف خیال کیا جاتا ہی تو حیرت ہوتی ہی کہ اُس پس ماندہ زمانے مین ایک شاہی رصد خانہ اس پیمانہ پر قایم ہوا تھا جسکی نظیر تمام ہندوستان مین موجود نہ تھی جس منیطیر عمارت مین یہ رصد خانہ قایم کیا گیا تھا اوسکا نام "تارے والی کوٹھی" تھا جسمین بالفعل بنک آف بنگال قایم ہے۔ اور اسمین انگریزی آلات رصد مہیا کیے گئے تھے جو نہایت اعلی تھے اور جو ہنگامہ غدر کے بعد یا اُس سے پیشتر تلف ہوگئے نیز لیتھوگراف یعنے چھاپہ خانہ بھی اسی عہد مین پہلے پہل قایم ہوا جسکا نام مطبع سلطانی تھا اور ایک اسپتال بھی جو شاہی دارالشفا کے نام سے ابتک موجود ہے ڈاکٹر اسٹیونسن کی نگرانی مین قایم کیا گیا تھا ساتھ ہی ایک محتاج خانہ بھی جسمین متعدد غربا ابتک پرورش پاتے ہین انکی نیز سے لکھنو تک ایک نہر

Marfat.com

بھی اسی عہد مین راجہ بختاور سنگھ کے اہتمام سے لائی گئی تھی اور صاحب رزیڈنٹ کے اہتمام مین ایک شاہی اسکول قایم کیا گیا تھا جس مین انگریزی تعلیم دیجاتی تھی۔

دولتمندی اور اظہار شان وشکوہ کی داستان نہایت طولانی ہے تاہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند حکایتین درج کیجاتی ہین جو ایسے مصنفین کے قلم سے نکلی ہین جنکی نسبت مبالغے کا گمان نہین ہو سکتا۔ چنانچہ مسنر پارکس اپنے سفرنامے مین ایک انگریزی خاتون کا چشم دید بیان حسب ذیل درج کرتی ہین جو انکی دوست تھین اور جو شاہ نصیر الدین حیدر کی محل سرا مین اُن کی تاجپوشی واقع ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۲۹ء کی صبح کو بطور مہمان گئی تھین۔

موجودہ بادشاہ کی بیگمونکے ٹھاٹھ نہایت اعلی درجے کے تھے اور بادی النظر مین وہ الف لیلہ کے قصونکی مخلوق معلوم ہوتی تھین۔ خصوصًا ایک بیگم جنکا نام "تاج محل" ہے اسقدر خوبصورت ہین کہ مین اُنھین "لالہ رُخ" کے سوا اور کچھ نہین خیال کر سکتی۔ دنیا کی تمام نسلو نمین خواہ وہ گوری ہون یا سیہ فام حُسن وجمال کا ایسا کامل نمونہ میری نظر سے کبھی نہین گذرا۔ انکے خط وخال کی دلکشی اور مناسبت مین قدرت نے اپنی کاریگری ختم کر دی ہے۔ ایسی خوبصورت آنکھین اور پلکین اس سے پہلے مین نے کبھی نہین دیکھی تھین۔ فی الحال یہی بادشاہ کی منظور نظر ملکہ ہین اور انکی شادی کو ابھی ایک ہی دو مہینے گذرے ہین۔ انکی عمر سولہ سال کے قریب ہے قد بوٹا سا ہاتھ پاؤن نہایت ہی نازک اور چھوٹے چھوٹے اور بیگم ہین بہت ہی شرمیلی۔ اُنکی طرحداری اور دلربائی کی یہ انتہا ہے کہ تم اُنھین دیکھتے ہی فریفتہ ہو جاؤ۔

وہ سُرخ کمخواب کا شہانہ (شادی کا) جوڑا پہنے ہوے تھین اور انکے بالونمین اوپر سے آخر تک موتی پروے ہوے تھے جنکی لمبی لمبی لڑیان لٹک رہی تھین۔ ہر لڑی کے آخر مین بڑے بڑے موتی تھے اور یہ لڑیان پیچدار زلفونمین اُسیطرح مخلوط تھین جسطرح "چارلس دوم" کے حسینونکے سنگار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اونکے سر پر خالص سونیکا ایک حلقہ رکھا ہوا تھا جس مین بہت بڑے بڑے موتی اور زمرد لٹک رہے تھے۔ اسکے اوپر ہما کے پر کی ایک کلغی لگی ہوئی تھی جسمین موتیون کی لڑیان آویزان تھین اور سر کے بالائی حصہ کی طرف اسیطرح بھری ہوئی تھین جسطرح ہم لوگ اپنے بال سنوارتے ہین۔ کانونمین سونے کی بھاری بھاری بجلیان تھین جنمین چارون طرف موتی اور زمرد لگے ہوے تھے۔ جنکی لمبی لمبی لڑیان لٹک رہی تھین اور موتی تدریجًا بڑھتے گئے تھے۔ ناک مین سونے کی نتھ تھی جسمین بہت ہی بڑے اور گول

Marfat.com

گول موتیون کی جو لمبی اور ایک خوشرنگ یاقوت تھا۔ اسیطرح تمام جسم مین بیشمار زیور تھے جنکی تفصیل کو ایک دفتر درکار ہے۔

اونکا نیم آستین شلوکہ ایک قسم کا چھوٹا کوٹ معلوم ہوتا تھا جسکے نیچے ایک تنگ کرتی تھی۔ اور کلیون دار پائجامہ اسقدر گھیر دار تھا کہ جب وہ چلتی تھین تو متعدد خواصین انکے لمبے لمبے پائچون کو سنبھالے رہتی تھین اسیطرح بہت سی پیش خدمتین انکے کوچ کے پیچھے اس غرض سے کھڑی رہتی تھین کہ چلنے پھرنے مین سر کے ساز (زیورات) کے جو موتی اور جواہرات بے ترتیب ہو جائین یا زربفت کے دوپٹے مین اُلجھ جائین انکو درست کرتی رہین۔ یہ حورنژاد بیگم دوسری بیگمات شاہی کی محسود مین جو انپر رشک کھاتی ہین اور بادشاہ سلامت اور انکی سوتیلی والدہ بادشاہ بیگم کی آنکھونکا تارہ ہو رہی ہین جنھون نے انھین جدا جدا خطابات دیے ہین"

(مسز پارک کی سیر جلد اول صفحہ)

نواب تاج محل کا اصلی خطاب "خورشید محل" تھا اور درحقیقت بہت ہی حسین تھین۔ انکا وطن حسن پور بندھوا" تھا جو مضافات لکھنؤ مین ایک مشہور قصبہ ہے۔ محل ہونے پر انھین چھ لاکھ سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی اور شروع شروع انھین اسقدر عروج حاصل ہوا کہ خاص محل۔ نواب سلطان بہو۔ دختر مرزا اسلیمان شکوہ شاہزادہ دہلی اور نواب ملکہ زمانیہ" بھی گرد ہو گئین۔ بادشاہ انپر اسقدر مہربان تھے کہ ایک روز فرط محبت سے اپنا تاج اُنکے سر پر رکھدیا اور اُسی روز سے یہ "تاج محل" مشہور ہوئین۔ بہرکیف انکا عروج بہت عرصہ تک نہین قایم رہا اور بالآخر یہ کربلاے معلی چلی گئین جہان مدت العمر نہایت تزک اور احتشام سے زندگی بسر کرتی رہین۔ انکی دولتمندی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انکے انتقال پر جو ۱۸۶۳ء مین ہوا تھا) باوجود بیشمار دولت صرف اور تلف ہو جانیکے جو رقم انکے ورثا مقیم لکھنؤ کو بطور ترکہ حاصل ہوئی تھی اُسکی مقدار پچیس[25] لاکھ سے زائد تھی۔

شاہان اودھ کی تلوّن مزاجی سے انکے ازواج مین کسیکو ایسا مستقل عروج نہین حاصل ہوا کہ انھین باقاعدہ "ملکہ" کہا جاے اور جو حقوق سلطنت مین شریک وسہیم رہی ہون۔ نام کی صدہا ملکہ ہوئین لیکن کم کسیکو عروج حاصل ہوا کل کسیکو تاہم انھین بعض بعض نہایت ذی اثر اور مضبوط کیرکٹر کی بیگمین گذری ہین چنانچہ "بادشاہ بیگم" جنکا نام اُوپر آچکا ہے اسقدر ذی اثر اور صاحب ثروت تھین کہ بہت موقعون پر اُنھون نے سلطنت کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور ہمیشہ اپنے ارادون مین کامیاب رہین یہ شاہ زمن غازی الدین حیدر کی زوجہ اور شاہ نصیرالدین حیدر کی سوتیلی والدہ تھین جنھون نے شاہ موصوف کو اُنکی صغرسنی

Marfat.com

مین بالاتھا۔ جب غازی الدین حیدر کو اپنے بیٹے اور ولیعہد سلطنت سے کبیدگی پیدا ہوئی اور انھون نے انھین عاق کرنا چاہا تو بادشاہ بیگم نے نہایت دلیری سے بادشاہ کو باز رکھا اور اُنکی وفات پر اُسی دلیری سے اپنے سوتیلے بیٹے کو تخت نشین کر دیا۔ نصیر الدین حیدر اپنی سوتیلی والدہ پر بہت مہربان تھے اور اپنی سلطنت کے ابتدائی دور مین اُنکے اشارون پر چلتے رہے۔ لیکن قدسیہ بیگم کے انتقال پر بادشاہ بیگم سے ان بن ہوگئی اور اس نے اسقدر طول کھینچا کہ بادشاہ نے بیگم موصوف کی مخالفت مین اپنا سارا زور ختم کر دیا تاہم بادشاہ بیگم کا کچھ نہ بنا سکے انھین بادشاہ بیگم نے بادشاہ کی وصیت اور انگریزی رزیڈنٹ کے خلاف منشار منا جان کو بھی تخت نشین کر دیا تھا اور اگر انگریزی حکومت کا پانون درمیان مین نہوتا تو شاہی فوج بادشاہ بیگم کی ذاتی فوج کا مشکل سے مقابلہ کر سکتی تھی جو اکثر موقعون پر بیگم کی زنانہ باڈی گارڈ سے ہزیمت اُٹھا چکی تھی۔

"مسز حسین علی" ایک انگریزی خاتون نے اپنی کتاب (مسلمانان ہند) مین بادشاہ بیگم کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہین۔ یہ خاتون اُس زمانہ مین لکھنؤ مین موجود تھین۔ ہم اس دلچسپ کتاب سے چند پیراگراف ذیل مین ترجمہ کرتے ہین جو بادشاہ بیگم کی سواری کے تزک و احتشام سے تعلق رکھتے ہین جب وہ ایک مذہبی تقریب پر حضرت عباس کی درگاہ مین تشریف لیگئی تھین۔

"بادشاہ بیگم کی سواری کے جلوس مین سب سے پہلے مسلح سوارون کا ایک رسالہ تھا جسکے سپاہی پوری وردی پہنے ہوئے تھے اور اپنا نشان اُڑاتے جاتے تھے۔ انکے بعد پیدل فوج کی دو پلٹنین تھین جنکے ساتھ جنگی باجہ بجتا جاتا تھا اور جھنڈے کھلے ہوئے تھے۔ اسکے بعد نیزہ بردارون کی ایک پوری جماعت تھی جو صاف و شفاف وردیان پہنے ہوے تھے۔ انکے برچھے خالص چاندی کے تھے۔ انکے پیچھے جھنڈی بردار تھے جنکی وردیان اور پگڑیان بالکل سفید تھین۔ انکی جھنڈیان قرمزی رنگ کی اطلس کی تھین جن پر زردوزی کے کام مین شاہی مہر کے نمونے بنے تھے۔ اور جن مین خالص چاندی کی تقریباً تین فیٹ لمبی ڈنڈیان لگی ہوئی تھین اسکے بعد باجے والون کی ایک پوری جماعت تھی جو ڈھول تاشے۔ جھانجھ اور نفیری وغیرہ بجاتے جاتے تھے۔ انکے بعد خاص ڈنکا تھا جس سے بیگم صاحبہ کے مرتبے کا اظہار ہوتا تھا۔ اسکے پیچھے بیگم صاحبہ کا عالیشان سکھپال تھا جس پر وہ سوار تھین۔ اسکے دونون پہلو مین آفتابے (سورج مکھیان) اور چنوریان تھین جنھین بیگم صاحبہ کے نہایت معتبر خواص لئے ہوے تھے جنکی پوشاک نہایت زرق برق تھی۔

سکھپال کو نہایت قدآور اور مضبوط عورتین (کہاریان) اُٹھائے ہوئی تھین اور مسلح زنانہ باڈی گارڈ (جیشنین ترکنین) گھیرے ہوے تھا جسکا فرض تھا کہ سواری کو اسی اہتمام سے درگاہ کے

کے زنانے حصّے تک پہونچا دے جہاں مردونکا گزر نہین ہے۔ سکھپال کے قریب چوبدارون اور مردہون کی جماعتین تھین جنکی چوبین اور سونٹے خالص سونے اور چاندی کے تھے۔ اور جو ہر قدم پر بیگم صاحبہ کا خطاب باآواز بلند پکارتے جاتے تھے۔ یہی لوگ فقیرون کے اژدہام کو بھی روکتے تھے جو ان بیگمون کی مشہور فیاضی کی وجہ سے سکھپال کو گھیرے رہتے تھے اور جنکے غول مین بیگم صاحبہ کے خواجہ سرا جو اسی غرض سے سکھپال کے ساتھ رہتے ہین۔ مٹھیان بھر بھر کے روپے پھینکتے جاتے ہین۔

خواجہ سراؤنکا افسر اعلیٰ د نواب ناظر، سکھپال کے پیچھے ایک آراستہ ہاتھی پر سوار تھا جسکا ہودہ سونے سے منڈھا ہوا تھا اور اندر مخمل لگی ہوئی تھی جسپر زردوزی کا بہت بھاری کام تھا۔ نواب ناظر ایک زرکار شملہ پہنے ہوے تھے گلے مین زربفت کی بھاری چپکن تھی اور ایک نہایت قیمتی دوشالہ اوڑھے ہوے تھے۔
انکے بعد بیگصاحبہ کی نہایت معزز خواصون اور مصاحب خاتونون کی فینسین تھین جن پر زربفت کے دپھٹکے، پڑے ہوے تھے انمین جو خاتونین سوار تھین اُنکے مرتبے کی مطابقت سے فینسونمین مین تقدیم وتاخیر کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ اور ہر فینس کے ساتھ مسلح سپاہی۔ برچھے بردار اور چوبدار متعین تھے۔
بعد ازان بیگم صاحبہ کے خانگی منصبدارون کے ہاتھیونکی قطار تھی جو خوب آراستہ تھے اور جنپر مغرق جھولین پڑی ہوئی تھین سب کے آخر مین بیگصاحبہ کی خادمہ عورتونکے رتھونکی ایک لمبی قطار تھی جو شمار مین پچاس تھے ہر رتھ مین چار چھ عورتین تک بیٹھی ہوئی تھین اور سب پر نفیس پردے پڑے ہوے تھے۔
انمین بیگصاحبہ کی پیش خدمتین۔ باری دارنین۔ مغلانیان۔ سامائین گلوری والیان قرآن خوانین چٹھی نویسنین۔ اور لونڈیان باندیان وغیرہ وغیرہ سوار تھین جن سے حضور عالیہ کی امارت کا اندازہ ہوتا تھا اور بہ آسانی واضح تھا کہ ہندوستان کی ایک عالی مرتبت خاتون کی شان وشوکت کے لوازم مین کسقدر مختلف درجے کی خادمہ اور عورتین درکار ہوتی تھین۔ یہ جلوس اس تزک اور واحتشام سے تقریباً آدھ گھنٹہ تک اہل خواہان اُس سڑک پر گزرتا رہا جو میرے مکان کے سامنے تھی اسکا انتظام نہایت عمدہ تھا اور اپنی غرابت اور شان وشوکت دونون کے لحاظ سے بیحد اثر انداز تھا۔"

ایک اور انگریزی خاتون جنکا نام "مسز رابرٹس" تھا اپنی بیش بہا تصنیف سین انڈکرکٹر مین شاہ نصیر الدین حیدر کی سواری کے ایک جلوس کا ذکر حسب ذیل کرتی ہین جب وہ بقرعید کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے گئے تھے۔

جلوس کے اگلے حصّے مین پچاس ہاتھیون کی ایک طولانی قطار تھی جن پر شاہی نشان اور ماہی مراتب

وغیرہ مخملی جھنڈے کھلے ہوئے تھے ہر ہاتھی پر ایک پیلبان اور دو بندوقچی تھے جنکی وردیان اور
پگڑیان سفید تھین اور سرخ و سبز بانات کے کمربند باندھے ہوئے تھے انکے بعد توپخانے کی ایک جماعت
تھی جنکے گولاندازون کی وردیان نیلی تھین - اسکے بعد سوارون کے دو رسالے تھے جنکے سپاہی
گلنار اطلس کی نہایت فوق البھڑک وردیان پہنے ہوئے تھے اور چمڑے کی رنگین ٹوپیان دیے
ہوئے تھے انکے پیچھے پیدل فوج کی ایک پلٹن تھی جسکے سپاہی نیم برہنہ تھے یا وحشیانہ طریق کا ناتمام
لباس پہنے ہوئے تھے - انکے پائجامے مشکل سے گھٹنون تک پہونچتے تھے جہان وہ سیاہ فیتون
سے بندھے ہوئے تھے - گلے مین لال کرتیان اور سر پر سیاہ پگڑیان انکے ساتھ ایک فوجی نقارہ
یا ڈنکا بھی تھا جسے وہ بجاتے جاتے تھے - جلوس کا سب سے زیادہ مہتم بالشان وہ حصہ تھا جسمین
نجیبونکی ایک تیرانداز جماعت کے پیچھے بادشاہ اور انکے درباریون کی "فیل گاڑیان" تھین بادشاہ معظم
ایک قسم کی عالیشان نقرئی گاڑی مین تاج مرصع زیب سر کئے ہوئے اورنگ شہی پر جلوہ گر
تھے گاڑی کی چھتری اور پردے وغیرہ قرمزی رنگ کی مخمل کے تھے جن پر زردوزی کا نہایت
نفیس اور بھاری کام بنا ہوا تھا اور طلائی جھالر لگی ہوئی تھی - اس گاڑی مین چار نہایت بلند
اور آراستہ ہاتھی جتے ہوئے تھے جو سن رنگ و پا اور قد و قامت مین بالکل یکسان تھے
دوسری گاڑیون مین صرف دو ہی ہاتھی جتے ہوئے تھے لیکن سب کی سب سونے اور چاندی
سے منڈھی ہوئی تھین - جو عالی مرتبت امرا اور ندیمان شاہی تفاخرانہ انداز سے ان گاڑیون
مین سوار تھے وہ سر سے پانون تک جواہرات و زر لبفت مین جگمگا رہے تھے انکے زرتار شملون مین جواہر
کی کلغیان لگی ہوئی تھین اور نہایت بیش قیمت موتی اور جواہر کے طرے - بازوبند - اور بدھیان
وغیرہ پہنے ہوئے تھے - انکے پانون مین گھیتلے جوتے تھے جنمین جواہرات لگے ہوئے تھے اور جو زر دوزی
کپڑے یا قیمتی شال سے بنائے گئے تھے جنکی ساخت نہایت شاندار تھی - ان گاڑیون کے اردگرد
چوبدارون - خواصون - ہرکارون اور دوسرے خدام شاہی کے غول تھے جن مین بعض
تلوارین چمکا رہے تھے بعض چنور یان ہلاتے تھے اور بعض بہ آواز بلند اپنے اپنے آقاؤنکے نام و
خطاب پکارتے جاتے تھے - انکے دونون پہلوئون پر ایک عمدہ سوارونکا ایک زبردست ہجوم تھا
جو نیزہ بازی اور دوسرے فوجی کرتب دکھا رہے تھے بعد ازان بادشاہ کے کوتل گھوڑون کی
قطار تھی جو مرصع ساز و براق سے آراستہ تھے اور جنکے سائیسونکی وردیان نہایت زرق
برق تھین انکے پیچھے نیچے شاہی پالکی اور میانہ تھا - یہ دیسی سواریان نہایت شاندار تھین -

Marfat.com

اور کنیہ خانص سونے سے منڈھی ہوئی تھیں۔ جو کہار انکو اٹھائے ہوئے تھے انکی کارچوبی وردیان تھین اور پگڑیوںمیں سونے چاندی کی مچھلیاں اور شاہی معہ کے لگے ہوے تھے بادشاہ کی کوتل گھی بھی جلوس کی شان و شوکت مین زبردست حصہ لے رہی تھی جو انگلستان کی بنی ہوئی تھی۔ اسمین مشکی گھوڑے جتے ہوے تھے اور ایک یوربین کوچبان ہنکا رہا تھا جو گلنار اطلس کی اچکن یاوردی پہنے ہوے تھا۔ بادشاہ کے انگریز مصاحب جو انکے فارن اسٹاف مین شامل تھے درباری لباس پہنے ہوے ہاتھیون پر سوار تھے اور انکے پیچھے دیسی اُمرا اور اعیان دولتکے ہاتھیونکی ایک طولانی قطار تھی۔ ان سب ہاتھیون پر گنگا جمنی ہودے رکھے ہوے تھے اور معرق جھُولین پڑی ہوئی تھین سب سے آخر مین اُن سوارون اور پیادون کی پلٹنین تھین جو ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعلق رکھتے تھے۔ انکے جھنڈے کھلے ہوے تھے اور فوجی باجہ بجتا جاتا تھا اسیطرح تمام جلوس مین اطلس ورکمخواب کی ہزارون سنہری روپہلی جھنڈیان ہر جگہ ہوا مین لہرا رہی تھین جن سے اون کی شان دوبالا ہوگئی تھی

اس معمولی بے ترتیبی سے قطع نظر کرکے جو ایسے عظیم الشان جلوس کیلئے لازمی ہے۔ تمام جلوس بغیر کسی خاص بے ترتیبی کے جو سپاہیونکی سلحشوری سے قریب القیاس تھی اسی شان وشوکت سے منزل مقصود تک پہونچگیا جہان دیسی نقارون اور بوق و قرنا کے زبردست شور کا یورپین باجے بھی ناکام مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ کی سواری عیدگاہ کے اندر داخل ہوئی اور مجتہد العصر نے نماز و خطبہ وغیرہ مذہبی رسوم ادا کرنیکے بعد ایک چھُرا پیش کیا جسے بادشاہ نے کلمۂ تکبیر کے ساتھ ایک اونٹ کے حلق پر پھیر دیا جو قربانی کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ توپخانے کے گولنداز اسیوقت کے منتظر تھے اور اُنھون نے اشارہ پاتے ہی توپین اور بندوقین داغنا شروع کردین جنکی گھن گرج آوازون سے شہر کے ہر گوشے مین اطلاع ہوگئی کہ بادشاہ سلامت قربانی کی رسم ادا کر چکے۔"

نوبت راے نظر

حسین آباد

بادشاہان اودھ کے ملکی اختیارات اور اقتدار کی شان اگرچہ یکے بعد دیگرے گھٹتی گئی لیکن اس کے اوسط زمانہ مین سب سے سن رسیدہ بادشاہ حضرت ابوالفتح معین الدین سلطان الزمان محمد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ نے لکھنؤ کے شباب قایم رکھنے کی جو صورت اختیار کی وہ درحقیقت کامیاب ثابت ہوئی حسین آباد مبارک کے وثیقے کی بدولت آج بہت سے شریف مفلس خانمان برباد اور مجبور اپاہج رئیس منزل مین آرام سے پرورش پاتے ہین۔

جنت آرامگاہ نے پانچ برس دس دن کی قلیل مدت حکومت مین خلایق کی نفع رسانی مین جو کامیابی حاصل کر لی وہ دراصل اودھ کے مشہور بادشاہ اور بھولے سخی نواب آصف الدولہ بہادر کو بھی تیئس برس چھ مہینے کی حکومت مین نصیب نہوئی بڑے امام باڑہ مین ملازمین، فرش فروش، اور روشنی وغیرہ کا جو کچھ سامان ہے وہ حسین آباد ہی کے وثیقہ کی بدولت ہے۔

محمد علی شاہ نے ساٹھ برس کے سن مین تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ مگر اس پیرانہ سالی مین جو کچھ انتظام کیا آجتک یادگار رہیگا۔ اس وقت لکھنؤ کی جیسی زمین آباد تھی۔ قدم قدم پر سر بفلک عمارتین تھین۔ تمام شہر مین تیلی تیلی گلیان۔ اور جگہ جگہ عالیشان محلون کی بلندی نے آسمان کو اپنی چھتون کے سائبان سے چھپا دیا تھا۔ اور لکھنؤ کی زمین گویا آسمان کی صورت بھی نہ دیکھتی تھی۔ شہر بھر مین نہ یک نمانہ گھی۔ فینس تا دان ہوادار سکھپال ہاتھی

گھوڑے سانڈنی کے سوا دوسری سواری نہ تھی۔ محمد علی شاہ نے شہر کی رونق بڑھانے کی کوشش کی سب سے پہلے دریا کنارے ور دولت سے جمنیا باغ تک ایک سڑک بنوائی۔ زائرین اودھ کے آرام کے لیے بمبئی میں ایک سرا بنوائی۔ حضرت عباس کے مزار کا دروازہ بنوایا۔ جمنیا باغ ہی میں اب حسین آباد مبارک آباد ہے۔ جب اس امام باڑہ کی تجویز ہوئی تو شہر کے سب امام باڑوں کے نقشے پیش ہوئے۔ اس زمانہ میں آغا باقر کا امام باڑہ جواب مچھی بھون کے دھس میں کھد کر شامل ہوگیا ہے مقبول عام ہو رہا تھا۔ اس لیے اسی کے نقشے کے مطابق حسین آباد کی تعمیر آغاز ہوئی جمنیا باغ کے تمام درخت کٹوائے گئے سطح زمین برابر کی گئی اتفاق وقت یہ کہ اسی زمانے میں اطراف دکن میں سخت قحط پڑا اور اس عظیم الشان تعمیر کی خبر سنکر ہزارہا آدمی یہاں مزدوری کی غرض سے چلے آئے۔ تعمیر کی خدمت اعظم الدولہ عظیم اللہ خان اور رفیق الدولہ میر امام علی کو تفویض ہوئی اعظم الدولہ کے نایب داروغہ عاشق علی تھے جنکے ہاتھ سے معماروں کا چہا تقسیم ہوتا تھا۔

امام باڑہ کے اندر مسجد تعمیر کی گئی پھاٹک کے سامنے کے رخ جلوخانہ کے نام سے جوابی پھاٹک بنایا گیا۔ اس کا بالاخانہ نوبت خانہ قرار پایا جس پر اب تک برابر اپنے وقت سے نوبت بجا کرتی ہے۔ تاریخیں جو حسین آباد کی تعمیر کے کندہ ہوئیں وہ مولوی سعد الدین لکھنؤ کے مشہور خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ حسین آباد کی تعمیر کے بعد ایک دوسرے امام باڑہ کی تعمیر کے بنا حسین آباد کی پشت پر ڈالی گئی جو بالکل امام باڑہ آصف الدولہ بہادر کے نقشے کے مطابق زیر تعمیر تھا کہ جنت آرامگاہ نے اس سرائے فانی سے انتقال فرمایا۔ اسی طرح جامع مسجد بھی جسکی بنا نعیم خان کی گڑھی پر ہوئی ادھوری رہ گئی اب نماز عیدین و جمعہ وہیں ہوتی ہے۔ اس امام باڑہ کی تعمیر میں تقریباً بیس لاکھ روپیہ صرف ہوا اور تین برس میں یہ عمارت تعمیر ہوئی۔

حسین آباد کے تاریخی واقعات اور زیادہ دلچسپ ہوجائیں۔ اگر ناظرین اسکو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے واسطے فرض کر لیجیے کہ آپ لکھنؤ کے

Marfat.com

وکٹوریہ پارک مین تفریح کی غرض سے تشریف لے گئے ہین اس پُرفضا مقام کی تعریف فضول ہے صرف اس قدر سمجھ لیجیے کہ ہری ہری گھاس زمرد کا تختہ بنی ہوئی ہے اور بیچ مین سرخی نے یاقوت کی سڑک بچھا دی ہے کیمپنی باغ سے نکلکر رومی دروازے کی طرف نشست کیجئے تو سامنے مغرب کی طرف چلکر تھوڑی دور پر دو بُرجیان ملتی ہین یہ حسین آباد کا پیش خیمہ ہین کبھی ان بُرجیون پر عشرۂ محرم مین تکلف مکلف سبیلین رکھی جاتی تھین۔ برجیون کی جنوبی قطار مین دوکانین بازار اور رئیس منزل کی عالیشان عمارت ہے اس عمارت کو شاہی مین ہوائے سلطانی کہتے تھے۔

اوتر کی طرف باغ ہے سبز گھاس کا فرش اور انگریزی پھولون کے درخت اُور وسط باغ مین گھنٹہ گھر کا بلند مینار سامنے حسین آباد کا تالاب لہرین مار رہا ہے۔ چارونطرف لکھوری اینٹ کی بیضاوی سیڑھیان تالاب کے دونون کنارونپر نہانے والون کی آسایش کے لیے سہ گوشہ برجیان اور پنجدرے وسیع دالان بغل مین صحنچیان۔ اس عمارت کی شکستگی اور قدامت زبان حال سے کہتی ہے کہ مین رخصت ہونیوالی ہون۔ درون کی جڑائی کھل گئی ہے صحنچی کے بغل مین عمارت کی چھت پر جانے کا سنگی پیچدار زینہ ہے۔

تالاب کے پورب کی طرف زنانہ گھاٹ کی زمین دوز عمارت ہے وسیع دالان در دالان اور دونون طرف صحنچیان۔ مختصر صحن جس مین پتھر کی چوکی بچھی ہے ایک قناتی دیوار پردہ کیے ہوے ہے۔ صحن مین پانی بھرا ہوا ہے آجکل یہ تمام عمارات ابتر حالت مین پڑی ہوئی ہے نہ کوئی نگران ہے نہ پرسان حال جابجا کوڑا کرکٹ پڑا ہے۔

پچھم کی طرف گئو گھاٹ کی عمارت ہے۔ دالان وسیع ہے۔ یہان کسی زمانہ مین چوپایے جانور پانی پینے کی غرض سے لائے جاتے تھے بیل گھوڑے ٹٹو اسکے سایے مین آرام پاتے تھے اب اس کے راستے مین بھی کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے اور بہت ابتر حالت مین ہے۔

باغ مین ولایتی تاڑ کے درخت بہت بہار دکھاتے ہین۔

Marfat.com

باغ کے حدود کے باہر سنگھنڈے کی شکستہ عمارت اپنی گذشتہ معمارون کا ماتم کر رہی ہے اس کے بعد حسین آباد کا سہ درہ عالیشان پھاٹک ہے اس پھاٹک پر دونون طرف دالان اور برجیان ہین ایک خوبصورت زینے سے اوپر جانے کا راستہ ہے پھاٹک کی بغل مین دونون طرف دوہرے کمرے ہین اوتر طرف ہسپتال ہے۔

بیچ کے پھاٹک کے باہر والے پہلو مین سنگ مرمر پر یہ تاریخ نہایت جلی حرفون مین مولوی سعد الدین خوشنویس کی لکھی ہوئی ہے۔

از عنایات کریم و کارساز دو جہان ۔۔۔ شاہ گردون آستان خسرو ہندوستان
بے نظیر و بے عدیل و بیمثال و بے بدل ۔۔۔ ناصر عالم معین الدین ابو الفتح زمان
آیہ رحمت بعالم ہست بہر جزو کل ۔۔۔ تا ابد دارد خداوند دو عالم در امان
روضہ پاک شہید کربلا تعمیر ساخت ۔۔۔ اہتمام او بدل کردہ عظیم اللہ خان
صحن جنت نہر کوثر نخل طوبےٰ عرش باب ۔۔۔ فی الحقیقت نیست در عالم نظیرش بیگمان
مسجد پر نور را کعبہ اگر گویم رواست ۔۔۔ ہست زمزم چاہ بہر مومنات و مومنان
بر درش خط سڑک گشتہ صراط مستقیم ۔۔۔ بر زمین پیدا شدہ گویا جواب کہکشان

گفت تاریخش رضا بہر حضور بادشاہ
قبلہ اوج کمال و مشہد شاہ شہان
۱۲۵۳ھ

یہ تاریخ غالباً فتح الدولہ برق کی ہوگی اس لیے کہ انکی اکثر فارسی کی ابتدائی تاریخون مین رضا تخلص پڑا ہے اسی پھاٹک کے دوسرے بازو پر اسی وزن اور قافیہ مین دوسری تاریخ درج ہے۔

باز بہر مہتمم تاریخ ثانی شد رقم ۔۔۔ آنکہ قربان میکند بر پاے اقدس مال و جان
فدوی خاص و امین و سرفروش و معتمد ۔۔۔ جان نثار بادشاہ کشور ہندوستان
صاحب فہم و خلیق و عادل و دانائے خلق ۔۔۔ عاشق شیداے حضرت ہست بیشک بیگمان
روز و شب مصروف حکم شاہ می باشد مدام ۔۔۔ جز بدین کارے ندارد ہیچ کارے در جہان
نیست این تاریخ نادر شکل تاریخ دگر ۔۔۔ واقعی صنعت بطرز نو شدہ از راقم عیان
کم کن اول یکہزار و دو صد و پنجاہ و چار ۔۔۔ تا سن ہجری نماند اہل بینش را نہان

از ترقی شد دو چندان سال این تاریخ سعد
مختتم بالطف حق بودہ عظیم اللہ خان
۱۲۵۲ھ

پھاٹک کے اندر دونون طرف دوکانین اور بازار ہے اور اس سلسلہ کے ختم ہونے کے بعد اس پھاٹک کے جواب مین سہ درہ پھاٹک ہے۔

ان دونون طرف کے عالیشان پھاٹکون کے وسط مین دکن کیطرف ایک نفر قریب پھاٹک ہے جس کے سامنے اسی قطع کا جوابی پھاٹک اور نوبتخانہ ہے پھاٹک کے اندر بغل مین بلند کرسی دیکر دالان اور کوٹھریان بنی ہوئی ہین اور پھاٹک کے اوپر خوبصورت مختصر برجیان اور کمرے ہین۔ یہ عمارت دو منزلہ ہے بیچ کے کمرے پر ایک خوبصورت برج بنا ہے جسپر ایک علم ہے تمام برجیون پر سنہری کلس ہین پھاٹک کی عمارت پر جانے کے لیے نہایت خوشنما سنگی زینہ ہے اس پھاٹک کے اندر حسین آباد کا صحن ہے پھاٹک کے سامنے آہنی سنہری بیلدار اوٹ ہے اور مٹی کے شیر کی تصویر ہے بغل مین دونون طرف پیتل کی دو نہایت خوبصورت قد آدم پتلیان لوہے کی زنجیر لیئے ہوے کھڑی ہین یہ زنجیر پھاٹک مین بندھی ہے صحن کی تمام زمین پر پتھر لگا ہوا ہے دونون طرف باغیچہ ہے طرح طرح کے پھل اور پھول کے درخت ہین کیاریان پختہ ہین باقی گھاس کا فرش ہے درخت اکثر ہندوستانی پھل اور پھولون کے ہین بیچ مین ایک خوبصورت حوض ہے جس مین سرخ سبز مچھلیان موجین مار رہی ہین۔ وسط نہر مین مختصر لوہے کا پل ہے مغرب کی طرف مسجد ہے جس کا دروازہ آہنی ہے صحن مسجد مین دو مینار ہین ایک کنوان ہے جس کی جگت اور گھڑنجے پتھر کے ہین مسجد کی پشت پر ایک عمارت اسی قطع کی ہے جس کو تسبیح خانہ کہتے ہین شہر بھر مین یہ پہلی مسجد ہے جس کے متعلق تسبیح خانہ بھی ہے اسپر یہ تاریخ درج ہے۔

شاہ ابوالفتح محمد علی ذی شان ساخت این خانۂ تسبیح مصفا و صبیح
یا الٰہی بجہان قایم و دایم باشد حرمت کعبہ و حق نجف و مین ضریح
ناصرش رب محمد علیش باد معین این دعائیست ملک را بتسابیح تسبیح
خواست تاریخ ز صوحی قدسی و اثق کہ بجز اندر ای خوش و الفاظ فصیح

Marfat.com

برملا خواند بہ تسبیح سبحہ صبوحی　　جاے طاعات ملک باد مقام تسبیح

مسجد کے سامنے دوسری طرف کو حمام خانہ ہے جس مین دو حوض گرم اور ایک ٹھنڈے پانی کا ہے مسجد کے قریب تاج بی بی کے روضہ کی نقل کی ایک مدور عمارت ہے یہ ایک خوشنما گنبد ہے جس کے اندر چارون طرف صحنچیان ہین۔ بیچ مین قبر ہے گنبد کی دیوار پر چاؤن طرف آیات کلام اللہ تحریر ہین۔ قبر پر لکڑی کا کٹہرا ہے ایک ضریح صندل کی رکھی ہوئی ہے۔

یہ عمارت سہ منزلہ ہے چارونطرف خوبصورت صحنچیان ہین فرش سنگ مرمر کا ہے قبر کی پاس والی صحنچی مین سیاہ ممبر رکھا ہے یہان بھی قران خوانی ہوتی ہے یہ قبر جنت آرامگاہ کے دختر کی ہے جو نواب ملکہ جہان احمیدہ سلطان فخرالزمانی تاج النسا بیگم کے بطن سے تھین اور ایام طفولیت مین والدین کو داغ مفارقت دیگئی تھین جمنا باغ مین تدفین ہوئی اسی زمین پر اُن کے نام سے حسین آباد مبارک کی بنیاد پڑی۔

سامنے کرسی دیکر دکن رخ امام بارہ حسین آباد کا سنگی صحن ہے جس مین مربع حوض ہے حوض مین فوارہ ہے صحن کے بعد شیشون کے پانچ دروازون کی نفیس عمارت ہے جس کو امام بارہ کہتے ہین اس عمارت پر بیشمار برجیان اور کنگورے ہین صدر دروازے کے بلند مقام پر سنگ مرمر پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

شہ زمانہ محمد علی بنا فرمود　　امام بارہ پئے ذکر مجلس حسنین
زروے آہ دلم خواند نوحہ تاریخ　　بنائے تعزیہ و ماتم امام حسین
۱۲۵۴

اور تمام دروازون پر آیات قرآن شریف ناد علی پنجتنی کا کتبہ بخط طغرا لکھا ہے۔

امام بارہ کے پہلے درجہ مین بیش بہا جھاڑ آویزان ہین۔ دو جھاڑ چین سے منگوائے گئے ہین۔ پیوسنگے پتھر کی ایک جوڑی نیلی قندیلونکی بہت اچھی ہے مغرب کی طرف آئینہ شیشے مین ایک گھڑی ہے مشرق کی طرف چاندی کا ممبر اور ایک بغدادی آئینہ ہے۔

دوسرے درجے مین دونون طرف صحنچیان دوسرے درجے کی ہین مغرب کی طرف صحنچیون مین باہر کی طرف سبز دروازے لگے ہین چھتین کرے کی ہین۔

Marfat.com

بیچ کے درمین دو قبرین ہین - داہنی قبر بادشاہ کی ہے چاندی کا کٹہرا نقشی کام کا جس پر شمعدان لگے ہین قبر پر سبز مکلف چادر پڑی ہے دو پائے سنگ مرمر کے ہین جنپر عشرۂ محرم مین بیٹھک کے جھاڑ روشن ہوتے ہین - قبر کے سامنے شیشے کے اندر مکلف تاج رکھا ہوا ہے - ایک چاندی کا اگردان آئینے کا ہے اندر لگے کا کا بوٹہ کشمیر کا شامیانہ جس کے کھنبے چاندی کے ہین -

اسی کے پاس جنت آرامگاہ کی والدہ کی قبر ہے - یہ بھی اسی تکلف سے ہے قبر کے دونون طرف جرمنی کے سرخ جھاڑونکی جوڑی بارہ ہزار روپیہ کی بہت نفیس ہے چھت مین عمدہ سے عمدہ جھاڑ لٹکے ہین چاندی کی منقش قندیلین آویزان ہین ہر رنگ کے جھاڑ ہین قد آدم آئینے نصب ہین جابجا قطعات نسخ و نستعلیق آویزان ہین - تمام عمارت کا فرش سفید اور سیاہ پتھر کا ہے چوسری طرح فرش لگایا گیا ہے -

تیسرا درجہ امام باڑہ کا شہ نشین ہے جو گز بھر کرسی دیکر بنا ہے اسمین پانچ دروازے سبز رنگ کے ہین ایک درمین دو طلائی علم اور صندل کی ضریح ہے کہا جاتا ہے کہ یہ ضریح ڈیڑھ سو برس کی بنی ہوئی اور امام باڑہ آصف الدولہ سے اٹھا کر رکھی گئی ہے اسمین جابجا شیشے جڑے ہین - دوسرے درمین چاندی کی ضریح روضہ امام حسین کی نقل ہے شامیانہ کشمیر کا کھنچا ہے - مورچھل کارچوبی قرآن شریف جسکی رحل چاندی کی گنگا جمنی پھولدان دو مرد نگین تین جھاڑ بیٹھک کے ہین ایک مختصر ہاتھی دانت کی ضریح جالی دار شیشے کے اندر شیشے کی چوکی پر رکھی ہے - تیسرے مین براق چوبی چتر لگائے ہوے کھڑا ہے دو در آمد و رفت کے لیے خالی ہین - درمیانی درجہ کی بغل مین مشرق کی طرف سہ دری مین چھت پر جانے کا تنگ زینہ ہے - چھٹی مین موم کی سبز اور سرخ ضریح جس پر موم کے بیلے کا سہرا پڑا ہوا ہے دیکھنے والون کو موتیے کے ہار کا دہوکا ہوتا ہے - فقط

محمد عبدالرؤف عشرت

ملکہ کشور صاحبہ

(از شیخ تصدق حسین بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ)

نواب تاج آرا بیگم نواب حسین الدین خاں کی بیٹی تھیں جو فوج شاہی اودھ میں رسالدار تھے۔ اُن کی چھاؤنی وارڈ سعادت گنج لکھنؤ میں گھنٹہ بیگ کی گڑھیا کے قریب تھی۔ یہ مقام ابتک حسین الدین خاں کی چھاؤنی کے نام سے مشہور ہے۔ حسین الدین خاں کے والد نواب فخر الدین خاں یادا شہنشاہ دہلی کے وزیروں میں تھے۔ نواب تاج آرا بیگم امجد علی شاہ کو زمانۂ ولی عہدی بیاہی گئیں اور سسرال سے خاتون منتظمہ بادشاہ بہو نواب ملکہ کشور صاحبہ خطاب عطا ہوا۔ ۱۸۴۲ء میں حضرت محمد علی شاہ کے انتقال پر اُن کے بیٹے امجد علی شاہ بعمر تینتالیس سال چھ ماہ چہارم بادشاہ اودھ ہوئے۔ اُنھوں نے ۱۸۴۷ء تک یعنی پانچ برس حکومت کی، اور زمانۂ بادشاہت میں اپنی مرضی اور پسند سے دو اور شادیاں کیں، ایک تو ملکہ گیتی سے اور دوسری ملکۂ عہد سے۔ ملکہ کشور کے بطن سے تین اولادیں ہوئیں۔ سب سے بڑے خورشید حشمت مرزا محمد واجد علی جو بعد کو واجد علی شاہ کے نام نامی سے تاجدار قلمرو اودھ ہوئے، دوسرے سکندر حشمت مرزا محمد جواد علی جو فوج شاہی اودھ میں سپہ سالار اعظم ہونے کے باعث خواص و عوام میں جرنیل صاحب کے نام سے مشہور تھے اور تیسری نواب اشرف النسا بیگم جو نواب منیر الدولہ کے بیٹے نواب سرفراز الدولہ سے کتخدا ہوئیں۔

امجد علی شاہ کے زمانۂ ولی عہدی میں ملکہ بہت ہی خوش و خرم رہتی تھیں۔ میاں بیوی میں بہت میل جول الفت اور محبت تھی مگر بادشہ کی دوسری شادی کے بعد دونوں میں ناچاقی ہوئی۔ ابتداءً ملکہ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوئی مگر جب یہ منحوس اور روح فرسا خبر اُن کے کانوں تک پہونچی اور اُس کی تصدیق بھی ہوگئی تو اُنھوں نے تین شبانہ روز نہ بادشاہ کا سامنا کیا نہ اُن سے بات چیت کی بلکہ کھانا پینا تک ترک کردیا۔ آخر کار وزیر اعظم و چند اعیان دولت و اعلےٰ عہدے داران سلطنت نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض و معروض کیا۔ جس کے بعد اُنھوں نے اپنا خیال بدل دیا اور مثل سابق خوش دلی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں۔ ملکہ کو مع تنزل جو لکھی کوٹھی

Marfat.com

دزدوار کا داس کے باغ والی عمارت بہت پسند تھی۔ ان تینوں مقاموں پر وہ بہت شوق سے رہتی تھیں جاڑے کی فصل میں عموماً چھتر منزل میں قیام کرتی تھیں۔ اور معمولاً کسی کھڑکی کے پاس بیٹھکر جھلملی سے دریا اور سڑک کی سیر کیا کرتی تھیں۔ اکثر اوقات وہ کسی غریب و بیکس عورت کو طلب کرتیں اور انعام و اکرام سے اُس کو خوش کر کے رخصت کر دیتیں۔

جو لکھی کوٹھی کو وہ موسم گرما کے لئے موزوں خیال کرتی تھیں اور باغ والی کوٹھی کو برسات کے لئے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے ملکہ چند روز کے لئے چھتر منزل میں فروکش تھیں اور چڑھے ہوئے دریا کی سیر کر رہی تھیں کہ دفعتاً انھوں نے خاد ماؤں کو پکار کر کہا کہ دیکھو ایک بڑھیا دریا میں بہتی چلی جاتی ہے فوراً جاؤ اور آدمیوں کو بھیجکر اُس کو نکلوالو۔ چنانچہ خادمائیں تیزی سے گئیں اور آدمیوں کو بھیجا۔ غریب بڑھیا کا جھونپڑا سیلاب کی وجہ سے بہہ گیا تھا۔ وہ چھپر کا ایک کونا پکڑے بہتی چلی جاتی تھی حسب الحکم ملکہ نوکراس کو آن واحد میں دریا کے باہر نکال لائے جب اُس کا جسم خشک ہو گیا تو کپڑے پہنا کر ملکہ کے روبرو حاضر کی گئی۔ ملکہ نے اس کی پر درد سرگذشت سنی اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ اُس کا کوئی والی وارث نہیں ہے اور اُس کے کل رشتہ دار لقمۂ اجل ہو چکے ہیں تو انھوں نے بڑھیا کا تین روپیہ ماہوار گذارہ مقرر کر دیا جو اُس زمانہ میں اُس کے لئے اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کرنے کو بالکل کافی تھا۔

کوٹھی سے ملا ہوا ایک بڑا باغ تھا جس کے چاروں طرف بلند دیواریں تھیں۔ برسات میں چھینٹا پڑنے کے بعد جب خوشگوار ٹھنڈی ہوا چلتی تھی تو ملکہ اپنی پیش خدمتوں کے ہمراہ جن کی تعداد ایک سو یا کچھ زیادہ ہوتی تھی روشوں پر چہل قدمی کرتی تھیں۔

ملکہ اپنے مذہب کی بہت پابند تھیں، رات کو دیر سے آرام کرتیں اسی وجہ سے صبح بیداری میں دیر ہوتی، ملازمین کی مدد سے ہاتھ منہ دھوکر روغنی ٹکیہ اور بالائی کا ناشتہ کر کے اپنے توشہ خانہ میں چلی جاتی تھیں جہاں مولوی صاحب پردہ کے آڑ میں بیٹھکر کلام پاک پڑھکر اُن کو سنایا کرتے تھے۔ اپنے شوہر نامدار کے انتقال کے بعد وہ خود رات گئے تک قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ اُن کی استعداد علمی بھی اچھی تھی اور فارسی بخوبی لکھ پڑھ لیتی تھیں۔

گرمیوں میں خاصہ نوش کرنے کے قبل مربوں اور محلول موتیوں کا شربت بھی استعمال کرتی تھیں۔ پوشاک تبدیل کرلنے اور دربار کرنے کے بعد خاصہ چنا جاتا تھا۔ ملکہ کا خاصہ محلسرا میں نہایت ہوشیار اور واقف کار ماما تیار کرتی تھیں اور بادشاہ کا خاصہ اُن کے خاص بزاور رکابدار باہر کے باورچی خانوں میں تیار کرتے تھے۔ جب بادشاہ ملکہ کے ساتھ خاصہ نوش کرنے کو تشریف لاتے تھے تو شہنائی نواز شہنائی بجاتے تھے۔ بادشاہ کا

Marfat.com

کھانا نقرئی کشتیوں اور سینیوں میں آتا تھا، دوپہر کو ایک توپ بھی داغی جاتی تھی جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اب بادشاہ دسترخوان پر خاصہ تناول کرنے بیٹھے ہیں۔

شام کا کھانا بعد مغرب کھایا جاتا تھا۔ شام کو بھی قریب قریب دن کے ایسے بیس پچیس قسم کے نہایت نفیس اور خوش ذائقہ کھانے ہوتے تھے، یعنی دو تین قسم کے پلاؤ، کئی قسم کے کباب، کئی رنگ کے شوربہ دار اور ترکاری دار سالن، شیر برنج، مزعفر، خمیرے اور مٹھائیاں وغیرہ وغیرہ۔ ملکہ ہمیشہ چمچہ سے کھانا کھاتی تھیں، ہاتھ سے نہیں کھاتی تھیں اور خاصہ سے فراغت کرنے کے بعد دونوں وقت حقہ نوش کرتی تھیں۔ محلسرا میں ایک بڑا کرہ کھانا کھانے کے لئے مخصوص تھا، کھانے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تپائیاں اور چوکیاں کمرہ میں لا کر ان پر نقرئی ظروف رکھ دیے جاتے تھے۔ اور ملکہ اپنی مسند پر ایک بڑے پرتن زردوزی گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھتی تھیں فرش پر گراں بہا قالین بچھے ہوتے تھے، چوکیاں اور تپائیاں بھی جن پر کھانے کے برتن رکھے جاتے تھے اکثر خالص چاندی کی ہوتی تھیں۔ شاہی دسترخوان بانات کے دو بڑے ٹکڑوں کا ہوتا تھا جس پر گل و بوٹے بنے ہوتے تھے۔ دسترخوان کے نیچے اتنا ہی لمبا چوڑا چمڑے کا ٹکڑا ہوتا تھا جو دسترخوان کے نیچے چاروں طرف ٹانک دیا جاتا تھا۔ کھانے کے وقت دسترخوان کمرہ کے وسط میں بچھا دیا جاتا تھا اور کل کھانے اس پر چن دیئے جاتے تھے۔ خربوزوں اور حقوں کو سرد کرنے کے لئے برف بکثرت استعمال ہوتی تھی۔

کھانے سے فراغت کر کے جب ملکہ اپنی خوابگاہ میں آرام کرنے تشریف لیجاتی تھیں تو ہمیشہ کسی قصہ گو عورت سے کوئی قصہ یا داستان سنا کرتی تھیں۔ قصہ گو ملکہ کے مزاج کے موافق قصہ میں تبدیل کر دیتی تھی یعنی اگر نیند بلانے کا مقصد ہوتا تھا تو ایک خواب آور روکھے پھیکے قصہ سے جو طول دیکر آہستہ سے بیان کیا جاتا تھا یہ منشا پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر یہ غرض ہوتی تھی کہ قصہ سنکر دلبستگی ہو اور طبیعت میں فرحت و تازگی پیدا ہو یا غم غلط ہو تو کوئی دلچسپ داستان موثر و شگفتہ الفاظ خوش آیند لہجہ اور دلآویز پیرایہ میں بیان کی جاتی تھی۔ بعض اوقات اس میں بہت وقت صرف ہوتا تھا۔ اور قصہ گو کو قصہ کی دلآویزی پر ملکہ کوئی بیش قیمت چیز انعام میں عطا کرتی تھیں۔ اُن کی سرکار میں چار قصہ گو عورتوں کے رسم تھے۔ جب قصہ گو باریابی پاتی تھی تو ملازمین کی باری بدل دی جاتی تھی اور جب وہ رخصت ہوتی تھی تو پھر نوکروں کی بدلی ہوتی تھی۔

ملکہ کو خود بھی قصہ کہنے کا بہت شوق تھا اور کبھی کبھی اپنے نوکروں اور متوسلین کو سنایا کرتی تھیں اُن کے قصے بعض مذہبی رنگ کے ہوتے تھے مگر قصہ گو عورتیں ہر قسم کے افسانے بیان کرتی تھیں جن میں بادشاہوں امیرزادیوں کے عشق و محبت فقیروں کے بادشاہ اور شاہوں کے گدا ہو جاتے اور پریوں اور راجہ اندر

Marfat.com

کے دربار کے حالات وواقعات ہوتے تھے۔

موسم سرما میں جب ملکہ حمام کرتی تھیں تو بڑی تیاریاں ہوتی تھیں، اُن کے نوکروں کو دن بھر محنت شاقہ برداشت کرنی پڑتی تھی، حوضوں میں ٹھنڈا پانی اور آب گرموں میں گرم پانی بھر دیا جاتا تھا سب سامان سویرے سے تیار ہو جاتا تھا۔ حمام والے دن ملکہ اور نہلانے والی عورتیں دن بھر کی مشقت کے لئے تیار ہو جاتی تھیں۔ ملکہ کے نہلانے کے وقت بجائے صابن کے بیسن استعمال ہوتا تھا جیسا کہ اُس زمانہ کا عام دستور تھا۔ دو یا تین بہت قدیم خادمائیں جو ملکہ کے ہمراہ کنوار پنے سے رہتی تھیں حمام کراتی تھیں۔ حمام کے وقت ملکہ کے جسم پر کثرت سے بیسن ملا جاتا تھا اور نیم گرم پانی سے دھوڈالا جاتا تھا۔ ہر حصہ جسم کو بار بار اسی طریقہ سے صاف کیا جاتا تھا جس سے حمامی اور ملکہ دونوں یکساں خستہ ہو جاتے تھے۔ محل خانہ شاہی میں خواجہ سرا بھی موجود تھے ملکہ اس وقت پر ہر رئیس اعظم کے محل میں حسب رواج زمانہ خواجہ سرا ضرور رہتے تھے مگر ملکہ ان کو پسند نہ کرتی تھیں اُن سے صرف درباروں جلوسوں اور ایسے ہی دوسرے موقعوں پر شان و شوکت بڑھانے کا کام لیا جاتا تھا۔ حمام سے اُن کو کوئی سروکار نہ تھا۔

زنانہ پہرہ داریاں بھی محلسرا میں موجود تھیں جو ڈیوڑھیوں اور زنانہ درجوں کے برآمدوں میں وردیاں پہنے اور ہاتھ میں پستول یا قرولی لیئے پہرہ دیتی رہتی تھیں، ملکہ اُن کو بھی پسند نہ کرتی تھیں اور ان کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھیں۔ پرانے طریقے بدستور جاری تھے، مگر ان میں ظاہر داری اور تصنع بہت کم تھا۔ درحقیقت ملکہ تکلف اور نمائش کے اس قدر خلاف تھیں کہ بجز سخت ضرورت کے وہ در دولت کے باہر بہت کم جاتی تھیں۔ ہاتھی، اونٹ، گھوڑوں سوار و پیدل سپاہیوں اور ہر قسم کے پہرہ داروں کا جلوس جو حسب دستور اُن کی سواری کے ہمراہ ہوتا تھا اُن کے لئے بار خاطر ہوتا تھا۔ اُن کو صرف ستھری نفیس پوشاک اور اعلیٰ درجہ کے جواہرات کا بہت شوق تھا لیکن ضابطہ کی شاہی پوشاک زیب تن کرنے سے وہ گھبراتی تھیں۔ اکثر جلوس والی سواری سے واپس آکر کوچ پر دراز ہو جاتی تھیں اور کہتی تھیں خدا کا شکر ہے کہ اس زحمت سے نجات پائی، یہ بڑی ہی تکلیف دہ رسم ہے۔

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد وہ بحیثیت والدہ بادشاہ وقت حسب دستور دربار اودھ جناب عالیہ کے خطاب سے ملقب ہوئیں۔ اس سانحہ دلگداز کے بعد انھوں نے کبھی نتھ نہیں پہنی جو سہاگ کی علامت خیال کی جاتی ہے مگر اپنے دوسرے بیش بہا مرصع زیورات اور شاندار شاہی پوشاک حسب موقع استعمال کرتی رہیں اور بیوہ ہو جانے کے بعد بھی اُن کی سواری کے ساتھ وہی جلوس ہوتا تھا جو اُن کے شوہر کی حیات میں ہوتا تھا، یہ بات نواب خاص محل کو بہت شاق گذرتی تھی کیونکہ فرمانروائے وقت واجد علی شاہ

Marfat.com

کے محل خاص ہونے کی حیثیت سے وہ اس جلوس کو اپنا حق سمجھتی تھیں۔ ملکہ ملبا سفر ہاتھی پر نقرئی ہودج میں یا اپنی شاہی پالکی میں کیا کرتی تھیں جس کو سُرخ وردی پہنے ہوئے کہار اُٹھایا کرتے تھے۔

ہر محل میں ملاقات کے کئی کمرے ہوتے تھے جن کے بیچ میں عموماً ایک گول میز رکھی رہتی تھی جو کسی کمیاب لکڑی یا سنگ مرمر یا بلور یا چاندی کی بنی ہوتی تھی جس پر ہر قسم کی آرائشی چیزیں مثلاً چینی کے خوشنما ظروف یا طلائی نقرئی اور چمکدار روغنی برتن، گملے، گھڑیاں، وغیرہ رکھی رہتی تھیں۔ یہ اشیاء دہلی چین یا یورپ کی بنی ہوتی تھیں، میز کے چاروں طرف ولایتی طرز کے کوچ دنگل بھی ہوتے تھے جن پر قیمتی چمکدار اور بوٹیدار سوتی یا ریشمی کپڑے منڈھے ہوتے تھے اسی طرح ہر کمرے میں ایک مسہری قیلولہ کے لئے رہتی تھی جس پر قیمتی پلنگ پوش پڑا رہتا تھا۔ محل سرا میں دو طلائی مسہریاں بھی تھیں جن کو نواب سعادت علی خاں نے بنوایا تھا۔ واجد علی شاہ دونوں کو اپنے ہمراہ کلکتہ لے گئے تھے اور دونوں کے چوکھٹے یکے بعد دیگرے ضرورتاً گلوا ڈالے تھے۔

ایک موقع تو یہ تھا کہ ایک روز ایک شخص خاص قسم کے پرندوں کا ایک جوڑا جو اپنے گھنے پروں کی خوبصورتی اور چال ڈھال کی خوبی کے لئے مشہور تھا، شاہ معزول کی خدمت میں بغرض فروخت لایا، دونوں کے سروں پر ایک کلغی سی تھی جس سے اُن کی خوشنمائی بہت بڑھ گئی تھی۔ اعلیٰ حضرت کو یہ جوڑا بہت پسند آیا، قیمت دریافت کی تو فروشندہ نے پچاس ہزار روپیہ بتائے۔ بادشہ نے فرمایا خیر پچاس ہزار سہی، اور خزانچی کو طلب کر کے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو لیکن اُس وقت تحویل میں صرف پینتیس ۳۵ ہزار روپیہ نکلے اور اتنی رقم اتفاقی اور غیر معمولی اخراجات کے لئے عموماً محفوظ رکھی جاتی تھی چنانچہ خزانچی نے قبل دوسری تنخواہ کے وصولیابی کے کل رقم ادا کرنے میں پس و پیش کیا، اس پر بادشہ بہت ناراض ہونے لگے۔ لہٰذا کل رقم بطور جزو قیمت کے ادا کر دی گئی، مگر پندرہ ہزار پھر بھی باقی رہے، اور نہ اس وقت نہ اور زر نقد موجود تھا اور نہ بطور قرض دستیاب ہو سکا اسی ضغطہ و مخمصہ میں ایک مسہری کا چوکھٹا توڑ کر گلا دیا گیا۔ اور باقی ماندہ قیمت ادا کر دی گئی۔

ملکہ کے خزانہ کی نگرانی زنانہ پہرہ داریاں کرتی تھیں اور اس سے متصل ایک اور کمرہ تھا۔ جس کو تہ خانہ کہتے تھے مگر جیسا کہ اس لفظ کا عام مفہوم ہے یہ درجہ زیر زمین نہ تھا جس میں گرمی کی شدت سے محفوظ رہنے کے لئے دن کو آرام کرتے ہیں بلکہ فاضل کپڑوں اور جواہرات وغیرہ کے رکھنے کی جگہ تھی۔ اس تہ خانہ میں ایک بڑا صندوق روپیوں اور اشرفیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس کو تشبیہاً کھپری کہتے تھے۔ یہ صندوق امجد علی شاہ کے والد حضرت محمد علی شاہ نے تنبیہ داکر

Marfat.com

وہاں رکھوادیا تھا تاکہ صرف اشد ضرورت سے وقت اُس سے کام نکالا جائے مگر یہ کل رقم واجد علی شاہ کے زمانہ میں صرف ہوگئی۔

واجد علی شاہ نے اپنی ایک شادی بزمانۂ پادشاہت نواب علی نقی خاں وزیر اعظم کی صاحبزادی نواب رونق آرا بیگم سے کی تھی جن کو اختر محل کا خطاب دیا تھا۔ اس شادی کے بعد بادشاہ اپنے خسر علی نقی خاں کی بہت خاطر تواضع کرنے لگے اور باوجود ملکہ کی فہمائش اور خلاف دستور قدیم ہونے کے ان کو اکثر دربار میں مسند شاہی پر بٹھا لیتے تھے۔ بادشاہ کی اس عنایت و بے تکلفی سے وزیر اعظم کی بیوی کو بڑا گھمنڈ ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ملکہ سے ملاقات کرنے وقت مقررہ سے کچھ قبل آگئیں۔ ملکہ بیدار ہو چکی تھیں مگر ان کو اپنی شان اور دبدبہ کا بڑا خیال تھا اور کسی کی مجال نہ تھی جو اس معاملہ میں خلل انداز ہو سکتا۔ اس لئے اُنھوں نے کہلا بھیجا ابھی ملاقات کا وقت نہیں آیا ہے تھوڑی دیر توقف کیجئے۔ بیگم صاحب کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور برافروختہ ہوکر باآواز بلند کہنے لگیں کیا میں ملکہ کی ماں نہیں ہوں کیا میری بیٹی بادشاہ کو نہیں بیاہی ہے جو اس طرح کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور کئی جملے ادا کئے۔ مگر ملازمین نے جواب دیا اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے ہم لوگ تو ملکہ صاحبہ کے تابع فرمان ہیں، ہم لوگوں سے شکایت بیکار ہے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر بیگم صاحب کو شرف ملاقات حاصل ہوا۔ ملکہ نے بہت اعزاز اور احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا معمولی مراسم ادا ہونے کے بعد بیگم صاحبہ نے ملکہ سے اُن کے ملازمین کی شکایت کی، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ہی اُن کو ایسا حکم دیا تھا اُن کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ نے ادنیٰ ملازموں سے زبان لڑانا پسند کیا۔ اس پر بیگم صاحبہ نے مناسب الفاظ میں معذرت نہیں کی بلکہ بلا اجازت حاصل کئے تیسے میں اُٹھکر چلی گئیں۔ اُسی روز سہ پہر کو ملکہ نے بادشہ سے اس واقعہ کا ذکر کرکے فرمایا کہ جب تک بیگم صاحب اپنی کج خلقی کی معذرت نہ کریں گی میں آیندہ اُن سے ہرگز نہ ملونگی۔ بادشہ نے نائب السلطنت کو طلب کرکے کل ماجرا بیان کیا جس پر دوسرے ہی روز بیگم صاحب ملکہ کے دربار میں حاضر ہوکر معافی کی خواستگار ہوئیں۔

علاوہ دیگر خوبیوں کے وہ نہایت ہی نیک سرشت اور عالی دماغ خاتون تھیں، سلطنت میں اُن کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ ریزیڈنٹ اور اراکین سلطنت بوجہ اُن کی نیک نفسی، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے ان کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ کبھی کبھی بادشہ کو فہمائش بھی کرتی تھیں مگر بہ سبب اُنکی بزرگی، تجربہ کاری و تدبر کے وہ ان کا بہت لحاظ اور ادب کرتے تھے، کبھی کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے۔

ضبطی سلطنت سے قبل ریزیڈنٹ نے ایک کونسل آف ایجنسی یعنی مجلس نظامت قائم کرنیکی تجویز

Marfat.com

پیش کی تھی اس میں والدہ محترمہ بادشاہ سلامت کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ نہایت ہی ہوشمند اور بیدار مغز خاتون ہیں، اور اصلیت بھی یہ ہے کہ بعد الحاق اودھ انھوں نے انگلستان جانے کا جو عزم بالجزم کیا اور باوجود ضعیف العمری کے جس استقلال اور تندہی سے انھوں نے سات سمندر پار جاکر بحالی سلطنت کی جان توڑ کوشش کی وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ریزیڈنٹ نے اُن کی فہم و فراست کا جو اندازہ کیا تھا وہ سرِ مو غلط نہ تھا۔

قبل ضبطی سلطنت ایک عہدنامہ بھی منجانب سرکار انگلشیہ فرمانروائے اودھ واجد علی شاہ کی منظوری کے لئے پیش کیا گیا تھا جس کی رو سے ملکی و فوجی اختیارات قطعی طور پر برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں میں چلے جاتے مگر بادشاہ کا خطاب "شاہ اودھ" قائم رہتا۔ اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ بادشاہ کا مناسب اعزاز و احترام کیا جائے گا۔ اور قصر سلطانی، دلکشا اور بیبیاپور کی املاک میں سوائے سزائے موت صادر کرنے کے ان کو کل اختیارات رہیں گے۔ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ بطور گزارہ ملے گا اور اُن کے یک جدی قرابت داروں کو بسر اوقات کے لئے وثیقہ علیحدہ سے ملیگا۔ جنرل اوٹرم ریزیڈنٹ نے ۳۰۔ جنوری ۱۸۵۶ء کو گورنمنٹ کا منشا نائب السلطنت نواب علی نقی خاں پر ظاہر کر دیا۔ یہ خبر وحشت اثر سنکر وہ بہت حیرت زدہ اور سراسیمہ ہوئے اور شاہان گذشتہ اور حکمران موجودہ کے طرز حکومت میں مقابلہ و موازنہ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اب ہر صیغہ میں اصلاحات ہوگئی ہیں۔ مگر ریزیڈنٹ نے انھیں باور کرایا کہ فوج کا داخلہ ایک ضروری امر ہے اور گورنمنٹ کا منشا پورا ہو کے رہیگا۔

دوسرے روز حسب قرارداد وزیر اعظم نے ریزیڈنٹ سے پھر ملاقات کی اور مسودہ عہدنامہ اور اعلان ضبطی سلطنت پڑھنے کے بعد کہا کہ بادشاہ نے میری معرفت کہلا بھیجا ہے کہ مجھے سرکار انگلشیہ کا خادم تصور کیجئے میں نے اس کے ہر فرمان کی تعمیل کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں۔ اس پر ریزیڈنٹ نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت کو اختیار ہے کہ انگلستان جاکر اس بارہ میں اپنے موافق فیصلہ کرانے کی کوشش کریں مگر جو احکامات صادر ہو چکے ہیں وہ قطعی اور لابدی ہیں، ان میں کوئی ترمیم اور تنسیخ محال ہے۔ پھر وزیر اعظم سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ اعلیٰ حضرت سے کوئی دن مقرر کرائیے تاکہ اُس روز عہدنامہ لیکر میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ یکم فروری ۱۸۵۶ء کو بادشاہ نے ریزیڈنٹ کو ایک درد انگیز خط اس مضمون کا تحریر کیا کہ میں نے کبھی دیدہ و دانستہ کوئی فعل ایسا نہیں کیا جو سرکار انگلشیہ کی برہمی کا باعث ہوتا۔ برخلاف اس کے سرکار کے ادنیٰ سے ادنیٰ خادم کو بھی خوش کرنے کی ہر امکانی کوشش کی گئی اور جو ہدایات منجانب سرکار موصول ہوئیں ان پر پورے طور سے عملدرآمد کیا گیا۔ مثلاً لارڈ ہارڈنگ کی فہمائش کے بعد پورے ملک میں جو نیا

Marfat.com

نظام حکومت جاری کیا گیا وہ روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے چٹھی کے آخر میں نہایت عاجزانہ طریقہ سے ریزیڈنٹ سے یہ بھی التجا کی گئی تھی کہ وہ گورنر جنرل کو سمجھا بجھا کر جدید طرز عمل اختیار کرنے سے باز رکھیں۔

اسی روز جناب عالیہ کی طلبی پر ریزیڈنٹ نے زرد کوٹھی میں اُن سے اس امید پر ملاقات کی کہ وہ نہایت فہمیدہ خاتون ہیں غالباً وہ بادشاہ کو مجوزہ شرائط کے منظور کرنے پر رضامند کر دیں گی بروقت داخلہ صحن دولت سرا میں مجمع کثیر تھا مگر سب لوگ حسب سابق بہت ادب اور اخلاق سے پیش آئے۔ جناب عالیہ بھی بادشاہ کے خطا کی طرح منت سماجت کرنے لگیں، اور کہا آخر یہ بتائیے بادشاہ نے کیا خطا کی ہے جو سرکار اس قدر ناراض ہے اور خاتمہ گفتگو پر زور دیکر التجا کی کہ سرکار تھوڑی مہلت عطا کرے تاکہ اس درمیان میں پورے طور پر اصلاحات عمل میں لائی جائیں اور سرکار کو بھی معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کو ہمارے مشورہ پر عمل کرنے کا کتنا خیال ہے۔ مگر صاحب موصوف نے رکھنے پن سے انکار کر دیا اور ملکہ کو یقین دلایا کہ اگر بادشاہ شرائط عہدنامہ منظور نہ کریں گے تو جو مراعات اُن کے ساتھ کئے گئے ہیں اُن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

۱۲۔ فروری ۱۸۵۶ء کو سلطنت اودھ ضبط ہو کر مقبوضات سرکار میں شامل کر دی گئی، اس کا ملکہ کو بڑا قلق ہوا اور انھوں نے فرمایا میں انگلستان جاؤنگی، وہاں کی ملکہ بھی صاحب اولاد ہیں میں اُن سے ملک سلطنت کی واپسی کی التجا کرونگی۔ یہ سنتے ہی ملازمین اور متوسلین میں سینہ زنی ہونے لگی اور کہرام مچ گیا۔ ملازمین نے عرض کیا سرکار کو تو دریا سے بھی خوف معلوم ہوتا ہے بڑے بڑے سمندروں کو حضور کیسے پار کریں گی مگر ملکہ مصمم ارادہ کر چکی تھیں اور فرمانے لگیں جو کچھ ہو میں جاؤنگی ضرور، اور اُن کے ایما سے بہار النسا اُن کی مصاحب خاص سفر کی تیاری کرنے لگیں جب سامان سفر لیس ہو گیا تو ملکہ چند ملازمین خاص کو ہمراہ لیکر اپنے بیٹے شاہ معزول کے پاس کلکتہ روانہ ہو گئیں، باقی عملہ کو یا جواب دیدیا یا پنشن دیدی گئی۔

ملکہ اور نواب خاص محل میں بعض وجوہات سے رنجش تھی، کلکتہ پہنچکر ملکہ نے خیال کیا کہ زندگی حباب کی طرح ناپائدار ہے۔ اس کا کوئی اعتبار اور بھروسہ نہیں ہو سکتا اس پر اتنا لمبا بحری سفر درپیش ہے۔ اگر انگلستان جانے سے قبل صفائی ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ اسی خیال سے وہ ایک روز نواب خاص محل کے کمرہ میں اچانک چلی گئیں۔ خاص محل نے اُن کو آتے ہوئے دیکھ لیا اور جلدی سے اُٹھکر کمرہ کے باہر چلی گئیں۔ ملکہ نے بہار النسا سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو میں بزرگ ہو کر تو ان کو منانے آئی ہوں اور وہ مجھ سے اعتراض کرتی ہیں۔ انھوں نے میری توہین اور روسیاہی میں کوئی کسر

اٹھا نہیں رکھی ہیں بیٹے تو کبھی ان کو کوئی تکلیف پہونچائی نہ ملال کا موقع دیا۔ یہ سنکر بہار النسا فوراً خاص محل کے ملازمین کے پاس گئیں اور اپنی بہن ملکہ رشک عالم سے بھی سفارش کرائی اور جیسے ہی ملکہ واپس آنے کو مڑی تھیں کہ خاص محل کمرہ میں آکر اُن کے گلے سے چمٹ گئیں اور ساس بہو میں میل ہو گیا۔

ابتدا میں بادشاہ نے خود ولایت جانے کا عزم کیا تھا مگر ان کو ایک ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ طبیبوں نے بحری سفر اختیار کرنے سے منع کر دیا، ملکہ اس وقت بھی اپنے ارادہ پر قائم رہیں اور ۱۰ جون ۱۸۵۶ء کو وہ مع مرزا سکندر حشمت جرنیل صاحب و ولی عہد پرنس حامد علی و مولوی مسیح الدین کاکوروی مختار عام شاہ معزول و بہار النسا وغیرہ انگلستان روانہ ہو گئیں۔ جب ملکہ جہاز پر سوار ہو کر رخصت ہونے لگیں تو یہ سوچکر کہ پھر جیتے جی ملاقات ہو یا نہ ہو وہ اپنے بیٹے شاہ معزول اور اُن کے بچوں سے ملکر بہت ہی زار و قطار روئیں۔ کُل ایک سو دس آدمی اس شاہی قافلہ میں تھے۔ پانچسو صندوق اسباب کے ہمراہ تھے۔ بدقسمتی سے بمقام سویز آدمی کی بغل سے وہ خاصدان سمندر میں گر پڑا جس میں بیش قیمت عدد جواہر بیش بہا جناب عالیہ کے تھے۔ غوطہ خوروں نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔

۲۰۔ اگست ۱۸۵۶ء کو یہ قافلہ لندن میں داخل ہوا۔ کپتان برڈ (Captain Bird) جو زمانہ حکومت واجد علی شاہ میں اسسٹنٹ ریزیڈنٹ تھے وہ الحاق اودھ کے مخالف ہونے کی وجہ سے اب جناب عالیہ کی طرف سے بحیثیت اُن کے سکریٹری کے بحالی مملکت کے لئے پیروی کرتے تھے۔ جناب عالیہ کی ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات بھی ہوئی جو بہت امید افزا تھی مگر شومیِ قسمت کہ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں غدر و ہنگامہ برپا ہو گیا جس سے انگلستان کی مخلوق کو اس قافلہ سے پرخاش سی ہو گئی کہ یہ سب فتنہ و فساد انھیں لوگوں کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ یہ رنگ دیکھکر آفتوں کی ماری اور فلک کی ستائی ملکہ مع اعزہ و ملازمین ملک فرانس کے دارالسلطنت شہر پیرس میں چلی گئیں جہاں شکستہ خاطر ہو کر وہ کچھ دنوں کے بعد بیمار پڑیں اور بصد حسرت و یاس اپنے لواحقین اور ہموطنوں سے دور عالم غربت میں دنیا سے سدھار گئیں اور وہیں اُن کی لاش سپرد خاک کی گئی۔ اُن کی رحلت کے چند یوم کے بعد مرزا سکندر حشمت نے بھی انتقال کیا۔ سلطنت فرانس کی طرف سے اُن کا جنازہ فوجی اعزاز کے ساتھ اُٹھایا گیا، اُن کے بعد اُن کی خورد سال لڑکی رافت آرا بیگم نے بھی انتقال کیا اور دونوں سرزمین فرانس میں دفن کئے گئے۔ بہار النسا مکہ معظمہ زیارت کے لئے چلی گئیں، اور قافلہ کے باقی ماندہ لوگ ناشاد و نامراد ہندوستان واپس چلے آئے۔

Marfat.com

واجد علی شاہ کو ماں بھائی اور بھتیجی کا آگے پیچھے دُور دراز ملک میں ہمیشہ کے لئے بچھڑنے کا جو صدمہ عظیم ہوا اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے گویا جیسے سرپر آرا چل گیا۔

بادشاہ بیگم صاحب محل خاص شاہ زمن غازی الدین حیدر نے شہزادہ مُنا جان کی حمایت میں شاہ نصیر الدین حیدر کے دانت کھٹے کر دیے تھے، مجادلہ اور مقاتلہ تک کی نوبت آگئی تھی مگر ہمت نہ ہاریں۔ لیکن حق یہ ہے کہ جنیسا مردانہ وار مقابلہ مصیبتوں کے سیلاب کا ملکہ کشور نے کیا اور کبر سنی میں جس استقلال اور ثابت قدمی سے بادِ حوادث کے جھونکوں کو آخر وقت تک برداشت کرتی رہیں وہ انھیں کا حصہ تھا۔

ملکہ کے نام کا ایک محلہ کشور گنج وارڈ سعادت گنج لکھنؤ میں لکڑ منڈی سے متصل آباد تھا مگر اب وہ بھی ٹوٹے ہوئے دل کی طرح بالکل اُجڑا ہوا سنسان پڑا ہے۔ مگر ایک نہایت خوبصورت مسجد کشمیری محلہ وارڈ سعادت گنج لکھنؤ میں اُن کی یاد تازہ کرنے کو اب تک موجود ہے۔ ایک مرتبہ اس زور شور کی آندھی آئی تھی کہ اس کے دونوں مینار گر پڑے تھے مگر گنبد اب تک قائم ہیں۔

Marfat.com

کانپور

سری رامچندر جی کے عقیدتمندون کے لیے جو درجہ اجودھیا جی کا اور کرشن جی کے بھگتون کے لیے جو درجہ متھرا یا برندابن کا ہے وہی درجہ شمالی ہند مین لکشمی جی کے پجاریون کے لیے کانپور کا ہے۔ اہل مذہب جو احترام بنارس کا کرتے ہین وہی عزت اس شہر کی اہل تجارت مین ہے۔ کانپور کی تجارتی ترقی کی ایک خاص وجہ ہے۔ گنگا اور جمنا کے درمیان کا دوآبہ ہندوستان کی تاریخ مین ہمیشہ ہی سے مشہور رہا ہے۔ سچ پوچھئے تو کانپور اس زرخیز قطع کا ایک طرح سے دروازہ ہے۔ آجکل یہان پر پانچ ریلوے لائنین آکر ملتی ہین مگر شروع مین بھی بیلگاڑی اور کشتی کے ذریعہ یہان کافی تجارت ہوتی تھی۔ البتہ اُس زمانہ مین کان پور اس وقت کا چوتھائی حصہ بھی آباد نہ تھا محض ایک چھوٹا سا گانون تھا۔

۱۷۵۷ء کے قریب یہان اس نام کی ایک چھاونی قائم کی گئی۔ جو رفتہ رفتہ بڑھنے لگی۔ یون تو یہان اکثر فوجی سپاہی رہا کرتے تھے۔ مگر صوبہ اودھ اور ریاست رامپور کے درمیان واقع ہونے سے انگریزی سرکار کی نگاہ مین سیاسی حیثیت سے بھی اس مقام کی قدر بڑھ گئی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین دور دراز کی دوکانین مستقل طور پر آباد ہونے لگین اور کانپور موجودہ حالت کو پہنچگیا۔ مگر پھر بھی تجارت کی کثیر تعداد دریا ہی ہوتی رہی۔ آج تک گنگا جی کے کنارے پرمٹ گھاٹ موجود ہے۔ جہان کسی زمانہ مین چنگی کی چوکی تھی اور اب بھی ہے۔ یہان سے ہی پرمٹ PEEMIT یعنی پروانہ لیکر مال کی آمدرفت ہوتی تھی۔ اُسی وقت سے اس گھاٹ کا نام پرمٹ ہوگیا ہے۔ اور عوام الناس مین اسی نام سے مشہور ہے۔ ابتو دو چار کشتیان بھلے ہی دیکھنے کو نظر آجاتی ہین

Marfat.com

مگر مال اسباب اور مسافر ریل ہی کے ذریعے آتے جاتے ہین۔ اگر آپ کسی بلند مکان کے اوپر جاکر کھڑے ہوجایئن تو ایک عجیب نظارہ دکھائی دیگا۔ جابجا درختون مین منھہ چھپائے ہوئے سفید سفید بنگلے نظر آیئن گے۔ ایکطرف گنگا جی بہ رہی ہین تو دوسری جانب درختون اور ملون اور کارخانون کی چمنیون کے دھویئن کے سیاہ سیاہ بادل دکھائی دیتے ہین جو ہر چہار طرف شہر بھر مین پھیلے رہتے ہین اندر چلکر تنگ گلیون اور راستون کو ملاحظہ کیجیے تو طبیعت پریشان ہوجائیگی۔ ایسٹ انڈین ریلوے یا اودھ روہیلکھنڈ اسٹیشن سے آپ ٹرام گاڑی مین بیٹھکر تھوڑی دیر مین شہر کے اندر داخل ہوجاتے ہین۔ شمالی ہند مین دہلی کانپور مین ہی ٹرام گاڑیان چلتی ہین۔ یہان کی گاڑیون مین ٹرام ہی سب سے سستی ہے۔ پہلے تو آپکو کچھ لکڑی کے ٹال اور چھوٹے چھوٹے مکانات ملین گے بعد اسکے اناج کی منڈی نظر آئے گی۔ جہان سڑکون پر ہر دم میلہ سا لگا رہتا ہے کانپور کی اصلی حالت اسی مقام پر نظر آتی ہے شہر بھر مین اتنے یکے تانگے گاڑیان موٹرین چلتی رہتی ہین کہ صفائی کا کافی انتظام ہونا دشوار ہی رہتا ہے سڑکون کی حالت ابھی تک عام طور پر خراب ہی رہتی ہے۔ خصوصاً برسات مین تو اب بھی وہی کیفیت نظر آتی ہے جسکا خاکہ سرور مرحوم اپنے فسانے مین اُڑا گئے ہین۔ بہرحال اسوقت جو گرد اُڑتی ہے وہی برسات مین کیچڑ بنکر مسافرون کی خبر لیتی ہے۔ البتہ جاڑون مین سڑکین کچھ بہتر رہتی ہین شکر یہی ہے کہ یہان سواریون کی قلت نہین۔ یکون اور ٹانگون کی تو ایک علیحدہ انجمن بھی قائم ہوگئی ہے۔

کانپور کی خاص بات یہ ہے کہ یہان عموماً ہر چیز کے خرید و فروخت کے لیے جُدا جُدا بازار ہین چٹائیون تک کے لیے چٹائی محال ہے۔ ایک بڑا بازار بھی لگتا ہے جہان آپ آیئن سے لیکر چارپائی تک ہر قسم کی ضرورت کی شے کفایت کے ساتھ خرید سکتے ہین۔ کپڑے کی تجارت جنرل گنج اور چوک مین ہوتی ہے۔ کپڑے اور روئی کی بہت سی ملین ہین بمبئی۔ اور کلکتہ کو چھوڑکر ہندوستان بھر مین کپڑے کی تجارت کا اتنا بڑا اور کوئی دوسرا مرکز نہین ہے تاہم اس شہر مین جدید

Marfat.com

ترقی کا سامان بہت کم ہے۔ حضرت گنج اور دوسرے مقامات میں آپ کو اب بھی ہر چیز سترہویں اٹھارہویں صدی کی معلوم ہوگی۔ دوکانوں میں مالک گدی لگا کر بیٹھے رہتے ہیں بغل میں ان کے منیب بیٹھے بہی لکھا کرتے ہیں جسمیں سوختہ کی جگہ بالو اب تک کام میں آتی ہے۔ سودا کرنے میں بڑی کھٹکھٹ کرنا پڑتی ہے۔ مول تول کسی حد تک تو کم ہو گیا ہے لیکن ابھی تک قطعی بند نہیں ہوا۔

چوک کے علاوہ نئے فیشن کی چیزیں مسٹن روڈ میں ملتی ہیں جسکا دوسرا نام اسے۔ بی روڈ بھی ہے۔ جن صاحبان نے لکھنؤ کا امین آباد پارک دیکھا ہے وہ مسٹن روڈ کی تصویر آسانی سے پیش نظر کر سکتے ہیں۔ فرق صرف یہی ہے کہ امین آباد میں ایک وسیع پارک ہے اور یہاں صرف ایک چوڑی سڑک۔ اسکے دونوں طرف اچھے اچھے یکساں نمونے کے مکانات بنے ہوئے ہیں جنمیں زیادہ تر دوکانیں ہیں۔ چمڑے کا سامان کثرت سے یہاں ملتا ہے اور یوں تو ہر ضرورت کی چیز دستیاب ہو سکتی ہے۔ کہیں گھڑیاں بکتی ہیں کہیں ہیٹ اور سائیکل کی دوکان ہے۔ دوسری طرف بال کاٹنے کے سیلون۔ اور کپڑے سینے کی دوکانیں ہیں۔

مسٹن روڈ کے علاوہ ایک اور خوبصورت سڑک مال روڈ ہے۔ گرمی کے دنوں میں شام کو اکثر لوگ خراماں خراماں چہل قدمی کرتے نظر آئینگے۔ شام کو چار بجے کے بعد اسپر لکوں کے چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے اسپر ٹھنڈک اتنی رہتی ہے کہ اسکا دوسرا نام ٹھنڈی سڑک پڑ گیا ہے۔ شام کو اس سڑک پر کاروں اور موٹروں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ راستہ میں ہی میموریل ایل ہے۔ پاس ہی پاس سرکاری تار گھر اور کرنسی گھر ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بلوہ میں کانپور کو کافی شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ بارک پور اور میرٹھ کے بعد یہیں آفت آئی تھی۔ ایک مشہور انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ "کان پور میں جو بدعتیں اور مظالم ہوے ان کی نظیر دوسرے مقامات میں نہیں ملتی ہے"۔

بلوہ کے خاص سرغنہ نانا صاحب یہاں سے سولہ میل دور بٹھور میں رہتے تھے

Marfat.com

جب ہر چہار طرف غدر پھیل گیا، اور کانپور پر نانا صاحب نے اپنا قبضہ جما لیا تو یہاں کے انگریزون نے ان سے التجا کی کہ ہمین الہ آباد بھیج دیجئے۔ جب تین کشتیون مین وہ سوار ہوکر روانہ ہوئے تو گنگا جی کے کنارے ہی نانا صاحب کے کچھ سپاہی رہتے تھے انھون نے کشتیون پر گولیان چلائین۔ کھلبلی مچلگئی اور کشتیان ڈوب گئین۔ قصہ مشہور ہے کہ بچے ہوئے میمون اور بچون کو نانا صاحب نے بڑی بے رحمی سے ایک ایک کو قتل کرکے کنوئین مین ڈلوا دیا جواب بند کر دیا گیا ہے اور میموریل ویل کے نام سے مشہور ہے۔ ایک بہت بڑا باغ ہے جسکے اندر یہ کنوان بنا ہے۔ ہندوستانیون کو اسکے اندر جانے کے لیے بھی اجازت لینا ہوتی ہے اور پانچ چھ سے زیادہ تعداد مین لوگ اندر نہین جا سکتے۔ چھوٹے بچے بھی نہین جانے پاتے۔

جہان سے نانا صاحب کے سپاہیون نے گولی چلائی تھی وہ اب بھی میسیکر گھاٹ MASSACREGHAT ہی کے نام سے مشہور ہے وہان ایک چھوٹا سا مسمار شدہ مندر ہے جسکی مورت اُڑا دی گئی ہے۔ یہ جگہہ بہت سنجیدہ اور سنسان ہے اکثر انگریز اب بھی دور دور سے اسکو دیکھنے آتے ہین۔

ٹھنڈی سڑک پر بہت سی انگریزی دوکانین ہین۔ اور سامنے ہی وکٹوریا پارک ہے جسے پھول باغ بھی کہتے ہین۔ پارک کافی لمبا چوڑا ہے درمیان مین شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار مین ایک میموریل ہال بنا ہوا ہے جو لڑائی کے زمانہ مین بطور اسپتال استعمال کیا جاتا تھا۔ سڑک کے پاس ہی ملکہ معظمہ کی اونچی مورت ہے اس سے اور آگے دریا کی طرف فوج کی چھاونی ہے ایڈورڈ میموریل ہال کے بغلین ہی یونین کلب کی عمارت ہے۔

شہر کے اندر بہت سی تنگ و تاریک گلیان ہین۔ ایسے ہی ایک تنگ راستہ مین جینون کا مشہور شیشہ کا مندر ہے۔ تمام دیوارون مین شیشہ ہی شیشہ جڑا ہوا ہے اور تمام مندر نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ کانپور مین یون تو مندر بہت سے ہین لیکن سب سے مشہور کیلاش اور بیکنٹھ نام کے دو بڑے بڑے مندر سٹن روڈ کے پاس ہی واقع ہین سٹن روڈ مین شہر کا سب سے بڑا دار المطالعہ ریڈنگ روم بھی ہے جو شہر کا

Marfat.com

بنا ہوا ہے اور گیا پرشاد لائبریری اور ریڈنگ روم کے نام سے مشہور ہے۔ کانپور مین بعض بڑے بڑے اوقاف ہین - لالہ گیا پرشاد کا وقف بھی انھین مین سے ایک ہے اسکے سرمایہ سے ایک انداہ بیت اور دھرم شالا بھی قایم ہے شہر مین مسافرونکے آرام کیلئے بعض اور بہت بڑی بڑی عالیشان دھرم شالے ہین جسمین لالہ چھن لال جی کا دھرم سالہ واقع لاٹھی محال اور لالہ اننت رام کا دھرم شالہ واقع فیلخانہ محال بہت مشہور ہین

شہر کی اصلاح و توسیع کے لیے امپرومنٹ ٹرسٹ بھی قایم ہے جسمین گورمنٹ کے لکھوکھا روپیہ صرف ہو چکے ہین۔ لیکن جسکا فائدہ ابھی پورے طور سے شہر کو نہین پہنچ سکا ہے۔ آجکل اسکے صدر شہر کے ایک معزز رکن رائے بہادر بابو انند سروپ ہین شہر کے اندر کی بستی بہت گھنی ہے اور چمڑے کی تجارت کی وجہ سے گندگی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ مگر باوجود اسکے شہر اتنا گندہ نہین ہے۔ جتنا کہ لوگ خیال کرتے ہین - گندہ محلون کے بہت سے مکانات گرا کر از سر نو تعمیر ہو رہے ہین۔ اور گلیونکی بھی بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے بجلی کی روشنی تو جیسی کانپور مین ہے ویسی بہت کم شہرون مین ہوگی۔

کچھ لوگ کہہ بیٹھتے ہین کہ کانپور قلیون اور کلرکون کا شہر ہے۔ اس سے شاید انکی مراد ہے کہ یہان علم ادب کا بہت کم چرچا ہے لیکن اگر کسی وقت یہ قول صحیح بھی ہو تو اب کانپور بہت تیزی سے اس کمی کو پورا کر رہا ہے۔ کئی محلون مین اچھے اچھے ریڈنگ روم اور لائبریریان قائم ہین۔ مسلم ریڈنگ روم۔ اگروال ریڈنگ روم۔ آریہ سماج ریڈنگ روم۔ مارواڑی ریڈنگ روم۔ نوجوان پستکالے۔ خاص طور پر قابل ذکر ہین۔

کانپور مین اخبارون کی تعداد بھی کافی ہے۔ ہندی کے ورتمان اور بھوشیہ روزانہ اخبارون مین ہین۔ ہفتہ وار پرچون مین ہندی کا پرتاب قابل ذکر اخبار ہے۔ اُردو کا قدیم ترین رسالہ زمانہ یہین سے نکل رہا ہے اور چودہ سال سے کارکنان زمانہ کے زیر اہتمام "آزاد" نام سے اُردو کا ایک عمدہ ہفتہ وار اخبار بھی جاری ہے۔ مسلمانون کا ایک روزانہ پرچہ "صدائے مسلم" کے نام سے کچھ عرصہ سے نکل رہا ہے۔ اور کئی سال سے "البرید" نامی ایک ہفتہ وار اخبار بھی شایع ہو رہا ہے۔ اُردو کے دو دیگر پرچے آریہ درت صداقت "کرشن بھی ہفتہ وار نکلتے ہین۔ ہندی کا تو یہان مرکز ہی ہے۔ کھڑی بولی اور برج بھاشا

Marfat.com

دونون کا یہان کافی رواج ہے اکثر اُردو ہندی مشاعرے بھی ہوا کرتے ہین۔ رسک سماج اور ساہتیہ منڈل نام کی دو ادبی مجلس ہندی شعرا کی قائم ہین۔ ہندی کے کئی اچھے ادبی پرچے متورنجن۔ استری درپن وغیرہ بھی یہان شائع ہوتے ہین۔

کان پور مین اسکولون اور کالجون کی بھی تعداد روز افزون ترقی کر رہی ہے گورنمنٹ ہائی اسکول سب سے پُرانا اسکول ہے اور اب بھی اسمین طلبا کی بہت زیادہ تعداد ہے پنڈت موتی لال نہرو اور راجہ پرمانند صاحب مرحوم اسی کے پُرانے طالب علم تھے۔ دیگر اسکولون مین خاص طور پر قابلِ ذکر پنڈت پرتھی ناتھ ہائی اسکول۔ گور نرائن کھتری ہائی اسکول دیانند ہائی اسکول۔ بشمبھر ناتھ سناتن دھرم ہائی اسکول، کانکج ہائی اسکول۔ مارواڑی دویالہ اور حلیم مسلم ہائی اسکول جو بہ نہایت خوبی اور کامیابی سے چل رہے ہین بعض نے خاص طور پر عمارتین بنالی ہین۔ لڑکیون کی تعلیم کے لیے بالکا ودیالہ کے علاوہ کئی اور چھوٹے موٹے اسکول ہین۔ کالجون مین صوبہ کا سب سے ضروری کالج زراعتی کالج کانپور ہی مین شہر سے کچھ فاصلے پر ہے۔ مگر تعلیم محض انگریزی طریقہ سے ہوتی ہے۔ جسکی وجہ سے طلبا، تعلیم پاکر ملک کو کچھ زیادہ فائدہ نہین پہنچا سکتے ہین۔ اس کالج مین زراعت کی عملی تعلیم بھی دیجاتی ہے۔ اور گنگا کی نہر سے آبپاشی کا نمونہ بھی دکھایا جاتا ہے۔ اور روئی وغیرہ کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ دوسرا کالج شہر کے باہر سناتن دھرم کمرشل کالج ہے۔ جو صوبہ مین اپنے قسم کا پہلا اور بہترین کالج ہے۔ اسکی عالیشان عمارت ابھی بنکر تیار ہوئی ہے۔ اگر صوبہ متحدہ مین کبھی کوئی ٹکنالوجیکل یونیورسٹی قائم ہوئی تو کانپور ہی مین اُسکا مرکز رکھنا پڑیگا۔ دیانند انگلو ویدک کالج نے بھی چند ہی سال مین شہرت حاصل کرلی ہے۔ اسکے طلبا، یونیورسٹی امتحانات مین خوب پاس ہوتے ہین۔ کرائسٹ چرچ کالج کان پور کا قدیم ترین کالج ہے۔ پہلے ایم۔ اے تک کی تعلیم ہوتی تھی مگر اب صرف ایف اے تک رہ گیا ہے اور انٹرمیڈیٹ کالجون مین خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ سائنس کی اعلےٰ تعلیم و تجربات کے لیے لوکل گورنمنٹ نے ٹکنالاجیکل انسٹیٹیوٹ بھی کانپور مین قائم کیا ہے جہان یونیورسٹی کے منتخب ڈگری یافتہ طلبا کو بیش قرار وظائف دیکر اعلےٰ سائنٹفک

Marfat.com

تعلیم دیجاتی ہے گورنمنٹ صوبہ نے چمڑے کے کاروبار کی تعلیم کے لیے بھی اسکول قائم کیا ہے اور بنگالی وغیرہ کے بھی اسکول ہین۔

WOOLLEN MILLS

ملون اور کارخانون کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ لال املی یا کا کارخانہ ایشیا بھر مین اونی کپڑے کا سب سے بڑا کارخانہ ہے اور اسمین کئی ہزار مزدور روزانہ کام کرتے ہین اور پچاس لاکھ سے زیادہ سرمایا لگا ہوا ہے۔ مزدورون کے لیے رہنے کا علیحدہ انتظام ہے اور ان کی ایک علیحدہ بستی بن گئی ہے۔ جسکا نام میکرابرٹگنج ہے۔ گذشتہ جنگ مین اس کارخانے نے سرکار کی بڑی مدد کی تھی۔ شہر کے مشہور رئیس سیٹھ کملاپت نے بھی مل کھولی اور ان کے بھائی بابو بانکے لال نے ایک اولن مل جاری کی ہے۔ دونون کارخانے اچھی طرح چل رہے ہین اور عنقریب ہی ترقی کرینگے۔

کانپور کے اردگرد روئی کافی پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے کاٹن مل کے علاوہ ایلگن مل۔ وکٹوریا مل اور میور مل وغیرہ بہت سے عظیم الشان مل چل رہے ہین۔ معمولی دھوتی کے کپڑے ہی نہین بلکہ دریان اور خیمے وغیرہ بھی یہان بکثرت بنتے ہین اور ہر قسم کا نفیس سے نفیس سوتی کپڑا تیار ہوتا ہے۔

کپڑے کی تجارت کے بعد چمڑے کا نمبر آتا ہے۔ یون تو شہر مین گلی گلی مین بوٹ جوتی وغیرہ بنتے ہین۔ مگر سب سے بڑا کارخانہ کوپر ایلین COOPER ALLEN ہے

چمڑے کے کاروبار کی وجہ سے کانپور کی گندگی بہت کچھ زیادہ ہو گئی ہے اس تجارت کی ساری غلاظت گنگا جی مین جا کر جمع ہوتی ہے۔ شاید اسلیے پرانی کتابون مین لکھا ہے کہ کلجگ مین گنگا جی کا مہاتم ختم ہو جائیگا۔ خان بہادر حافظ محمد حلیم چمڑے کے بہت بڑے سوداگر ہین۔ ان کی ٹینری بھی مشہور ہے۔ اور ان کے ذات سے شہر کو فیض بھی پہنچا ہے۔

شکر کی بھی تجارت یہان کچھ کم نہین اسکی کمپنیون مین بیگ صدرلینڈ BEG SUTHERLAND نام کی کمپنی سب سے بڑی ہے۔ اسکی کئی ملین صوبہ بہار اور گورکھپور کے ضلع مین ہین۔ یہان اسکا صدر دفتر ہے۔

تھوڑی دور پر راوت پور اسٹیشن کے پاس اور کئی چھوٹی ملین ہین۔ کانپور کی

تجارتی دنیا مین ہندوستانیون مین لالہ کملا پت جگی لال۔ لالہ نرائن داس اور مسٹر جی پی سریواستو یہ بڑا کام کررہے ہین۔ ولایت مین کئی سال رہکر وہان سے اعلے امتحانات پاس کرکے آجکل آپ نے ایک بہت مفید اور نئے طرز کی ۔ انڈین ٹرپنٹائن اینڈ روزن کمپنی کے نام کی ایک کمپنی کھولی ہے

کانپور کی سیاسی دنیا مین ڈاکٹر مراری لال۔ رائے بہادر بابو بکرماجیت سنگھ اور رائے بہادر بابو آنند سروپ کا نام مشہور ہے۔ بابو بکرماجیت سنگھ صاحب سناتن دھرم کے اور رائے آنند سروپ صاحب آریہ سماج کے صدر ہین۔ ڈاکٹر صاحب نے غریب مزدورون کی بڑی مدد کی ہے۔ مزدورونکا سوال کانپور مین بڑا پیچیدہ سوال ہے۔ انکی تعداد بھی اسوقت تقریبًا پچاس ہزار ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک مزدور سبھا قائم کی ہے۔ گرچہ کام مغربی ملکون مین ہورہا ہے وہ ابھی باہمی میل اور عام تعلیم نہونے کیوجہ سے یہان نہین ہوسکتا۔ اسکے لیے ٹریڈ یونین کی بڑی ضرورت ہے۔

روسا مین رائے بہادر بابو بشمبھر ناتھ صاحب بڑے فیاض رئیس ہین۔

کانپور کی ادبی دنیا مین منشی دیا نرائن نگم اور گنیش شنکر ودیارتھی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے

رام اگیان دویدی

Marfat.com

الہ آباد

صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا مستقر حکومت الہ آباد ہندوستان کے مشہور اور نہایت قدیم شہرون سے ہے۔ اسکے ساتھ اِس لحاظ سے کہ اِسی مقام پر مرحوم ایسٹ انڈیا کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہا گیا اور یہا سے ساتھ ہین لارڈ کیننگ نے حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند وکٹوریہ کے عنان حکومت اختیار کرنے کی یادگار مین یکم نومبر ۱۸۵۸ء کے مشہور و معروف اور عفو خطا بخشی۔ مساوات۔ مذہبی آزادی اور عدم الحاق کے شاہانہ مواعید سے لبریز۔ اعلان کے ذریعہ قائم کی تھی تاریخی دلچسپی اور سیاسی عظمت وابستہ ہے

الہ آباد ایک بہت بڑا سول اور فوجی مقام ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً ۳۱۶ فیٹ بلندی پر واقع ہے اور دریائے گنگ و جمن کے سنگم پر آباد ہے۔ اِسی سبب سے اہل ہنود اس کو بہت مقدس مانتے ہین۔ جغرافیائی حیثیت سے بھی اسکا موقع بہت نفیس ہے۔ قدرتی حدود کا استحکام۔ لطیف آب وہوا جنگی فوائد یہی تمام باتین گویا اس شہر مین پراونشل گورنمنٹ کا دار السلطنت اور ایک بڑی فوجی چھاونی کے قائم کرنے کے موافق ثابت ہوئین ہیبر کا بیان ہے کہ الہ آباد نے جو موقع غیر مرطوب وصحت بخش خطہ مین دو عظیم الشان دریاون کے ملنے کی مثلث نما جگہ پر پایا کہ اُس سے موزون تر ہندوستان مین ملنا غیر ممکن تھا۔ اور وہ اِس حد تک مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ کہ تقریباً بالکل ناقابل تسخیر ہو جائے۔ صوبجات متحدہ مین الہ آباد دوسرا بڑا شہر ہے۔ از روے مردم شماری ۱۹۰۱ء اِسکی آبادی ۱۷۲۰۳۲ ہے۔ کلکتہ سے اِس کا فاصلہ ۵۱۴ اور بمبئی سے ۸۴۴ میل ہے۔ اور ملک کے مختلف حصص سے بذریعہ ریلوے ملا ہوا ہے

الہ آباد اس اعتبار سے بھی کہ ہندوستان کے قدیم ترین شہرون مین سے ہے ایک تاریخی جگہ ہے اسکا پورانا نام پریاگ ہے۔ اور راسخ الاعتقاد ہندؤن مین یہ اب تک اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے کئی صدیون سے یہ قطعہ جہان دو دریاؤن کا اتصال ہوتا ہے۔ مقدس مانا جاتا ہے۔ عام خیال کے مطابق سرسوتی جو پنجاب کے جنوب مغرب جانب ریگستان سرہند مین چھپکر زمین کے اندر بہنے لگتی ہے۔ اِس جگہ پھر سطح زمین پر نمودار ہوکر گنگا و جمنا سے ہمکنار ہوتی ہے۔ اِسی باعث سے اِس مقام کو تربینی کہتے ہین۔ اِس مین کلام نہین کہ اِس پوشیدہ دریا کو کسی ساتھی نہین دیکھا لیکن مارک ٹوین کے قول کے مطابق اِسکی چندان ضرورت نہین کیونکہ شہرت اِسکی حقیقت کی کافی دلیل ہے۔ دوسرے دریاؤن

Marfat.com

اتصال پر وسعت و مقدار مین تقریباً برابر ہین گنگا کا پانی عمیق ہونے سے زردی مائل ہے۔ اور وہ جمنا کے سبزی مائل نیلے۔ رنگ کر پانی سے جو تیز رو اور اتھل ہے۔ زیادہ ہلکا۔ چمکدار اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ ہندوستان کے نہایت ابتدائے حصہ مین اس سنگم پر کسی شہر یا کم از کم کسی قلعہ کا موجود ہونا موہوم سا پایا جاتا ہے۔ مسٹر ٹالبایز وہیلر (TALBOYS WHEELER) اپنے و لولہ خیز اور دلپسند محض واقعات قدیم ہند مین اس جگہ کی نسبت یون تذکرہ کرتے ہین۔

تمام ہندوستان مین نہایت باوقعت جگہہ الہ آباد ہے جس کا پراگ قدیمی نام ہے ویدی رشی لوگ اپنے عالم خیال کی دلچسپیون اور روحانی گرم جوشی سے متاثر ہو کر ان دیوتا دریاؤن کے ملاپ کی جگہہ پر خلوص عقیدت کے ساتھ آتے تھے۔ ایسی جگہہ آریہ چھتری لوگ جو فنون حرب مین کامل تھے۔ اُن کے ہاتھون ایک قلعہ کا تعمیر کیا جانا پایا جاتا ہے۔ جسکے اثر سے بالائے گنگ دھین کی کل وادیان مفتوح ہوگئی تہین۔

ٹاڈ کے بیان کے بموجب راجستان کے روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پریاگ راجپوتون کا قدیم شہر ہے۔ خود اُسکے الفاظ حسب ذیل ہین۔

یادو خاندان جیسلمیر کے مورخانہ حالات سے پراگ کے گنگا و جمنا کے سنگم پر آباد ہونے کی قدامت معلوم ہوتی ہے۔ پراسو پراگ کے پورؤن کی اولاد مین تھے۔ سلیوکس کے سفیر کی حیثیت سے میگستھنس پراگ مین آیا تھا"

ٹاڈ نے گویا یہ باتین اُسوقت لکھی ہین جبکہ علم نسل انسانی اپنے شباب پر تھا۔ وہ طبعًا بہت سریع الاعتقاد اور گفتگو پسند بھی تھا۔ لیکن اُسے راجپوتون کے حالات سے کماحقہ آگاہی تھی اور اسکی تصنیف خود اُسی کے الفاظ مین فی الحقیقت "آیندہ مورخ کے لیے واقعات کا عمدہ مجموعہ ہے" تقسیم برائن کوئی وجہ اس مین شک کرنے کی نہین ہے کہ ملکت مقدونیہ کے زمانہ مین اس جگہہ پر جہان دونون دریا آکر ملتے ہین ایک شہر آباد تھا۔ مسٹر وہیلر کا یہ بیان صحیح ہے کہ ویدک آریون کے زمانہ سے آجتک کبھی ایسا نہین ہوا کہ پریاگ ہندوستان مین نہایت متبرک مقام نہ شمار کیا گیا ہو۔ یہ خوشی کا گھر ہے یہان تانبے کا ایک پیسہ خیرات مین دیدینا ایسا ہے جس طرح کسی اور مقام پر ایک لاکھ خرچ کر دینا۔

الہ آباد کی سب سے زیادہ قدیم یادگار ستون اشوک ہے جو آجکل قلعہ مین استادہ ہے۔ اور جس کی نسبت کئی ایک قراین سے یقین ہوتا ہے کہ اسے شاہنشاہ اشوک اعظم نے موجودہ موقع سے کسی قریب جگہہ پر تیار کرایا ہوگا میگستھنس نے حضرت مسیح سے تین صدی قبل اور ہوئنسانگ نے جو مذہب بودہ کا ایک عالم تھا

Marfat.com

ساتوین صدی عیسوی مین اس شہر کو دیکھا ہے۔ موخرالذکر نے پریاگ کو زیادہ تر ملحدون "یعنی اُن ہندؤن" سے جو اس مقام کو مقدس مانتے تھے۔ آباد پایا یہ چینی سیاح سلاجیت کے جشن کے موقع پر الہ آباد مین موجود تھا۔ قیاس ہوتا ہے کہ جس مقام پر اسوقت اکبر کا قلعہ ہے یہین ہندؤن کا ایک محل تھا جس کے مصالحہ سے مغلون کی اس شاہنشاہ نے اپنا قلعہ تیار کرایا جو کسی زمانہ مین نہایت عالیشان تھا۔ لیکن جسکی اب موجودہ مذاق کے مطابق بہت کچھ ترمیم کردی گئی ہے۔ اُسی وقت سے یا اسی عہد مین پریاگ کا نام الہ آباد رکھا گیا ہے) صوبہ کا دار السلطنت بن گیا عہد اکبر کے آخری حصہ مین شاہزادہ سلیم جو بعد مین شاہنشاہ جہانگیر ہوا اس قلعہ مین گورنر صوبہ کی حیثیت سے قیام پذیر رہا۔ اٹھاروین صدی مین اس شہر کو ان انقلاب سے سابقہ پڑتا رہا۔ جو زوال سلطنت مغلیہ کے تباہی خیز زمانے مین بالائے ہند کے لیے معمولی بات ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۷۴۳ء مین یہ شہر اور اس صوبہ کی حکومت عبد المنصور خان صفدر جنگ نواب اودھ (جسکا مقبرہ دہلی مین منجملہ عظیم الشان یادگارون کے شمار ہوتا ہے) کے ہاتھ آئی سنہ ۱۷۶۴ء مین جنگ بکسر کے بعد جو انگریزون اور نواب اودھ سے ہوئی الہ آباد اور ملحقہ مقامات نواب کے احاطہ حکومت سے نکلکر شاہ عالم ثانی کے جو خاندان مغلیہ کا برائے نام فرمانروا تھا قبضہ مین آگئی۔ چند سال کے بعد شاہ عالم نے عملداری الہ آباد مرہٹون کے حوالہ کردی۔ اس حرکت سے انگریزون کو گمان ہوا کہ اُن کے ساتھ دغا کی گئی ہے اور انہون نے ۵۰ لاکھ کے عوض نواب اودھ کے ہاتھ اسے فروخت کردیا سنہ ۱۸۰۱ء مین یہ شہر اور صوبہ نواب نے انگریزون کے تفویض کردیا اور جبھی سے اسکی قسمت کی اُلٹ پھیر کا گویا خاتمہ ہوگیا۔ سنہ ۱۸۳۴ء مین ممالک مغربی و شمالی کا دار السلطنت صوبہ بنائے جانے پر الہ آباد اس جدید صوبہ سلطنت کا مستقر حکومت قرار دیا گیا سنہ ۱۸۳۶ء مستقر حکومت آگرہ کردیا گیا۔ سنہ ۱۸۵۸ء مین غدر کا خاتمہ کے بعد الہ آباد پھر ممالک مغربی و شمالی کا دار السلطنت بنایا گیا اور سنہ ۱۸۷۷ء مین الحاق اودھ کے بعد الہ آباد ہی قدرتی طور پر صوبجات متحدہ کا دار الحکومت بنا۔ اور اب تک اسکا یہ اعزاز قائم ہے۔ مسٹر کین فرماتے ہین کہ اگرچہ نہ اُسکو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نہ بطور تجارتی منڈی کے اس کی کوئی وقعت ہے لیکن فوجی فوائد اس سے بہت وابستہ ہین۔ اور جو روپیہ کہ یہان کے پبلک دفاتر کی تیاری مین صرف ہوا ہے اُس کا خیال دائمی طور پر اس شہر کو دار السلطنت ہونے کی خصوصیت سے محروم کرنے مین مانع رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلقداران اودھ کی کوشش کے باوجود بھی لکھنو صوبہ کا صدر نہ قرار پاسکا۔ اور حال مین ہمارے موجودہ لفٹنٹ گورنر صاحب کو بھی کہنا پڑا کہ بجائے صدر حکومت مین کوئی تغیر و تبدیل نہوگا۔

سنہ ۱۸۲۴ء مین جب ہیبر نے الہ آباد کی سیاحت کی تھی تو اُسنے اس شہر کو بہت مختصر۔ یہان کے

مکانات کو بالکل ردی حالت میں اور میان کے راستون کو بہت ہی تنگ اور بے قاعدہ پایا تھا" اُس کے بعد سے اب تک میان بہت سی ترقیات ہوگئی ہین اور اب شہر کی وقعت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے اگرچہ اِس ہندوستانی شہر مین خصوصیت سے کوئی دلچسپ بات قابل تذکرہ نہین ہے تاہم بالائے ہند کے اکثر شہرون سے اِسکا ترجیحی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ الہ آباد کی سول آبادی کا حصہ اُسی کے لیے چار چاند ہے جو آگرہ سے دار الحکومت کے منتقل ہونے کے بعد امریکن وضع پر بنایا گیا ہے۔ الہ آباد کے تمام سیاح اس حصہ کی پاکیزگی وصفائی اور دلفریبی دیکھکر متحیر ہو جاتے ہین۔ اِس حصہ کو حضور لارڈ کیننگ کے نام پر جو ہندوستان کے اول وائسرائے ہوئے ہین اور جن کے قابل یادگار عہد حکومت مین اس آبادی کی بنا پڑی جسکو کیننگ ٹاؤن کہتے ہین اور اس کا مترادف عوام کی زبان مین کننگٹن ہے۔

سول اسٹیشن نہایت عمدگی کے ساتھ اُن تمام پبلک عمارتون سے معمور ہے۔ جو ایک صوبہ کے صدر مقام کا ضروری جزو سمجھے جا سکتے ہین۔ چار عمارتین دو منزلہ نفیس وضع کی ہین۔ جن کا بیرونی حصہ پتھر کا ہے ۱۸۷۰ء مین ۱۳ لاکھ کے صرف سے تعمیر کی گئی ہین۔ سڑک کے ایک طرف کے مکانات مین ہائی کورٹ اور بورڈ آف ریونیو کے دفاتر ہین۔ اور دوسری جانب گورنمنٹ سکرٹریٹ اور اکونٹنٹ جنرل کی کچہریان ہین۔ اِسی سے ملحق یک سلسلہ عمارات ہے جسمین گورنمنٹ پریس ہے میمو ریل ایک عالی شان اور ایک مینارے پر مشتمل ہے جسکا ارتفاع ۱۸۰ فیٹ ہے۔ اُس کا اندرونی حصہ نفیس نقش و نگار سے جو سوتھ کنگسٹن میوزیم کے پروفیسر گیمبل کا عطیہ ہین مزین ہے۔ یہ ٹاور ہال پبلک جلسون کے انعقاد اور تھیٹر کے تماشون کے کام آتا ہے۔ اِسپر دو لاکھ روپیہ جو لارڈ میو کی یادگار کے واسطے پبلک اور پرائیوٹ چندون سے حاصل کیے گئے تھے صرف ہوئے ہین لارڈ موصوف کا ایک [illegible] بیان رکھا ہوا ہے۔ اِس کا افتتاح لارڈ لٹن نے کیا تھا۔

میور سنٹرل کالج شمالی ہند کی مشہور ترین تعلیم گاہون مین سے ہے۔ اُس کا سنگ بنیاد لارڈ نارتھ برک کے ہاتھون ۱۸۷۳ء مین رکھا گیا ہے۔ یہ عمارت چوگوشیہ بنائی گئی ہے۔ اِسکے جنوب مین ایک بہت بڑا خوبصورت ہال ہے جسمین الہ آباد یونیورسٹی کے کانووکیشن کے جلسے ہوتے ہین اُسکے اوپر ایک بھاری گمبد بنا ہے جسکے کنارہ پر ایک اونچا ٹاور ہے۔ اِسکی چوٹی پر سے نہایت دلکش نظارہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ عمارت مخلوط ہندی و اسلامی وضع کی ہے۔ اور اِسپر تقریباً ۱۰ لاکھ کی رقم خرچ ہوئی ہے۔ ہال مین سرولیم میور کا جو صوبہ ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے اور جن کے نام سے یہ کالج موسوم ہے ایک بُت رکھا ہوا ہے۔ ایک اور باقی ماندہ عمارت جو قابل سیر کے ہے۔ تھارن ہل مین موریل ہے۔ جسمین پبلک لائبریری ہے یہ آلفرڈ پارک مین واقع ہے۔ اور قریب دو لاکھ کے صرف سے ۱۸۷۸ء مین تکمیل کو پہونچی تھی۔ آلفرڈ پارک ۱۸۷۰ء مین حضور

Marfat.com

قیصر ہند جارج پنجم کے عم مکرم ڈیوک آف اڈنبرا آنجہانی کو جو خاندان شاہی مین سے سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے سیاحت کی یادگار مین تیار کیا گیا ہے۔ اس باغ کا رقبہ ۱۳۳ ایکڑ ہے اور نہایت خوبی سے بنایا گیا ہے۔ بینڈ بجنے کی جگہ جو پارک کے تقریباً بیچون بیچ مین ہے پھولون کے تختون اور شاداب گھاس کے ٹکڑون سے محصور ہے پیدل گھوڑا گاڑی ان تمام کے راستے درختون سے سایہ دار ہین اور ورزش جسمانی اور سیر و تفریح کے لیے لوگ یہان بہت آتے ہین۔

الہ آباد کے اُن مناظر مین سے جو مغلون کے زمانہ کی ہین صرف دو چیزین یعنی خسرو باغ اور قلعہ قابل دید ہین ریلوے اسٹیشن سے شہر کی طرف اور اسکے داخلہ کے پھاٹک کے تقریباً بالمقابل ایک پورانی محراب بنی ہوئی ہے۔ جسپر بیلین چڑھی ہوئی ہین۔ اس مین سے ہو کر لوگ اس وسیع اور خوبصورت باغ مین جسکے چارون طرف بلند دیوار کھڑی ہے۔ داخل ہوتے ہین۔ یہ باغ غالباً شاہزادہ سلیم (شاہ جہانگیر) اسوقت جبکہ اکبر کے آخری زمانہ مین وہ یہان کا گورنر تھا تعمیر کرایا ہے۔ اس کا قیام قلعہ مین رہتا تھا۔ لیکن اس باغ کو سیر گاہ کے طور پر بنا رکھا تھا۔ اس کا ایک لڑکا خسرو ایک ہندو بیوی جیپور کے راجہ بھگوانداس کی لڑکی کے بطن سے تھا۔ یہ ۱۵۸۷ء مین پیدا ہوا ۱۶۰۶ء مین خسرو نے اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن شاہی افواج سے ہزیمت پائی اور گرفتار ہو کر محافظت کی غرض سے اپنے سوتیلے بھائی شاہزادہ خورم (جو آخر مین شاہجہان کے نام سے مشہور ہوا) کے حوالہ کیا گیا۔ شاہزادہ خورم بھی خسرو کی طرح ہندو ماں کا لڑکا تھا۔ جو خاندان جودھپور کی شاہزادی تھی۔ خسرو کا انتقال شاہجہان کی قید مین ۱۶۲۲ء مین ہوا اور جہانگیر نے اُسکی یادگار کے طور پر الہ آباد کے باغ مین ایک خوش وضع روضہ اُس کی ماں متوفی ۱۶۰۵ء) کے مقبرہ کے محاذی بنوا دیا۔ روضہ کی عمارت جیساکہ ایک کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۶۲۲ء مین بنکر تیار ہوئی یہ عالیشان خوبصورت گنبد دار عمارت اُسی وضع پر بنائی گئی ہے جسکے بہترین نمونے دہلی کا مقبرہ ہمایون اور آگرہ تاج محل کہے جا سکتے ہین۔ اصلی تربت شاہان مغل کے اور مقابر کے حسب معمول تہ خانے مین ہے لیکن گنبد کی عمارت جسمین مصنوعی قبر ہے بڑا اور بلند ہے۔ اور اندر کی استرکاری پرندون اور پھولون کے رنگین نقش و نگار سے جو اب مدہم ہو گئے ہین آراستہ ہے۔ مقبرہ خسرو کے مغرب جانب کسیقدر فاصلہ پر ایک اور روضہ ہے۔ لیکن عام یقین ہے کہ یہ اس قسم کے مصرف مین نہین لایا گیا۔ اسکے قریب ایک ہشت پہلو دو منزلہ عمارت ہے جسکے چارون کونون پر کلسدار گنبد ہین۔ یہ جے پور کی شاہزادی یعنی خسرو کی ماں کی سی قبر ہے جسکو کتبہ مین شاہ بیگم کرکے لکھا ہے۔

ہم نے ان قبور کی تصویر حسب ذیل الفاظ مین دکھائی ہے۔

Marfat.com

"ہر ایک مقبرہ ایک بڑے چبوترے سے مشتمل ہے جسکے نیچے تہ خانہ نما کمرے ہین جنکے وسط مین ایک قبر سنگی تابوت کی قطع کی ہے۔ اسکے اوپر ایک بلند ہشت پہلو ہے اسکے اوپر ایک گنبد ہے جسکے اندر اور باہر قیمتی اور خوبصورت کام کیا ہوا ہے۔ یہ تمام چیزین بہت سادہ اور دلکش ہین۔ رنگینی ضرور ہے۔ لیکن زیادہ شوخ نہین۔ ان سے اہل یورپ کے عام خیال کی تکذیب ہوتی ہے۔ جو مشرقی فن عمارت کو وحشیانہ تصور کرتے ہین"

ہیبر کے زمانہ سیاحت مین یہ باغ جو خسرو کا مقبرہ بننے کے بعد اُسی کے نام پر پکارا جانے لگا ابتر حالت مین تھا۔ لیکن اب میونسپلٹی کی طرف سے اسکی نگہداشت عمدگی سے ہوتی ہے۔ اور مجالس زیر سما اور دوسرے قسم کے جلسون کے لیے موزون مقام ہونے کی حیثیت سے باشندگان شہر کے حق مین دلچسپ تفریح گاہ کا کام دیتا ہے۔ تماشون اور کھیل کود کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ آجکل اس مین کارخانہ واٹر ورکس اور خزانہ آب رکھا گیا ہے۔

سیاحون اور سیر کرنے والون کے لیئے مناسب ہوگا کہ باغ سے باہر جاتے وقت مقابل کے پھاٹک سے نکلین جس سے سرائے کو راستہ جاتا ہے۔ یہ سرائے شاہان مغلیہ کے وقت کی بنی ہوئی ہے۔ ہیبر کا مقولہ ہے۔ کہ خسرو باغ اور یہ سرائے الہ آباد کی بہترین چیزین ہین۔ وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ سرائے ایک عالیشان چوگوشہ عمارت ہے جس مین گاتھک وضع کے چار برج بنے ہوئے ہین۔ اسکے چارون طرف پختہ دیوار ہے جسکے نیچے سیاحون کے قیام کے لیئے مسافر خانے بنے ہوئے ہین۔ اگرچہ اب پچھلی سی کیفیت باقی نہین رہی لیکن اب بھی موجودہ حالت کو دیکھکر اسکی گذشتہ شان شوکت کا تصور ہو سکتا ہے۔

قلعہ جسکو اکبر نے سنہ ۱۵۸۳ء مین ایک ہندو محل کے موقع پر تعمیر کرایا ہے اپنے بانی کے نام پر ابتک قلعہ اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ ہیبر نے اسکا حال بیان کیا ہے۔

"یہ قلعہ اُس مقام پر بنا ہوا ہے جہان دونون دریا ایک مثلث کی شکل مین آکر ملتے ہین اور قدرتی و صنعتی حیثیت سے بھی بہت مضبوط ہے۔ یہ واقعی ایک عالیشان محل تھا لیکن موجودہ مالکون کے عہد مین زمانہ جدید کے مطابق بنانے سے جسقدر اسکی قوت مین اضافہ ہوا ہے اسیقدر اسکی ظاہری نمود مین کمی واقع ہوگئی ہے۔ اسکے مرتفع مینار مختصر کرکے برجون کی شکل مین لائے گئے ہین اور اس کی بلند سنگی فصیل کی منڈیل پر سبزہ اگا ہوا ہے اور ڈھلوان پشتے سے اسکو بالکل چھپا لیا ہے۔ تاہم یہ جگہ دلچسپ ہے۔ اس کا گنبد اور پھاٹک اسقدر عالیشان ہے کہ مین نے آجتک کسی قلعہ مین نہین دیکھا۔ اسکے نیچے ایک وسیع کمرہ ہے۔ جسکے اردگرد محراب مین اور برآمد

Marfat.com

بنے ہوئے ہین - ان پر بھدے پن کے باوجود نمایان طور سے رنگ کاری کی گئی ہے - میرا خیال ہے کہ نا سمجھی سے مصری اور اطالوی طریق پر اسکی اصلاح ہوئی ہے لیکن عمارت کے اندر کا تھگ طرز کی کمانین اور رنگین کام ابتک باقی ہے -

یہ ترمیم جسکی طرف ہیبرتے اشارہ کیا ہے اور جس نے زمانہ وسطی کے اس دار الامارہ کی نظر فریب خوبیوں کو آجکل کے جنگی مذاق کی پیروی مین اصلاح کے نام سے بالکل ملیا میٹ کردیا ہے اور یہی بات قلعہ کی ظاہری قدر و قیمت کے حق مین مضر ثابت ہوئی ہے -

موجودہ ضروریات جنگ کے لحاظ سے جو تبدیلیان اسمین لازمی سمجھی گئی ہین - انھون نے قلعہ کی ایک قدیم یادگار ہونے کی خصوصیت کو باقی نہین رکھا - اور علیٰ ہذا القیاس ظاہری خوبیون کو بھی - مسٹر انیسلو ایک ایک جگہ لکھتے ہین کہ درحقیقت یہ امر قابل افسوس ہے کہ ایک پر شوکت عمارت محض سلح خانہ بنا کر رکھی جائے ور محکمہ تعمیرات عامہ کے ہاتھون جس نے ایک سرے سے اُسپر سفیدی پھیردی ہے اسکی مٹی خراب کرائی جائے فرگسن اپنی تاریخ ہند و مشرقی فن عمارت مین اس سبجکٹ مضمون پر اس طرح لکھتا ہے -

" انگریزون کے قبضہ مین آنے کے بعد اس قلعہ کی شان و شوکت بالکل معدوم ہوگئی ہے سب سے زیادہ خوبصورت چیز چالیس ستونون والا دالان تھا - یہ دو ہشت پہلو حصون مین منقسم تھا اندرونی ۱۶ ستونون کا اور باہر کا درجہ ۲۴ ستونون کا تھا - بالائی منزل مین اندرونی حصہ کے اوپر اسیقدر ستونون کی عمارت تھی جسپر ایک قبہ بنا ہوا تھا - یہ عمارت اب بالکل باقی نہین رہی اور اس کا سامان قلعہ کی مرمت مین لگا یا گیا ہے - بڑا کمرہ ابتک ہے لیکن اب اسمین کارخانہ اسلحہ ہے - بیرونی ستونون کی قطار کے درمیان ایک کٹہری دار دیوار انگریزی وضع کی بنائی گئی ہے - اور اس کا عجیب سائبان اور دوسری چیزین نکال دی گئی ہین - جو چیز آسانی سے الگ نہین ہوسکی اُسپر پلاستر چڑھا کر اور چونے سے رنگ کے ہتھیار رکھنے کی لکڑیون اور ڈھانچون سے پوشیدہ کردیا ہے - تاہم اس عمارت کا نقشہ خیال مین آسکتا ہے - کہ ایک مربع حال ستونون کی آٹھ قطارون پر مستمل ہے ہر ایک مین آٹھ آٹھ ستون ہین - اس طرح کل تعداد چونسٹھ ہوئی - اسکے گرد اگرد بلند برآمدہ بنا ہوا ہے - جسکے کھمبے دُہرے ہین - اور زاویے کے پاس چار چار ستون کھڑے کئے گئے ہین - اُن کے اوپر شاندار قابل قدر وضع کی محرابین ہین - جو تمام ہندوستان مین اپنی طرز اور آرایش کے لحاظ سے بے مثل کہی جاسکتی ہین "

یہ حالت اکبر اعظم کے قلعہ کی ہے - جو انگریزون کے قبضہ اقتدار مین آنے کے بعد ہوتی ہو جیسا کہ

Marfat.com

مسٹر ڈبلیو ایس کین نے لکھا ہے کوئی شک نہین کہ یہ بات گورنمنٹ ہند کی شان کے منافی ہے۔ کہ اب بھی قلعہ کو حتی الوسع اُسکی قدیمی حیثیت پر نہین لایا گیا۔ وہ لکھتے ہین اور صحیح لکھتے ہین۔ کہ یہ قلعہ جو کسی زمانہ مین رفیع الشان محل تھا۔ اُسکی کوئی عمارت ایسی نہین جسکو دیکھنے سے رنج و افسوس نہوتا ہو۔ ابھی تھوڑے دنون کی بات ہے کہ جو لوگ ضروری اجازت لیکر کارخانہ اسلحہ دیکھنے جاتے تھے وہ بجائے اسکے کہ چالیس ستون والی عمارت کو دیکھکر اُسکی تعریف کرنے کا موقع پاتے اُن کو وہان کوٹھیون ایسے ہندوستانی کاریگر دکھائی دیتے تھے جنہون نے مسالہ اور بندوقین اور کارتوس بنانے مین لندن کے کاریگرون کے برابر مشق ہنر پیدا کر لی تھی" لارڈ کرزن نے ہندوستان کی قدیمی یادگارون کی حفاظت اور اُن کی اصلی حالت پر لانے کی کوشش مین جو دلچسپی ظاہر فرمائی تھی وہ بہرکیف ہمارے شکریہ کی مستحق ہے۔ اُسی کی بدولت دربار عام کی یہ عالیشان عمارت اب خالی کرکے حتی الامکان اپنی قدیمی حالت پر لائی گئی ہے۔ اور اگرچہ اب بھی کارخانہ اصلاح سے یہ عمارت گھری ہوئی ہے۔ لیکن مقامی فوجی حکام کی اجازت سے لوگ اُسے دیکھ سکتے ہین۔ الہ آباد جانے والے کو چاہیے کہ اکبر کا دربار عام جو اب بھی پُرشوکت معلوم ہوتا ہے ضرور دیکھین۔

قلعہ کے درمیان مین کھلی ہوئی جگہ پر محفوظ حالت مین وہ شے نظر آئے گی۔ جسکے ساتھ حقیقی عظمت وابستہ ہے۔ یعنی اشوک کا بلند اور خوبصورت منارہ۔ اس پورانی یادگار کی صحیح اور سبق آموز حالات کننگھم کی رپورٹ یادگار ہائے قدیم کی پہلی جلد مین مل سکتے ہین۔ یہ نہایت چکنا پتھر سے بنا ہے۔ اور سطح زمین سے ۴۲ ½ فیٹ بلند ہے۔ اِسپر اشوک (۲۴۰ سال قبل حضرت مسیح) کے مشہور عالم احکام کندہ ہین۔ اِسکے علاوہ سمندر گپت چوتھی صدی عیسوی کی فتوحات کا تذکرہ بھی موجود ہے ایک کتبہ شاہنشاہ جہانگیر کا ہے۔

جو اُسکی ۱۶۰۵ء کی تخت نشینی کی یادگار کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ چند مختصر عبارتین اور بھی ہین لیکن وہ تقریباً وہ سب ابتدائے سنہ عیسوی کے بعد کی ہین۔ جیمس پرنسپ جس نے ۱۸۳۴ء مین احکام اشوک کے نسخے نکالے تھے اُسکے بیان کے مطابق ان کتبون کی اکثر عبارتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت وہ تراشی گئی ہین۔ اسوقت ستون زمین پر پڑا ہوا تھا اور ۱۸۳۸ء مین کپتان ایڈورڈ اسمتھ انجینئر نے اِسکو موجودہ موقع پر استادہ کیا ہے۔ قلعہ مین اِسکے علاوہ صرف ایک چیز اور سیر کے قابل ہے۔ اور وہ بڑ کے درخت کا ٹھونٹھ ہے۔ جسکو (لافانی برگد) کہتے ہین۔ وہ زمین کے نیچے ایک ستون دار تہ خانہ مین موجود ہے۔ اس تہ خانہ کی نسبت کننگھم کو خیال ہے۔ کہ زمانہ سابق مین کھلا ہوا تھا

Marfat.com

اور اسکی رسائی مین یہ اس مندر کا ایک حصہ ہے۔ جس کا حال ہوئنسیانگ نے لکھا ہے جن سیاحون کو اس بحث سے دلچسپی ہو وہ کننگھم کی یورپ کا قدیم جغرافیہ ہندوستان کو دیکھین جسمین اسنے اس درخت کے گرد و پیش کے امکانی تغیرات کی تصویر جو کم نظر سیر بینون کو معمولی معلوم ہوگی روشن الفاظ مین کھینچی ہے ستون اشوک سے سیدھے ایک عمیق ہشت پہل کنوین کیطرف جانے سے اس درخت تک آدمی پہونچ سکتا ہے۔ اس کنوین کے دونون جانب گنبد دار ہشت پہل کمرے ہین۔ یہان چند زینے بنے ہوئے ہین۔ جو تہ خانہ کے تاریک راستہ مین ۳۵ فیٹ تک بجانب مشرق اور پھر جنوب کی طرف ۲۰ فیٹ کے طول مین درخت کے پاس تک چلے گئے ہین۔ ایسے مقام پر کسی درخت کا زندہ رہنا غیر ممکن ہے۔ لیکن اس سے اتنا ضرور یقین ہوتا ہے کہ یہ ڈنڈ وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

دریائے گنگ و جمن کے سنگم کا بہترین نظارہ قلعہ کی فصیلون سے ہو سکتا ہے۔ بنگالی سیاح مسٹر بھولاناتھ چندر لکھتے ہین کہ الہ آباد مین سنگم سے زیادہ پُر لطف کوئی دوسرا مقام نہین۔ پانی کی وسیع چادر۔ سبز و شاداب ساحل اور دلفریب منظر سیاحون کے دلون کو متاثر کرکے انھین محو بنا دیتے ہین۔ فصیل قلعہ پر چڑھکر جو سنگم پر واقع ہے۔ آدمی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر مین قلعہ کو ویسی ہی قابل تعریف بات حاصل ہے۔ جو خود شہر کی آبادی کو تمام ہندوستان مین ہے۔ قلعہ کے نیچے ریگ کا ایک وسیع میدان ہے۔ جہان جنوری کے مہینہ مین سالانہ اور ہر چھ سال مین آدھا کمبھ اور بارہ سال مین کمبھ کا میلہ لگتا ہے سنہ۱۹۰۱ء کے میلہ مین اس بات کا اندازہ کیا گیا تھا کہ ۲½ لاکھ کے قریب بڑے اشنان کے دن لوگ وہان جمع ہوئے تھے۔ سنہ۱۹۱۰ء کے کمبھ کے میلہ مین دس لاکھ آدمیون سے کسی طرح کم نہ تھے۔ یہ میلہ اسی ریگزار مین جسکا طول تقریباً دو میل ہے ہوتے ہین اور ہندوستان کے دلچسپ مناظر مین شمار کیئے جاتے ہین۔ تمام جاتری جھونپڑون مین رہتے ہین۔ جو بے سر و سامانی کی حالت مین عجلت سے تیار کر لیتے ہین۔ اور کئی ہفتون تک یہ جگہ گھاس پھوس اور سرکنڈون کا جنگل بنا رہتا ہے۔ صدر راستہ جو ایک میل طویل ہے۔ چیرون خیمون اور وعظ قانون سے بھرا رہتا ہے مذہبی مقتدا۔ جاتری۔ آوارہ گرد۔ روحانی منادی۔ فقیر۔ محتاج جیب پاؤن والی گائے۔ دیسی چکر دے، ماہر علم و سیتی۔ چیلے۔ شوخ زبان۔ نظر باز۔ یہ تمام ایک دوسرے کو ٹکراتے ہوئے گویا ایک پُر خروش دریا مین بہے چلے جارہے ہین۔ کہین کسی چبوترے پر ایک پستہ قد آدمی دکھائی دے گا۔ جسمین یہ کمال ہے کہ اپنے تمام اعضا سکوڑکر چمڑے کے اندر کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسکے ہاتھ اور پیر دُم مچھلی کی تھیلیون کے مشابہ ہو جاتے ہین کہین ایک فقیر بدن پر خاک ملے بال بڑھائے ہوئے ہے۔ جو پندرہ سال سے برابر کھڑا ہے۔ اور اس میدان حشر مین ایک تختے پر جو بانس کی تپائی پر رکھا ہے

سویا ہوا ہے۔ اُسیکی برادری کا دوسرا شخص منہ کے بل خاک پر پڑا ہوا ہے۔ کوئی تباہ حال فقیر ایسا ہے جو اپنے پنجون اور گھٹنون کے بل تمام ہندوستان پھر آیا ہے۔ دوسرا ہے کہ ہمالیہ کے ملک سے اس طریقے سے چلکر آیا ہے کہ ہر تین قدم کے بعد زمین پر دراز قد لیٹ جاتا تھا۔ ایک دوسرا ہے جس نے بیس برس سے کسی شخص سے بات تک نہین کی اور راکھ کی ڈھیری پر محویت مین بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرا اپنا ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ جو ایک عرصہ تک معلّق رہنے سے اکڑ گیا ہے۔ یہ سب بھگوے کپڑون مین لپٹے ہوتے ہین اکثر بدن پر بھبوت ملے لابنے لابنے کمّل اوڑھے رہتے ہین۔ عام لوگ کثیر تعداد مین ان سیون کے بہت معتقد ہوتے ہین اور اُنھین حسب حیثیت۔ چاول۔ اناج۔ پھل اور پیسے دیتے ہین جن کو وہ سخت لاپرواہی سے قبول کرتے ہین۔ یہ ہین چند باتین الہ آباد کے سالانہ میلے کے تماشون اور مناظر کی۔ جو لوگ اس رنگ برنگی کے پردہ مین ہندوستان کے ملکی اتفاق کو دیکھنا چاہتے ہین اُن کے لیے کنبھ کے زمانے مین الہ آباد کی سیر نہایت دلچسپ ثابت ہوگی۔

آخر مین دو ایک لفظ الہ آباد کی دماغی و معاشرتی زندگی کے متعلق لکھنا مناسب ہوگا طبقہ اینگلو انڈین اور ہندوستانی جماعتون کی ضروریات تمدن کی کفایت کیلیے دو کلب گھر ہین۔ اول الذکر کیلیے الہ آباد کلب اور موخر الذکر کیواسطے انڈین کلب ہے۔ الہ آباد کلب ۱۸۶۹ء مین نارتھ ویسٹرن پراونسز کلب کے نام سے قائم کیگئی تھی۔ اس کا نیا نام چند سال پیشتر سے جبکہ صوبہ کا پورا نام وجود و لقب سے تبدیل کیا گیا ہے۔ یہ کلب میسٹیلے روڈ پر واقع ہے اور قیام کے کمرے بھی اسی سے ملے ہوئے ہین۔ اس مین ہر قسم کا سامان ممبران کلب کی تصریح اور ریاضت کی خاطر پورے طور سے مہیا کیا گیا ہے انڈین کلب ۱۹۰۸ء سے جاری ہے۔ یہان ممبرون کی کل ضروریات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ کلب تھارن ہل اور میور پر ہے۔ علمی مشاغل رکھنے والی آبادی کی دلچسپی تعلیمی انسٹیٹیوشنون اور پبلک لائبریری کے علاوہ جو تھارن ہل میموریل والی عمارت مین ہے زیادہ تر جرنلزم سے وابستہ ہے جسکے تین زبردست آرگن ہے۔ پانیر۔ اور لیڈر دونون مقتدر روزانہ اخبار ہین اور ایک ماہوار رسالہ ہندوستان ریویو ہے۔ ہندی کے بھی کئی قابل قدر رسالے نکلتے ہین انمین سرسوتی۔ مریادا اور استری درپن زیادہ مشہور ہین۔ آخر الذکر ملک کی دو نہایت قابل خاتونون کے اڈیٹری مین شائع ہوتا ہے۔

سید محمد فاروق (ماخوذ از انگریزی)

سری نگر

شہر سری نگر ملک کشمیر کا دارالسلطنت ہے۔ دریائے جہلم پر واقع ہے اور اپنی
قدرتی خوبصورتی کے لیے مشرق تو مشرق شاید مغرب مین بھی کم ہی نظیر رکھتا ہے۔ دریائے
بہت کے دونون کنارون پر کوئی پانچ میل تک برابر آبادی چلی گئی ہے۔ اس آبادی کی
شاخین دُور دُور تک پھیلتی جاتی ہین جو بجائے خود جدا جدا نامون سے ملقب ہوتی ہے
مگر در اصل شہر ہی کا ایک حصہ متصور ہوتی ہے اور اسیلیے یہان کے باشندون کی تعداد
دو لاکھ سے کسی طرح کم نہین سمجھی جاتی۔ پنجاب اور ہندوستان کے رہنے والون کو
سب سے طرفہ بات جو آتے ہی محسوس ہوتی ہے وہ یہان کے مکان ہین۔ مکان عموماً
لکڑی کے ہوتے ہین۔ برف و باران اور سیلاب اور آئے دن کے طوفان سے
لکڑی کی رنگت جلکر سیاہ ہوجاتی ہے اور انکی شکستہ حالت اور ہیئت کذائی
دیکھکر دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چار منزلہ اور پنج منزلہ مکان کوئی دم کا مہمان
ہے مگر شاید اسے اس امر کا علم نہین ہوتا کہ جس روز اسکے مکین پیدا ہوے تھے۔
اُس روز بھی اسکی یہی شکل و شباہت تھی۔ اور غالباً انکی اولاد بھی اسے عمر بھر اسی
حالت مین دیکھے گی۔ ان مکانون کی چھت ڈھلوان ہوتی ہے، اور اسپر درخت بھوج کا
چھلکہ ڈالکر مٹی پھینک دیتے ہین۔ یہ مٹی برف سے خود ہی دبکر مضبوط ہوجاتی ہے۔ ابر
نوبہاری سقہ بنکر اسے پانی دیتا ہے اور خودرو گھاس اور دوسرے پودے چند ہی
روز مین بہار کے شروع ہوتے لہرانے لگتے ہین اور کشمیر کے تمام شہر و دیہات کو
رشک شہر سبز بنا دیتے ہین۔

دریائے جہلم پیچ و تاب کھاتا مشرق کیطرف سے حدود شہر مین داخل

Marfat.com

ہوتا ہے۔ اسے منشی باغ کہتے ہین۔ صاحبان انگریز کی کوٹھیان عجیب عجیب دلفریب
انداز اور آن بان سے کھڑی ہین۔ کوئی دیسی وضع کی ہے تو کوئی بنگلہ کی شکل کی۔ کوئی
گاتھک طرح کی ہے تو کوئی سوٹزر لینڈ کو یاد دلاتی ہے۔ کسی سے انگلستان کی عمارتون کا
شائبہ پڑتا ہے تو کسی مین سیکسن اور مُلکی وضع مخلوط شدہ نظر آتی ہے۔ اسپر جو بات
قابل دید ہے وہ یہان کی آرائش ہے۔ دست قدرت نے فراخ حوصلگی کے ساتھ
چنارون کے سائبان تانے ہین۔ مگر دستِ انسان نے بھی اپنی کارگری دکھانے مین
کمی نہین کی۔ ہر طرف پائین باغ اور باغیچہ ایسی خوبصورتی اور خوش سلیقگی کے ساتھ
سجائے ہین کہ عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس زندہ قوم کی زندہ نشانیون مین سے
منشی باغ کا انگریزی کتب خانہ ہے۔ گزشتہ سال سیلاب کے ہاتھون عمارت گر گئی
اور صدہا نایاب کتابین پانی مین بہ گئین۔ یہان شام کے وقت صاحبان انگریز انکی
بیویان اور بچے جمع ہوجاتے ہین۔ چنارونکی بہار اور نسیم دریائی کا لطف اٹھاتے
ہین۔ برخلاف اسکے سرکاری کتب خانہ عوام الناس کا سمجھا جاتا ہے۔ اسمین سوائے
خاص خاص اشخاص کے قیمت ادا کرنے پر بھی لوگون کو گھر پڑھنے کے لیے کتاب
نہین دیجاتی۔ اسکے بعد صاحب رزیڈنٹ کی عالیشان اور پردہ دار کوٹھی کسی
مشرقی نواب کی حرم سرا کو یاد دلاتی ہے۔ بعض دفاتر اور ڈاکخانے اور ٹانگہ ایجنسی
کے بعد انگریزی سوداگرونکی دوکانین شروع ہوتی ہین جو امیران کدل یعنے پہلے
پُل پر آکر ختم ہوجاتی ہین۔ امیران کدل سے دریا کا رُخ شمال کیطرف پھرتا ہے اور
وہ آخر شہر تک بہ سبب مصنوعی پشتون اور بندونکی دورویہ دیوارون کے اپنی
سمت کو قائم رکھتا ہے۔ دریائے جہلم کا کنارہ خوشنما۔ شاندار اور مکلف کشتیون سے
کبھی خالی نہین ہوتا۔ مگر منشی باغ کے علاقہ مین خصوصیت کے ساتھ انکی کثرت ہے
انکی آرائش اور زیبائش قابل دید ہے۔ دُور دُور سے سیاح آتے ہین اور انکا
لطف اُٹھاتے ہین۔ اور سیکڑون اور ہزارون روپیہ اس آب و ہوا کی نذر
کر جاتے ہین۔ ہم اپنی کوتاہ نظری سے سمجھتے ہین کہ روپیہ فضول برباد کرتے
ہین مگر نہین وہ اپنی صحت اور تندرستی پر مرتے ہین۔ انکی بدولت جنگل مین منگل
ہوجاتا ہے اور وہ چراغ جو صدیون سے روشن چلے آتے ہین انکی وجہ سے

Marfat.com

اور بھی رونق حاصل کرتے ہین یعنے یہان کی نزہت گاہون - سیر گاہون - باغون جھیلون - پہاڑون چشمون اور دریاؤن - سبزہ زارون اور وادیون اور مرغزارون اور چراگاہون کا شہرہ چار دانگ عالم مین پھیلتا جاتا ہے - اور وہ وقت قریب ہی کہ گوشۂ تنہائی کی عافیت جسکے لیے یہ خطۂ بے نظیر کشمیر مشہور ہے جو صوفیون فلاسفرون - گیانیون اور پنڈتون - شاعرون اور رشیون اور منیون کا ماوا و ملجا رہا ہے - ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائے - ظاہر بین آنکھین دیکھ دیکھکر حیران ہوتی ہین کہ آئے سال سے مکان اور عمارات پہلے سے بڑھ چڑھکر آب و تاب کے ساتھ بنتے چلے جاتے ہین پیسہ والے ہر سال ایک دو نئے ہوس لوٹ (House loot) جن پر فی ایک ہزار سے کم صرف نہین آتا بنا کر دروازے پر باندھ لیتے ہین - شاگرد پیشہ بدرجہا آسودہ نظر آتے ہین - وہ میل اور گندگی اور غلاظت جواب بھی قریباً بدستور ملک بھر مین پائی جاتی ہے آسودہ حال لوگون کا پیچھا چھوڑتی جاتی ہے - بیاہ شادی مین زیادہ تکلفات ہونے لگے ہین میلون ٹھیلون پر بھی رونق و احتشام کی کمی نہین - گرمشینون اور انگریزی دُخانی کلون کا شور ابھی سے سُنائی دینے لگا ہے - انکی سیٹیان لوگونکو صبح ہی صبح اپنے نرم نرم اور گرم بستروں مین بیچین کرنے لگی ہین - ریل بننے کی افواہین آئے دن گرم رہتی ہین - جو اب عنقریب کسی نہ کسی روز تک آکر رہیگی - اُسوقت جن لوگون نے کشمیر کو آج دیکھا ہے پہچان نہین سکین گے - کشمیر ایشیا کا اٹلی بنجائے گا اور سری نگر ہندوستان کا لندن - اسوقت نئی تہذیب و ترقی کے ساتھ دولت و ثروت کا سیلاب آئیگا - اور اسی کے ساتھ اُن مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑے گا جو آجکل ترقی اور معاشرت کے مرکزون مین ہر فرد بشر کے مدنظر ہین -

پہلے پُل سے گزر کر بائین طرف شیر گڑھی یعنے مہاراج صاحب بہادر اور راجہ صاحبان کے محلات ہین - پہلے حالمونکے مکان لکڑی کے تھے - ابھی چند سال ہی ہوسے ہین کہ انکو گرا کر موجودہ محلات اور بنگلون کی بنیاد ڈالی گئی تھی - آج انکی شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - دریا کی جانب باغ کی دیوارون پر کھلے

لـه رنشیم خانہ - گھاس کے کارخانے اور ورکشاپ کیطرف اشارہ ہے -

رکھے ہین طرح طرح اور رنگ رنگ کے پھولون سے لدی ہوئی شاخین دیوار پر سے پانی مین جھکی ہوئی کشتی نشینون کو عجب بہار دکھاتی ہین۔ محلات مین رات کو بجلی کی روشنی کیجاتی ہے۔ جو دریا مین دیکھنے سے عجب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ یہ محلات شاہان مغلیہ اور سکھون کے زمانے مین ایک چھوٹے سے قلعہ مین تھے۔ جسکی ہر طرف سے توپون سے حفاظت کیجاتی تھی۔ سکھ گردی کے زمانے مین یہان بھی آتش فساد شعلہ زن ہوئی تھی اور انھین توپون کی مدد سے ٹھنڈی کی گئی تھی۔ دریا شہر سری نگر کا شاہراہ یا صدر بازار ہے کشتی مین بیٹھکر نکلئے کل بڑے لوگون کے مکانات اور دکانات راستے مین آجائینگی۔ جا بجا پختہ گھاٹ بنے ہین۔ لکڑی کے غسل خانے استادہ ہین۔ لوگ آتے ہین غسل کرتے جاتے ہین۔ عورتین کوئی کپڑے دھو رہی کوئی نہا رہی ہے۔ کوئی برتن مانج رہی ہے۔ کوئی اپنے بچونکو پکڑ پکڑ کے مرغابی کیطرح نہلاتی اور صاف کرتی ہے۔ کشمیر کے بچے سخت میلے اور بہت حسین ہوتے ہین۔ خصوصاً انکے چہرے سڈول اور آنکھین پیاری ہوتی ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ جون جون ذرا بڑے ہوتے جاتے ہین انکی ملاحت کم ہوتی جاتی ہے۔

دوسرے پل کا نام حبا کدل ہے۔ ان پلون کے نام کے ساتھ بھی کئی روایات وابستہ ہین بعض کا خیال ہے کہ یہ پل اپنے بنانے والے کے نام کے ساتھ منسوب ہین۔ کوئی کہتا ہے حاکم وقت کا پتہ دیتے ہین۔ کسی کا خیال ہے کہ بادشاہ کے غلامونکے نام سے موسوم کیے گئے۔ یہ سب روایتین قدرے صحیح معلوم ہوتی ہین اور قدرے غلط بادشاہونکے غلام عموماً سربرآوردہ ہوتے تھے اور ایسے رفاہ عام کے کام انکی تفویض مین سرانجام پاتے تھے۔ اسلیے ممکن ہے کہ جس غلام یا حاکم کے زیر اہتمام ایک پل بنا ہو وہ اُسکے نام کے ساتھ موسوم ہو گیا ہو۔

تیسرے پل کا نام فتح کدل ہے۔ یہ شہر کا عین وسط ہے۔ یہان بڑے بڑے کاغذ پر نقاشی کرنے کی دکانین۔ شال فروخت کرنے والونکے کارخانے۔ ملمع کار۔ اور سونے چاندی کے برتن بنانے کے ماہر اور لکڑی پر کھدائی کرنیکے

Marfat.com

اُستاد اور دیگر ہر قسم کے دستکار اور صنعت گر جنکے لیے آجتک کشمیر مشہور ہے موجود ہین - اِس پل کو گذر کر دو چیزین بڑی دلچسپی کی نظر پڑتی ہین - اِنمین سے ایک تو شاہ ہمدان کی مشہور زیارت ہے اور دوسرے اِسکے مقابل غربی کنارۂ آب پر ایک عمارت ہے جو پتھر مسجد کے نام سے موسوم ہے - شاہ ہمدان اہل اسلام مین ایک اہل دل اصحاب گذرے ہین جو اپنے زہد و اتقا کی وجہ سے ایک جلیل القدر ولی تصور کیے جاتے ہین - اہل کشمیر کو انکے ساتھ خصوصاً عقیدت دلی حاصل ہے جس احاطہ مین یہ عمارت جو کشمیری نمونے کی عمارتون مین ایک بہت بڑی مشہور عمارت ہے واقع ہے - اسمین ایک دیبی کا استھان بھی ہے - ہندو وہان پوجا پاٹ کیے جاتے ہین - مسلمان اِدھر اللہ اکبر کی صدائین بلند کر رہے ہین - ع

یک چراغ ست درین خانہ واز پر تو او ہر کجا مے نگرم انجمنے ساختہ اند

کہتے ہین کہ زمانۂ پیشین مین یہ ہندوؤنکا ایک مقدّس مقام تھا اور ایک رشی یہان سکونت پذیر تھا - اور اپنے دھیان گیان مین مصروف رہا کرتا اور بڑی تپشیا کرتا - جب شاہِ ہمدان صاحب یہان وارد ہوے تو اُسکا شہرۂ کمال سُنکر اسکے پاس پہونچے - جوگی جی سے ملاقات ہوئی - اثناے گفتگو مین معلوم ہوا کہ سنیاسی صاحب آسمان پر اُڑ سکتے ہین اور بہشت برین کے باغات تک رسائی رکھتے ہین - اتفاق ایسا ہوا کہ وہ موسم تربوز کا نہ تھا - شاہ صاحب نے تربوز کی سفارش کی مہاتما صاحب اُڑے اور ساتوین آسمان سے تربوز پر جا ہاتھ مارا - مگر جب دروازے سے برآمد ہونے لگے تو رضوان سے مُڈ بھیڑ ہوئی - وہ گلوگیر ہوا کہ بہشت برین اور جنّت الفردوس کے میوے دُنیاے دون مین لیجانے کا حکم نہین مگر مہاتما صاحب نے یہ کہکر کہ میرا ایک عزیز مہمان آیا ہوا ہے اور کچھ خوشامد درآمد کر کے اُسے راضی کیا کہ اچھا تربوز لیجاؤ مگر اُسنے کہا کہ مجھے ایک قاش ضرور دیجاؤ - چنانچہ مہاتما صاحب نے ایک قاش دیکر پیچھا چھڑایا - اپنے مکان پر پہونچے تو خوش خوش تربوز مہمان کے آگے رکھا - مگر مہمان نے چھوتے ہی اعتراض کیا کہ یہ تو جھوٹا ہے ہم نہ کھائین گے - یا تو دوسرا پیدا کرو یا اِسکی قاش جہان سے ہو وہان سے لاؤ - جوگی بہت سٹ پٹایا کہ نہ جاے ماندن نہ پاے رفتن - اُسکو

Marfat.com

اِس قابلِ رحم حالت مین دیکھکر شاہ صاحب نے رحم فرمایا اور اپنا دامن ہٹایا اور وہ گم شدہ قاش بجنسہٖ جوگی کے سامنے رکھدی کہ پہچان لین۔ مہاتما صاحب کمال دیکھکر قائل ہوگئے۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے۔ وہ داروغۂ جنت خود شاہ صاحب ہی تھے۔ جنھون نے آسمان پر ہی اپنا حصہ الگ رکھوا لیا تھا۔

شاہ صاحب نے اِس مقام پر بیٹھکر ایک مُدت یادِ الٰہی مین صرف کی اور پھر اپنے وطن مالوف کیطرف تشریف لے گئے۔ اِس چلہ کی یادگار اِس مقام پر ایک عالیشان مسجد تیار کی گئی ہے اور خاص جس مقام پر آپ تشریف رکھتے تھے دن رات چراغ روشن رہتا ہے۔ مگر اِردگرد کی تاریکی ایسی گہری ہے کہ اِسکی کمزور شعاعین اِسمین سے نکلکر لوگونکی نورِ معرفت اور اسلامی روشنی کیطرف رہنمائی نہین کرسکتین۔ لوگون کا حُسنِ عقیدت یہانتک پہونچا ہے کہ پارسیون کیطرح آگ جلانے اور ہندوؤن کیطرح پیسے ڈالنے پر ہی اکتفا نہین۔ بلکہ روایات مین شاہ صاحب کو خود خدا سے بھی بھڑوا دیا ہے۔ اِسکی داستان مختصر ہے۔ ایک روز شاہ صاحب اور حضرت اللہ (اہلِ کشمیر خدا کو عظمت کے لحاظ سے اِس نام سے یاد کرتے ہین) اتفاق سے ہمسفر تھے۔ جو کوئی تعجب کا مقام نہین کیونکہ خدا ہر وقت انسان کے ساتھ ہے۔ راستے مین دریا حائل ہوا۔ شاہ صاحب نے ازراہِ ادب فرمایا۔ یا الٰہی آپ تشریف لے چلیے۔ مگر اللہ میان نے نہ مانا۔ شاہ صاحب نے پھر کہا "بابا پیش برو" اللہ صاحب نے کہا نہین بابا تم ہی آگے چلو۔ شاہ صاحب نے کہا۔ تو پیش برو کہ خدا ہستی۔ مگر اللہ میان نے جو شاید اپنے خدا ہونے کو اِس اثنا مین بھول گیا تھا۔ یکایک کہا۔ نہ بابو تو پیش برو کہ شاہ ہمدان ہستی۔ مگر ولی نے یہ عزت گوارا نہ کی اور پھر اپنی درخواست کو دُہرایا۔ آخر خدا نے کہا کہ تو پیش برو کہ ریش سفید ہستی۔ ایسی قوی منطق مین بھلا کون حجت پیدا کرسکتا تھا۔ چنانچہ زیادہ ردّ و قدح کو لاحاصل سمجھکر شاہ صاحب نے دریا مین قدم رکھا۔

اِس مسجد کے عین مقابل ایک نہایت نفیس اسم بامسمیٰ پتھر مسجد یا نو مسجد واقع ہے۔ یہ مسجد نہایت عمدہ سنگین اور پختہ بنی ہوئی ہے۔ کوئی آرائش نہین۔ صرف سنگ سفید تراشیدہ سر سے پا تک لگایا گیا ہے۔ صحن نہایت

Marfat.com

فراخ ہے۔ اپنی خوش وضعی اور خوبصورتی کے لیے کشمیر مین تولاجواب ہے ہی مگر ہندوستان مین بھی آگرہ کی مشہور موتی مسجد کا جواب ہے۔ اسکے پتھرونکو جوڑنے اور ملانے مین بڑی صنعت سے کام لیا گیا ہے۔ بڑے بڑے انجینیر اسکی محرابون کی اُستادی کو دیکھکر سجدے کرتے ہین۔ مگر تعجب کا مقام ہے کہ اِسکا چراغ شاہِ ہمدان کی مسجد کے سامنے نہین جلا۔ اسکی بانی نورجہان بیگم تھی جو اس وادی کی حسن پری کہلانے کی مستحق ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا مشہور مقام کشمیر مین نہین جو کم از کم اِسکی یاد تازہ نکرتا ہو۔ اور ایسے بھی بہت کم مقامات یہان ہین جو اِسکے قدوم میمنت لزوم کے فیض سے بہرہ مند نہوے ہون۔ کئی باغات اور عمارتین ایسی ہین کہ اگر نورجہان کا وجود نہوتا تو شاید ہی عدم سے وجود مین آتین۔ نورجہان کا مذہب شیعہ تھا اور یہان سُنیون کا زور زیادہ رہا ہے اِسلیے اُنھون نے کوئی ایسے ہی بے بنیاد بہانے تلاش کرکے مسجد کو آباد نہونے دیا کیونکہ اس سے شاہِ ہمدان کی مسجد کو ضعف پہونچنے کا خیال تھا۔ مدتون اِسمین شالی یعنے چاول کا گودام رہا۔ اب شہر کا ہسپتال سرکاری اِسمین واقع ہے۔ اگر مسلمان کوشش کرین تو یہ مسجد واگزار ہوسکتی ہے اور یہ قوم ایسی امیر بھی نہین کہ لاکھون روپیہ کی ایک عمارت جو مال وقف ہی اگر اِنکے ہاتھ آجائے تو وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکین مگر کشمیر کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانون سے بھی زیادہ غریب اور جہالت کی دلدل مین پھنسے ہوے ہین۔ اور ابھی اُنکے نکلنے کی کوئی امید نہین۔ اندرونی محراب پر ایک کتبہ بھی ہے۔ مگر بہت اونچا ہے اور پڑھا نہین جاتا۔

اِسکے بعد مہاراج گنج بازار ہے۔ اِسکے پختہ گھاٹ۔ نئی اور پختہ عمارتین دیکھکر آپکو تعجب ہوگا اور بے اختیار بول اُٹھین گے کہ ہین کیا آج ہی ان سب کی تعمیر ہوئی ہے۔ بیشک اِسکو بنے ابھی ایک سال بھی نہین ہوا۔ تین سال ہوے ایک عالمگیر آتش زدگی کے سبب تباہ ہوگیا تھا جو کشمیر کی بلاؤن مین سے ایک بہت بڑی بلا ہے۔ اور لاکھون روپیہ کا نقصان ہوا تھا۔

چوتھے پُل کا نام زیناکدل ہے۔ یہ زین العابدین المعروف بہ بڈشاہ (جو کشمیر کے بڑے روشن ضمیر بادشاہون مین سے ایک سربرآوردہ بادشاہ

Marfat.com

گزرے ہین) کے عہد رافت مہد مین بنا تھا۔ یہ بادشاہ بڑا عادل۔ رعیت پرور رحم دوست اور غریب پرور تھا۔ اسنے سیکڑون رفاہ عام کے کام کیے۔ جزیہ موقوف کیا اسکا زمانہ کشمیر کے لیے عجیب عروج اور فارغ البالی اور خوشحالی کا زمانہ تھا۔ یہ اکبر سے پہلے گذرا ہے اور اسکی پالیسی گویا اکبر کی پالیسی کے لیے ایک پیش خیمہ تھی۔

پانچوین پل کو عسالی کدل کہتے ہین۔ اور چھٹے کو صفا کدل۔ آخری حصۂ شہر چھتہ پل کے نام سے مشہور ہی جہان شہر ختم ہوجاتا ہے۔ یہان ایک مشہد زیارت گاہ ہے اور پرانی کاروان سرائے جسمین حاجی لوگ یارقند اور کاشغر سے آتے ہین اور حج کرکے واپس جاتے ہین۔ مقیم ہوتے ہین اور اس مقام پر انکے قیام سے وہ سمان نظر آتا ہے جو پنجاب مین شاید آج سے پچاس سال پہلے بھی نظر نہ آیا ہوگا۔

شہر کی عمارتون مین ایک دو اور بھی قابل ذکر عمارتین ہین۔ مثلاً ڈگنا تھ مندر جہان اہل ہنود کی سناتن دھرم سبھا قائم ہے۔ اس مندر کے گنبد سنہرے ہین اور بڑی شاندار عمارت ہے۔ اسکے علاوہ عیدگاہ اور جمعہ مسجد ہے۔ جامع مسجد کا حال ہمنے مفصل تحریر کیا تھا اور مخزن۔ لاہور کے کسی گزشتہ پرچے مین شائع بھی ہوگیا تھا۔ عیدگاہ ایک معمولی عمارت ہے جو ایک بڑے وسیع اور خوش سواد گھاس سے ڈھکی ہوئی چراگاہ پر واقع ہے اور زیادہ تفصیل کی محتاج نہین انکے علاوہ شاہ زین العابدین کا مقبرہ البتہ طالب علم کے لیے ایک عبرت اور دلچسپی کا مقام ہے۔ اسکی شکستہ دیوارین اور بوسیدہ چھت اب بھی بتا رہی ہین کہ یہان کوئی غیر معمولی آدمی سوتا ہے۔ اگر فرصت نے یاوری کی تو ہم اسکا حال آیندہ کبھی لکھین گے۔

یہ شہر سری نگر جسکا خاکہ آپ دیکھ چکے ہین اسی کے شمال مشرق مین وہ دلکشا جھیل ہے جسکو ڈل کہتے ہین۔ ڈل آئینہ کے ٹکڑے کو کہتے ہین یعنے اسکی سطح آئینہ کیطرح مجلّیٰ اور صاف و شفاف ہے۔ قدیم الایام سے زائرین کشمیر کے لیے یہ ایک بڑی فرحت بخش نزہت گاہ اور پُرمسرت سیرگاہ رہی ہے جیسے شیراز مین نہر رکنا باد اور گلگشت مصلےٰ مشہور ہین۔ چنانچہ خواجہ حافظ بلبل شیراز اپنے لازوال ترانے مین فرماتے ہین ؎

Marfat.com

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا آباد و گلگشت مصلےٰ را
اسی طرح کشمیر مین جھیل ڈل اور شالامار ہین اور ممکن نہین کہ انکو دیکھکر انسان بےاختیار نہ پکار اُٹھے۔

اگر فردوس بر روی زمین است — ہمین است وہمین است وہمین است

اس جھیل کے گرد اگرد ایک خوشنا ہلال نما پہاڑی ہے جسکا دامن قدرتی سبزہ زارون اور گلزارون سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ اس جھیل کے کنارے پر چشمہ بنا ہے۔ جسکو بادشاہ جہانگیر نے بنوایا تھا۔ باغ نشاط اور باغ شالامار اور باغ نسیم اور ہری پربت کا قلعہ یعنے کوہ ماران اور تخت سلیمان واقع ہین۔ بیشک جو شخص ایسی سرزمین سے اُٹھا ہو یہ اُسی کا یارا ہے کہ ایسا شعر کہے جیسا کہ غنی سے عندلیب کشمیر کی زبان سے نکلا۔

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم

محمد صادق علیخان

Marfat.com

کشمیر اور سوئزرلینڈ

(از رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم ایڈوکیٹ پنجاب ہائیکورٹ)

نیچر کے مناظر کہیں خوشنما کہیں بدنما۔ کہیں فرحت بخش اور کہیں وحشت انگیز ہیں، دریا جھیل مرغزار، گلزار۔ سبزہ زار فرحت بخش اور خوشنما ہوتے ہیں بے آب وگیاہ لق ودق صحرا ریتیلے میدان بھیانک اور بدنما ہوتے ہیں کشمیر کا ملک خوشنما اور فرحت بخش ہے۔ لیکن وہاں نیچر کی خوبیوں پر انسانی ہاتھوں کی طمع کاری نے بعض جگہ دھبے لگا دیئے ہیں یہ صورت سوئزرلینڈ کی نہیں ہے۔ وہاں انسانوں نے ہنر وفن سے نیچر کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں یوں تو درحقیقت سوئزرلینڈ کشمیر کے مقابلے میں دوسرے درجے پر ہی کشمیر وسیع ملک ہے۔ جہاں دنیا کے سب سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں بکثرت نظر آتی ہیں۔ اور اگر ہنر کا دستِ شفقت کشمیر پر پھر جائے تو پھر دیکھئے کیا سے کیا ہو جائے۔

وادی کشمیر ۲۵ × ۸۴ میل ہے۔ اسمیں ایک بڑی جھیل اور کئی چھوٹی چھوٹی جھیلیں موجود ہیں دریائے سندھ برفانی ملک سے اُترتا ہوا وشتا میں شامل ہو جاتا ہے وادی کے بیچ میں دریائے جہلم جسکا مقامی نام وِتستا ہے۔ پانچہزار فٹ کی بلندی پر کشتی رانی کے قابل ہے۔ گذشتہ موسم سرما میں ہمنے سوئزرلینڈ کی سیر کی وہاں کے سین سینری دیکھکر ہر وقت کشمیر کے مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے تھے میرے بزرگ ۱۶۵ سال ہوئے کشمیر چھوڑ آئے۔ سوئزرلینڈ میں قدم قدم پر اپنا قدیمی وطن مالوف کشمیر یاد آتا تھا دلمیں اُمنگ اُٹھتی تھی کاش کوئی کشمیر کو سوئزرلینڈ جیسا بنا دے۔ سوچتا تھا کہ روپیہ کہاں سے آئیگا۔ ہنر کدھر سے میسر ہوگا۔ اگر بفرض محال اسمیں سوئزرلینڈ کی مانند ترقی ہو بھی گئی تو کس کس کی رال ٹپکے گی اور اسکا کیا حشر ہوگا۔ سوئزرلینڈ جنت نگاہ ضرور تھا لیکن واپسی کے وقت ہمارا دل سرد تھا۔ ولایت سے آکر ہمنے ہکسلی صاحب کی کتاب جیسٹنگ پلیٹ (نامی پڑھی جسمیں کشمیریوں کی غلیظ عادتوں کا ذکر تھا۔ تیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ ڈاکٹر ماترا صاحب نے اپنی رپورٹوں میں لکھا تھا کہ دنیا کے تختہ پر کوئی قوم کشمیریوں کی سی غلیظ عادتوں کی موجود نہیں۔

ہم نے پہلی مرتبہ کشمیر سنہ ۱۹۰۲ء میں دیکھا تھا جسے اب پچیس[۲۵] سال ہوئے ان دنوں غلاظت کی انتہا

Marfat.com

دیکھی بعد اُسکے ہمکو چار یا پانچ مرتبہ کشمیر دیکھنے کا موقعہ ملا۔ بھنگی باہر سے بلوائے گئے۔ محلوں میں مردانہ اور زنانہ ٹیٹیاں بن گئیں۔ کمیٹی کے پریسیڈنٹ مورد عتاب تو ہوتے رہے مگر اونھوں نے صفائی میں بہت سعی کی۔ باشندگان کے طبائع میں ابھی صفائی کی خوبیاں ذہن نشین نہیں ہوئی ہیں۔

اب جموں کا راستہ بھی کھلگیا ہے۔ موٹریں لاریاں بکثرت جاری ہوگئیں ہیں سیاحوں کی تعداد ہر سال روز افزوں ہے ڈوگرستان سے کشمیر مل گیا ہے۔ راج ترنگنی کا زمانہ یاد آنے لگا ہے قدامت پسند مہاراج سرگباش ہوگئے۔ والی حال شائستہ فہمیدہ اور ہوشمند ہیں۔ اون کی توجہ ہر ایک صیغے کی جانب ہے۔ جہاں جہاں ترقی کی گنجایش ہے وہ اصلاح و توسیع کے درپے ہیں۔ ہمارا اس بارے میں کچھ کہنا "حکمت بہ لقمان آموختن" کے مصداق ہے تاہم کچھ عرض کرنا بے محل نہوگا "گر قبول افتد زہے عز و شرف"!

(۱) صفائی

بھنگی زیادہ تعداد میں درکار ہیں۔ ہر ایک اوس بوٹ کے لیے بھنگی کی ضرورت ہے۔ مقامی (تل) کافی تعداد میں موجود نہیں۔ باہر سے بھنگی بلوانا چاہیے۔

میلے کے جلانیکی تجویز ہونی چاہیے۔ اسکے لیے چار کلین مقامات مناسب پر نصب کردیے جائیں آس پاس کے کھیتوں میں میلا پڑنے سے ندیوں نالوں چشموں میں آلودگی کا ڈر رہتا ہے۔

کسی نئے مکان بننے کی اجازت میونسپل کمیٹی سے اس وقت تک نہ ملنی چاہیے تا وقتیکہ کا ئی میں جائے ضرور کے واسطے کمرہ علحدہ نہ بنایا جائے۔ گلیوں کو گندا کرنا ہر گز روا نہ رکھا جائے۔

صابن کی ایک فیکٹری بھی کھلنی چاہیے۔ صابن کے اجزا باہر سے لانے کی ضرورت نہیں اسی ملک مین سب میسر آسکتے ہیں۔ غربا کو ارزان صابن ملنا چاہیے تاکہ کپڑے دھونے میں آسانی ہو۔ جہان پانی کی اتنی افراط ہو وہاں کے لوگ کیوں صاف نہین رہتے وجہ یہ ہے کہ اول طبیعت مین صفائی کا خیال نہیں دوسرے صابن ارزان نہین ہے

(ب) بلند پہاڑوں پر رسائی

ہم نے سویزرلینڈ میں دیکھا کہ برقی ریلوے ہمکو ساڑھے گیارہ ہزار فٹ کوہ آلپس پر لیگئی اسے رگی RIGGY ریلوے کہتے ہیں۔ شکم کوہ چیرتی ہوئی جیسے سانپ بل میں گھستا ہے یہ برقی ریلوے بلندی پر پہونچ جاتی ہے۔ فن انجنیرنگ کا یہ ایک معجزہ ہے۔ ایسی ریلوے تو بھلا کشمیر مین کہان بنے گی۔ البتہ متوسط ارتفاع کے پہاڑوں اور پہاڑیوں کے لیے فیونیکلر (FUNICULAR.) نہایت عمدہ

Marfat.com

کام دیتے ہیں اُن پر صرف تو ضرور ہوتا ہے لیکن کشمیر کی آمدنی اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ گل مرگ کے لیے فیونیکلر آسانی سے بن سکتا ہے۔ سون مرگ کے قریب کے پاس کے لیے رگی ریلوے پر البتہ صرف بہت کثیر آئے گا۔ کشمیر میں برقی طاقت کافی ہے جس سے گل مرگ کی چڑھائی کے لیے فیونیکلر بن سکتا ہے امید ہے کہ یہاں ایک فیونیکلر اپنا خرچ سیاحوں سے نکال لیگا۔ سری نگر سے اننت ناگ تک مسافروں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہے۔ برقی ٹریم سرکاری خرچ سے بن سکتی ہے اس سے غالباً دربار کو خاصی مالی آمدنی ہو جائے گی۔ ویری ناگ اچھا بل مٹن صاحب کو اننت ناگ اسلام آباد سے راستہ جاتا ہے اگر ٹریم بن گئی تو سڑک لاریوں کی کثرت سے نہ ٹوٹے گی۔ نہ اتنی گرد اڑے گی۔

(ج) سری نگر کی آبادی

شہر سری نگر میں آبادی گنجان ہے لوگ کبوتروں کے مانند بستے ہیں۔ سرکار والا اگر کثرت سے زمین رعایا کو عطا کرے تو شہر کا پھیلاؤ ہو سکتا ہے۔ بارہ مولا اور اننت ناگ کی جانب جدید مکانات بن سکتے ہیں۔ کوٹھیاں کرایہ کے لیے بہت کم ہیں۔ ہوٹل بھی کم ہیں۔ سیاحوں کے لیے زیادہ سہولتیں ہونا چاہئیں۔ یہاں پر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سویزرلینڈ سیاحوں ہی کی جیبوں سے مالا مال ہو گیا ہے۔ اگر کشمیر میں آمد و رفت قیام اور سیر کی سہولتیں بڑھ جاویں تو لاکھوں روپیہ اس ملک میں آنے لگے۔

(د) آبادی

ریاست کشمیر میں ۹۴ فیصدی مسلم آبادی ہے۔ جموں کی ہندو آبادی جدا ہے۔ اگر سرکار والا تارک الوطن کشمیریوں کو صلائے عام دیں تو بہت سے ہندو پھر اپنے وطن ہو واپس آ سکتے ہیں اور اگر ہندو کاشتکاروں کو ویران رقبے کاشت کے لیے دیدیے جائیں تو یقیناً آس پاس کے ہمسایہ علاقوں سے کئی ہزار نفوس آباد ہو سکتے ہیں۔ موجودہ باشندگان کا اسمیں کوئی نقصان نہیں تجارت کی ترقی ہو گی آخر میں ملک ہی کو نفع رہے گا۔

Marfat.com

دیال باغ

ایک واقفِ حال کے قلم سے

دیال باغ جس کا ترجمہ بزبانِ اردو "ریاضِ رحیم" ہوگا۔ شہر آگرہ سے ایک میل کے فاصلہ پر رادھاسوامی مذہب کے پیروان کی ایک حیرت انگیز بستی ہے۔ جو ایک نئی تہذیب کا نمونہ پیش کر رہی ہے جنوری ۱۹۱۵ء میں ۴۰ ایکڑ زمین خریدی گئی اور ایک شہتوت کا پودا لگا کر اس نئی بستی کی بنیاد رکھی گئی۔ عقیدتمند رادھاسوامیوں کے حسنِ خلوص وایثار سے بہت جلد توسیع وترقی ہوئی چنانچہ اس وقت اس کا رقبہ تین ہزار ایکڑ اور اس کی آبادی اکتیس سو نفوس پر مشتمل ہے۔ جس میں ۷۹۶ طالب علم ہیں۔ اِس کی تعمیر کا کام مبلغ ۵ ہزار کی قلیل رقم سے شروع کیا گیا تھا۔ یہ رقم ستواما دت کیشوں نے فی کس پچاس روپیہ پیش کرکے فراہم کی تھی لیکن اب تک آراضیات، مکانات وکارخانہ جات پر ۵۶ لاکھ ۸۶ ہزار ۶ سو روپیہ صرف ہوچکا ہے۔

عمارتوں کی تعمیر میں چاہے وہ عمارتیں سکونتی ہوں چاہے دفتروں اور مختلف ادارات کی ہوں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے کہ بین المکانات تنگی نہ ہو، گلیاں اور سڑکیں کشادہ رہیں۔ ہوا اور دھوپ کی آمدورفت میں رکاوٹ نہ ہو۔ المختصر حفظانِ صحت، ترتیب، خوشنمائی، ودلکشی کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر کام کیا گیا ہے۔ پبلک انسٹی ٹیوشنز جداگانہ احاطوں میں قائم کیے گئے ہیں۔ اور سکونتی مکانات علیحدہ مقامات پر بنائے گئے ہیں۔ ساکنانِ دیال باغ اور رادھاسوامی مذہب کے رائرین کی زندگی کو کامیاب وخوشگوار بنانے کے لئے اندرون نوآبادی ضروریاتِ زندگی اور جملہ سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ بجلی گھر، واٹرورکس، آٹا تیل کی چکیاں، فارم، فیکٹریاں، ہسپتال اور اسٹور وغیرہ قائم کئے گئے ہیں صاف سڑکیں اور دورویہ سرسبز سایہ دار درخت، خوبصورت باغات، شفاف فوارے۔ کھیل کے کشادہ میدان، بہشت بریں کا نقشہ جما رہے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

اس نوآبادی میں آرٹس، سائنس، دستکاری، میکنیکل، الیکٹریکل اور آٹو موبائیل انجینرنگ کی تعلیم دینے کے لئے اسکول اور کالج اور عملی تعلیم کے لئے مشین شاپ اور فیکٹریاں موجود ہیں۔ روپیہ کے لین دین کے لئے بنک۔ نوآبادی کے اخباروں اور کتابوں کی اشاعت کے لئے پریس ہنیمول اور بکیوں کیلئے

Marfat.com

آشرم، لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گرلز ہائی اسکول، حاملہ عورتوں کے لئے جدید ترین لوازم سے آراستہ، زچہ خانہ، زراعتی فارم، دودھ، مکھن، کریم بہم پہونچانے کے لئے ایشیا بھر میں بے نظیر ڈیری کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس بہشتی فضا میں زاید از تین ہزار یاران طریقت عشق الٰہی میں سرشار۔ اپنے مرشد کے احکام برگوش برآواز اور ہر فرمان پر کاربند ہو کر کچھ ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ انھیں دین و دنیا دونوں کی نعمتوں کا لطف حاصل ہے دیال باغ کی فضا میں چاروں طرف سکون چھایا ہوا ہے اور پریم برستا ہے۔ غرض ع بہشت آنجا کہ آزارے نباشد والا مضمون پوری طرح صادق آتا ہے۔

اس نو آبادی کی اقتصادی سرگرمیوں کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کساد بازاری کے زمانہ میں بھی سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں مبلغ چھ لاکھ چھیالیس ہزار پانچسو پچپن روپیہ کی قیمتی اشیا کی برآمد ہوئی۔ یہ مقابلہ برآمد مبلغ تین لاکھ ترانوے ہزار چھ سو اٹھاون دوران سال سنہ ۱۹۲۷-۲۸ء سال گذشتہ میں دیال باغ کے فارموں اور فیکٹریوں نے دس لاکھ اکیاون ہزار سات سو تینتیس روپیہ کا مالیتی سامان بنا کر فروخت کیا۔ تنخواہ دار ملازمین و مزدوروں کی تعداد میں بھی بڑا اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ معمولی بات بھی نہیں کہ اس بے روزگاری کے وقت قریباً دو ہزار نفوس کے کسب معاش کا اہتمام اس نو آبادی کے اندر ہو گیا ہے۔ تقریباً چھتیس ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہوں میں صرف ہوتا ہے۔

اس وقت دیال باغ میں پچاس قسم کی صنعتیں جاری ہیں۔ کارخانہ ماڈل انڈسٹریز میں بجلی کے پنکھے، بجلی کے اسٹوو و چولھے، گھڑیاں، گراموفون۔ کالجوں ہسپتالوں کے اوزار۔ لیبوریٹری کے ترازو اور وزن۔ بیالوجی کے ماڈل، فونٹین پن، نلری کا سامان، چاقو وغیرہ، نب، سیاہی، بٹن، کھلونے، لالٹین، آٹا پیسنے، آلو چھیلنے کی کلیں، دس ہارس پاور کے موٹر وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ لیدر ورکنگ اسکول میں طلبا کو چرمی اشیا بنانے کی تعلیم دی جاتی ہے اور لیدر گڈس فیکٹری میں بوٹ شوز، سوٹ کیس وغیرہ ہر قسم کا چرمی سامان تیار ہوتا ہے۔

ٹیکسٹائل فیکٹری میں سوتی، ریشمی، مرسرائزڈ اور اونی کپڑے، دھوتیاں، ساریاں، رومال، تولیے وغیرہ چار سو قسم کے پارچہ جات تیار ہوتے ہیں۔ کارخانہ انگریزی چرم اور ٹینریز بھی سرعت کے ساتھ ترقی پذیر ہیں۔ کارخانہ کے ملازمین کے لئے رہائشی مکانات کا مناسب بندوبست کیا گیا ہے اور دیگر سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔

مشہور صحیفہ نگار پال برنٹن اپنی تصنیف A search in secret India. میں دیال باغ کے متعلق دیگر باتوں کے لکھتے ہیں کہ:۔

میں نے ہر عمارت میں مزدوروں کو نہ صرف آسودہ و مطمئن پایا بلکہ انھیں سرگرم کار اور پرجوش دیکھا

Marfat.com

ایسی جگہ ٹریڈ یونین کا قائم نہ کرنا واقعی سخت بے عنوانی بلکہ ستم ظریفی ہوگی۔ ہر شخص اپنا کام اعلیٰ حوصلہ آزادی
اس طرح انجام دیتا ہے گویا وہ اس کے لئے ذریعہ مسرت ہے ؟

رادھاسوامی مذہب کے پیروان کے مرحوم پیر مرشد عرش مکانی سرصاحب جی مہاراج قدس سرہٗ کے فرمان کے بموجب مجلس انتظامیہ اس اصول پر کاربند ہے کہ سوائے گورنمنٹ کے ست سنگ کے حلقہ کے باہر کسی شخص سے کسی قسم کی مالی امداد منظور نہ کی جائے چنانچہ متعدد غیر ملکی سیاحوں نے لاکھوں کی رقمیں پیش کیں لیکن بہ شکریہ - انکار کر دیا گیا۔ دیال باغ کے اسکولوں اور کالجوں میں ہر طبقہ کے طلبا بلا لحاظ قوم و ملت بھرتی کئے جاتے ہیں چنانچہ بتاریخ یکم اگست ۱۹۳۵ء کے طلباء کا شمار حسب ذیل تھا۔

انٹرمیڈیٹ کالج	ست سنگی	۲۶۴	دیگر	۱۱۹
ٹکنیکل کالج	ست سنگی	۴۲	دیگر	۵۰
لیدر ورکنگ اسکول	ست سنگی	۹	دیگر	۱۹
گرلز ہائی اسکول	ست سنگی	۲۹۰	دیگر	۲۹

ملازمین کا شمار و تقسیم حسب ذیل تھی :-

ست سنگی ۷۶۳ دیگر ۱۹۶ جن میں قریباً دو تہائی مسلمان - جملہ ملازمین کو بلا لحاظ تفریق مذہب یکساں حقوق حاصل ہیں -

رادھاسوامی مذہب کے پیروان کی یہ سرگرمیاں کسی دنیوی مفاد یا حصول دولت کی غرض سے نہیں جس پروگرام کی تکمیل میں وہ منہمک ہیں وہ اس جدوجہد اور خدمت خلق کو رضائے ایزدی اور اطاعت فرمان مرشدی سمجھتے ہیں - اس لئے یہ مالک کی خوشنودی کے طالب بے غرض خدمات حسنہ و مساعیٔ جمیلہ میں لگے ہوئے ہیں اور اُن کا اصول یہ ہے - رباعی

جو فرض ہے کر اور پریشان مت ہو — انکار سے تو دست و گریباں مت ہو
کر سعی عمل لطف اطاعت کے لئے — اندیشۂ انجام میں غلطاں مت ہو (رحمٰن)

اُنہوں نے اپنے عقل و دانش کے زعم پر نہیں بلکہ مالک کے لطف و کرم کا آسرا لے کر کام شروع کیا مگر اپنی طرف سے جانفشانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی نتیجہ یہی ہوا ع -

ہمت مرداں مدد خدا

غور فرمایئے کہ جنوری ۱۹۱۶ء میں کچھ عمارات تیار ہونے پر دیال باغ میں اوّل اوّل ایک معمولی انگلو ورنیکلر مڈل اسکول جاری کیا گیا۔ اور اسی سال ماہ اکتوبر میں مبلغ ۴ ہزار کے

Marfat.com

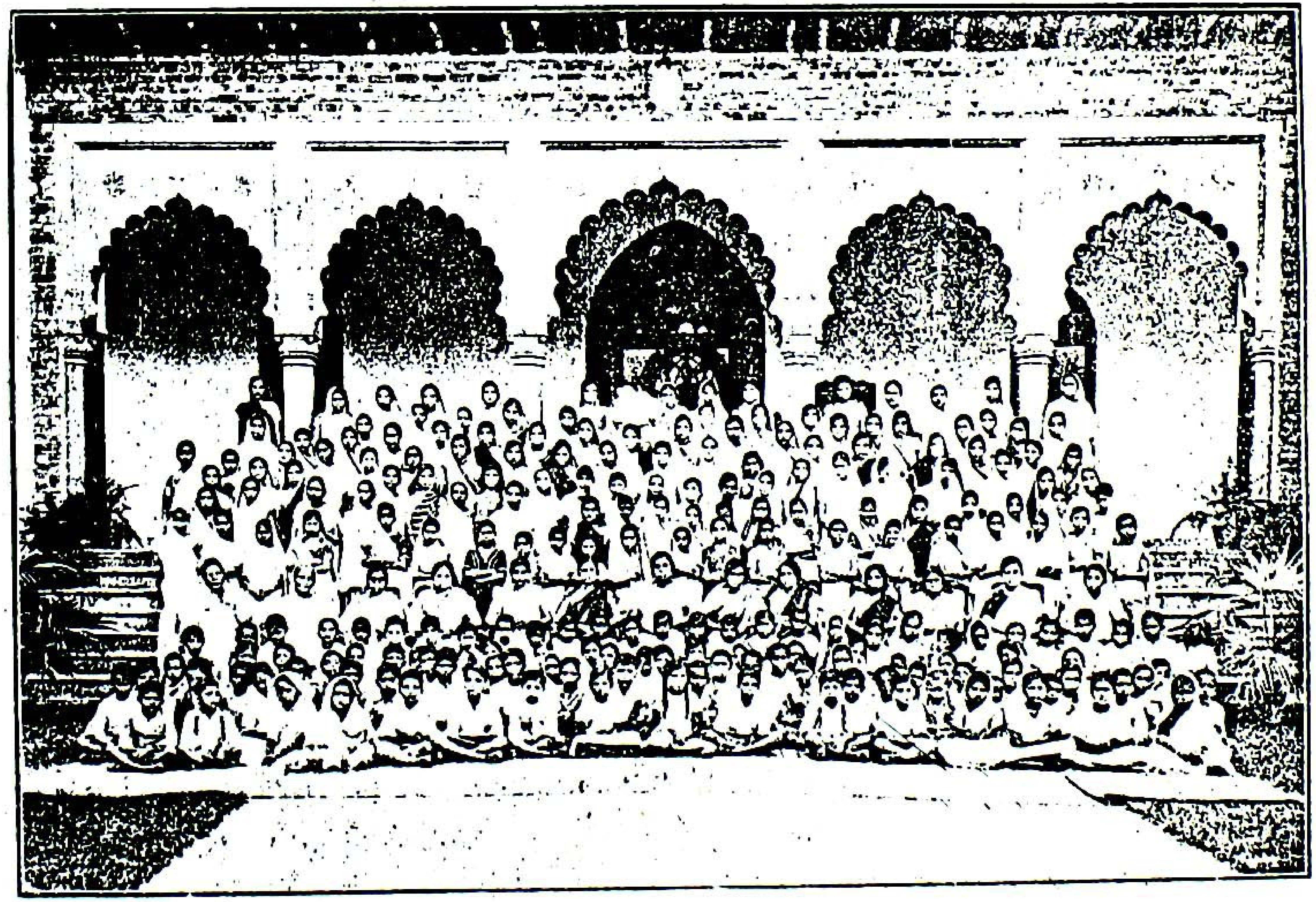

پریم ودیالیہ دیال باغ یعنی لڑکیوں کا ہائی اسکول

Marfat.com

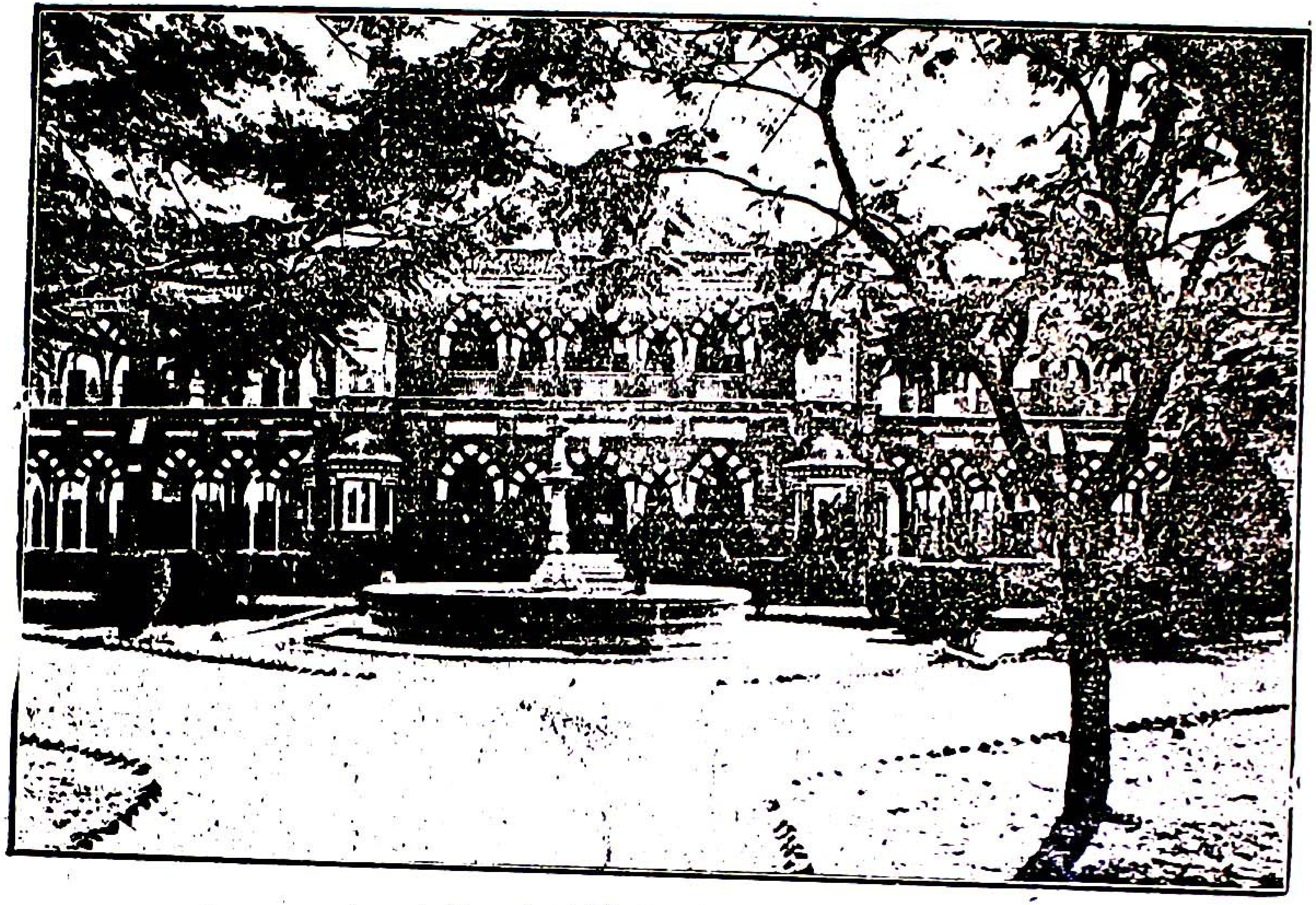

رادھاسوامی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ کی شاندار عمارت
امسال انسٹی ٹیوٹ ھذا کا طالبعلم انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں یو-پی-بھرمیں اول رہا

Marfat.com

سرمایہ سے ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم ہوا۔ کارخانہ میں صرف چمڑے کے بٹن تیار کئے جاتے تھے۔
خوش قسمتی سے یہ بٹن افسران محکمہ فوج کو پسند آئے اور جلد ہی کارخانہ کو ایک اچھا آرڈر مل گیا کارخانہ ۲۴ گھنٹہ کام کرنے لگا دن رات دماغ سوزی کرکے متعدد نئی کلیں ایجاد کی گئیں۔ شروع میں بٹن بنانے کے لئے یا چمڑا استعمال کیا جاتا تھا اور چمڑے کا بھاؤ چڑھ جانے سے نہایت قلیل نفع کی گنجائش تھی مگر ماہ جنوری ۱۹۱۸ء میں ایک تو بہت بڑا آرڈر مل گیا۔ ادھر اس کریم ساز کی رحمت سے اچانک چمڑے کی کترنوں سے جو بازار میں بشرح دو روپیہ فی من دستیاب ہوتی تھیں بٹن بنانے کی ترکیب نکل آئی۔ پھر کیا تھا تین ماہ کے اندر کارخانے کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا منافع ہوگیا۔ چونکہ ان دنوں پونڈ کی قیمت صرف دس روپیہ تھی اس لئے نصف رقم فوراً انگلینڈ بھیج کر قریباً ایک لاکھ روپیہ کی مالیتی کلیں خرید لی گئیں اور ۱۹۱۹ء تک یہاں ایک معقول کارخانہ قائم ہوگیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مالی سہولتیں مہیا ہونے پر منتظمان اطمینان کے ساتھ اپنے سابقہ پروگرام کی تکمیل میں منہمک ہوگئے

دیال باغ ذات پات کے جھگڑوں بکھیڑوں سے پاک و آزاد ہے۔ سول میرج ایکٹ کے ماتحت بلالحاظ ذات آپس میں شادیاں ہوتی ہیں۔ یہاں کی انتظامیہ کونسل رادھاسوامی فرقہ کے ۴۸ منتخب ممبروں پر مشتمل ہے۔ اس کا سکریٹری دیال باغ ڈسٹرکٹ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے ایکٹ مذکور کے ماتحت شادیوں کے لئے رجسٹرار ہے۔

دیال باغ میں پیشوایان مذہب کی یادگار میں سال میں چار بھنڈارے ہوتے ہیں۔ جن میں ہزاروں مرد و زن بلالحاظ ذات یکجا کھانا کھاتے ہیں۔ رادھاسوامیوں میں ایک قابل تحسین رواج یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن ہر ست سنگی کسی نہ کسی ست سنگی کو دعوت طعام دیتا ہے جو اس اخوت کو جو رادھاسوامیوں میں فطری ہے گہری اور پختہ بنانے میں معاون ہوتی ہے۔ چنانچہ اہالیان دیال باغ میں نہ آپس کا بیر برودھ ہے نہ کسی قسم کا لڑائی جھگڑا۔

اہالیان دیال باغ کی آسائش و حفاظت کا انتظام ایک بورڈ کے سپرد ہے۔ جو ۲۵ منتخب و نامزد ممبروں پر مشتمل ہے۔ اس کمیٹی کے ماتحت متعدد محلہ کمیٹیاں ہیں اور کمیٹی میں مختلف شعبہ جات کی پرداخت کے لئے جدا جدا سب کمیٹیاں ہیں اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ دیال باغ کا مستقل باشندہ کسی نہ کسی کمیٹی کا ممبر ضرور بن جائے تاکہ ہر شخص کے دل میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو چنانچہ مشہور برطانوی جرنلسٹ پال برنٹن اپنی تصنیف (A search in secret India.) میں دیال باغ کے باب میں اہالیان دیال باغ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

اہالیان دیال باغ کی خودداری اور ذکی و دانشمندانہ عملیت سے میں متاثر ہوا ہوں....

"یہاں شہری کا وہ ناپید موجود ہے جو دنیا کے ہر شہر کے لئے باعث ناز ہوگا۔ میں ان اہالیان دیال باغ کو تہ دل سے پسند کرتا ہوں اور اُن کا بیحد مداح ہوں کیونکہ اُن کے اندر وہ نایاب وصف موجود ہے جس کو کیریکٹر کہتے ہیں"۔

اس نوآبادی کے رُوح رواں عرش مکانی سر صاحب جی مہاراج قدس سرہٗ رہے ہیں جن کے بارے میں پال برنٹن اور لینسر ایٹ لارج (Lancer At Large) کے مصنف ایٹس براون (Yeats Brown.) نے لکھا ہے کہ "دنیا میں ایسے لیڈر کی نظیر ماضی و حال میں نہیں ملتی۔ وجہ کچھ ہو مگر یہ امر مسلّمہ ہے کہ مذہب کا تسلط اب انسان کے دل پر قائم نہیں رہا اور مادیت کی پُرزور لہر دنیا کے ان تمام شعبہ جات زندگی پر چھا گئی ہے جو کسی وقت میں مذہب کے دائرہ تسلط میں تھے۔ بھاپ کی طاقت کی۔ Steam power اختراع اور بعد ازاں بجلی کی طاقت کی ایجاد نے مغربی ذہن کو مشین کی ایجاد کی طرف مبذول کیا اور موخرالذکر بڑی بڑی فیکٹریوں کی نشو ونما اور بڑے پیمانہ پر اشیاء کی پیداوار کا موجب ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ میں تمام مغرب میں انڈسٹریز کی بھرمار ہو گئی اور وہ ممالک جہاں کچھ عرصہ سے بجز کوئلہ اور لوہے کے کوئی اور دولت نہ تھی۔ سونے چاندی سے مالا مال ہونے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر دنیا کے دیگر ممالک بھی مغرب کی پیروی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سرگرم کوشش میں منہمک ہو گئے۔ بس اس طریقہ سے انڈسٹری نوع انسان کی بہترین رفیقہ تسلیم کی گئی۔ اتنے بلند مرتبہ پر چڑھائی جا کر انڈسٹری نے انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر اثرانداز ہونا شروع کیا۔ اور اپنے پرستاروں پر اپنی برکتیں نازل کرنی شروع کر دیں۔ تعلیم جو ماضی میں پادریوں کے زیر اہتمام تھی متنزلزل ہو گئی۔ پادری صاحبان کے تسلط سے ہٹ کر تعلیمی ادارات سرمایہ داروں کے زیر اہتمام آ گئے۔ ادبیات و فلسفہ پر علم طبیات و کیمیا کو فوقیت دی گئی۔ اور قبل الذکر کس مپرسی کی حالت میں رہ گئے۔ اور دُنیا میں سائینس کے ڈگری یافتہ نوجوانوں کی بھرمار ہو گئی۔ سائینس نے تعلیمی ادارات پر تسلط جما کر مذہب کی خبر لی اور اس کو بدر کرنے میں کامیاب ہوئی اور مسحور دنیا سائینس کی پرستار بن گئی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایسا نہیں ہے کہ اہالیان دیال باغ اس رَو میں بہہ گئے ہوں۔ برخلاف اس کے یہاں مذہب، دنیوی تعلیم اور انڈسٹریز دوش بدوش رفاقت اور اشتراک عمل سے کارفرما ہیں۔ رادھاسوامی فرقہ کے ۶۰ فیصدی سے زاید نفوس خواندہ ہیں اور دیال باغ میں لڑکوں کے لئے تحصیل علم لازمی ہے اور فارغ التحصیل ہو کر متعدد نوجوان اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ اور وہ کارخانہ جات و دیگر ادارات میں لگا دیئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

علی الصباح دنیوی فرائض کی ادائیگی میں منہمک ہونے سے پہلے سب مرد و زن نوجوان و پیر کردمہ اکٹھا ہو کر کچھ عرصہ مراقبہ میں بیٹھ کر شغل روحانی کرتے ہیں۔ پھر ایک گھنٹہ ست سنگ کرتے ہیں سہ

علی الصباح چو مردم بہ کاروبار روند　　بلاکشان محبت بکوئے یار روند

کے مسلک پر یہ عشق الہٰی کے بندے کاربند ہو کر زاں بعد اپنے اپنے کاموں پر چلے جاتے ہیں اسی طرح شام کو دن بھر کا کام ختم کر کے جملہ مرد و زن وقت مقررہ پر پھر ست سنگ ہال میں آجاتے ہیں اور دن بھر کے کام کی تکان اور دنیا کے بکھیڑوں سے پاک وصاف ہو کر سب بہ یک زبان وہمہ تن گوش ہو کر پاک پروردگار کی حمد کے گیت گاتے ہیں اور سنتے ہیں۔ شام کے ست سنگ میں پیر و مرشد کا وعظ اور اپدیش بھی ہوتا ہے۔ زاں بعد گھروں میں جا کر اہل وعیال کے ساتھ ایک میز پر طعام تناول فرماتے ہیں۔ اور اس طرح سیر ہو کر کھلی ہوا میں مرد و زن پیر و جوان اور بچے سیر کو نکلتے ہیں اس تفریح کے بعد بستر راحت پر استراحت فرمانے کے قبل کچھ عرصہ محبوب حقیقی کے طالب شغل میں بیٹھتے ہیں۔ الغرض دیال باغ ایسے پُرامن لوگوں کی بستی ہے۔ جو دنیوی جاہ وحشمت کی پروا نہ کرتے ہوئے کل مالک کی بھجن بندگی اور خلق عام کو اپنا فرض اولین گردانتے ہوئے عوام کو اپنی مثال سے فرض شناسی، مشاہیر پرستی، خود اعتمادی اور روحانی مشاغل کی تعلیم دیتے ہوئے راضی برضا صبر وقناعت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

ہم دست بدعا ہیں۔ کہ ملک ہند کی دوسری مذہبی جماعتیں دیال باغ کے حسن تنظیم واتحاد کی طرف مخاطب ہوں اور اس طرح سرگرم کار ہو کر مفلسی اور ناداری کا قلع وقمع کر دیں اور ملک میں از سر نو خوشحالی وخدا پرستی کی فضا پیدا کر دیں۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

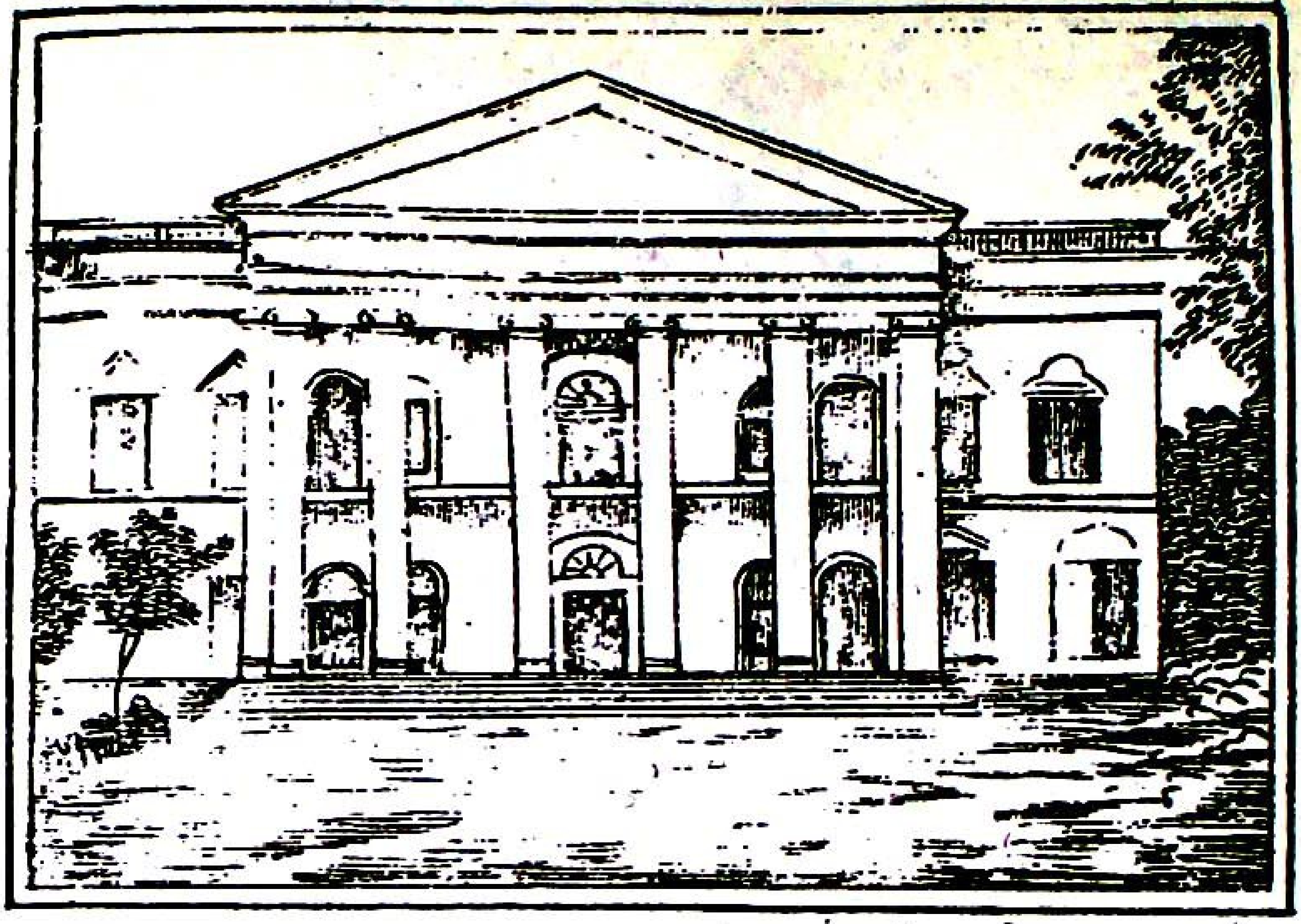

سیرام پور کا مشہور کالج

ہندوستان میں صرف اسی کالج کو شاہ ڈنمارک کے چارٹر کی رو سے اپنے طلبا کو ڈگری عطا کرنیکا اختیار ہے

سیرام پور کا قبرستان

اسمین مشہور پادری کیری وارڈ مارشمین صاحبون کی قبرین ہین

Marfat.com

سیرام پور

یہ شہر دریاے ہگلی پر واقعہ ہے۔ اسکی ہستی ایک صدی سے زیادہ نہین ڈنمارک کی ایسٹ کمپنی نے سراج الدولہ کو ایک لاکھ روپیہ کے قریب دیکر دریا کے کنارے پر ایک ٹکڑہ زمین کا خریدا تھا اور وہان یہ شہر آباد کیا جس کا نام اس کمپنی نے فریڈرک سناگور رکھا تھا۔ جو اب سیرام پور کہلاتا ہے ۱۷۵۶ء مین یہ شہر آباد ہوا۔ ۱۸۰۱ء مین انگریزون اور ڈین مارک کے لوگون مین جنگ تھی اور گو صلحنامہ آمینس سے ان دونون قومون مین صلح صفائی ہوگئی تھی۔ لیکن سات سال بعد پھر تعلقات بگڑ گئے اور انگریزی فوج نے ڈنمارک کے مقبوضات پر حملہ کیا اور اُنکے جہاز تباہ کردیئے اور آراضیات وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ ڈنمارک کو محسوس ہونے لگا کہ پلاسی کی لڑائی کے بعد انگریزی طاقت سے مقابلہ کرنا بیسود ہے انہون نے یہ شہر معہ دیگر مقبوضات کے ساڑھے بارہ لاکھ مین انگریزون کے پاس فروخت کردیا تب سے اس شہر کا نام سیرام پور ہوگیا۔

ڈنمارک کے زمانہ کی ابتک ایک کچہری۔ ایک گرجا باقی ہے۔ کچہری تو معمولی سی ہے اور معمولی طرز کی ایک منزلہ عمارت ہے جس کے دروازے پر ڈنمارک کے بادشاہ کا نشان کندہ ہے۔ البتہ گرجا گھر بہت عمدہ حالت مین ہے۔

۱۸۰۵ء مین اس گرجا مین مشہور عیسائی پادری ولیم کیری نے وعظ شروع کی اور اس بزرگ کی یادگار مین ایک پتھر کے سل پر اسکی کارگزاری کا تذکرہ کندہ ہے پادری کیری نے اپنی ہمت سے یہان ایک کالج بھی بنایا تھا جسکو ۱۸۱۸ء مین ڈگریان دینے کا منصب عطا ہوا تھا۔ یہ منصب کسی اور کالج کو حاصل نہین۔ سند چارٹر جس کے ذریعے سے یہ منصب عطا ہوا ہے کالج مین اب تک نہایت احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔ یہ چارٹر یا تو فریڈرک ششم شاہ ڈنمارک نے عطا کیا تھا یا اسکی ہمشیر شہزادی لوسا اگسٹا نے دیا ہوگا جسکی والدہ جارج سوم شاہ انگلینڈ کی بہن تھی سالہا سال سے اب اس کالج نے

Marfat.com

کوئی ڈگری عطا نہین فرمائی لیکن اگر اب بھی کوئی ڈگری عطا ہوا تو گورنمنٹ انگلشیہ بوجہ عہدنامے کے اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی۔ شہزادی مذکورہ کی تصویر اس کالج کے کمرے مین آویزان ہے جس کی نسبت بہت عرصہ سے یہ غلط خیال رائج تھا کہ وہ میڈم گرینڈ کی تصویر ہے جو قلب فرینسس اور شہزادہ ٹیلی رانڈ کی محبوبہ نپولین کے زمانہ مین مشہور تھی لیکن تحقیقات معتبر سے یہ امر اب طے ہوگیا ہے کہ یہ تصویر فی الواقع شہزادی لوساگسٹا مذکور کی ہے۔ یہ کالج ایک دلچسپ چیز ہے۔

اسی مین ایک کمرہ کے دیوار پر ڈاکٹر مارشمین مورخ ہند کی تصویر بھی آویزان ہے جس مین وہ ایک چینی ترجمان کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ منبر جہان سے کیری وعظ کہتا تھا اسکی آرام کرسی اور بیراگن بطور تبرک کے اب تک احتیاط سے رکھی ہوئی ہین بعلاوہ ان یادگارون کے ایک لغات موجود ہے جو تیرہ ایشیائی زبانون مین ہے اور ایک نسخہ انجیل جو پہلا ترجمہ بنگالی زبان مین ہوا موجود ہے۔

ولیم کیری ایک مشہور و معروف پادری گذرا ہے۔ یہ شخص جوتے گانٹھکر انگلینڈ مین گذر اوقات کیا کرتا تھا اور اسی حالت مین کوچہ بہ کوچہ وعظ کیا کرتا تھا اور حیرت کی بات یہ کہ اسکی آمدنی ایک پونڈ ماہوار تھی جو بطور واعظ کے اُس کو ملتی تھی۔

یہ شخص آخر بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی کا بانی ہوا اور ۱۷۹۳ء مین انگلینڈ سے ہندوستان مین آیا اور سیرام پور مین اُس نے اپنا مقام وعظ مقرر کیا۔ اپنی بیوی چار بچے اور ایک سالی اور خود کے لیے اُس کو ہندوستان مین صرف ۵ء ماہوار ملتا تھا اُس نے ہندوستانی آبادی مین وعظ کہا اور کئی ہندو مسلمان عیسائی بنائے اور انجیل کا بنگالی اور چینی زبانون مین ترجمہ کیا سب سے پہلا بنگالی اخبار اسی شخص نے نکالا۔ اور اسی شخص نے انگریزی اخبار "فرینڈ آف انڈیا" نکالا جو عرصہ تک جاری رہا آخرکار موجودہ اخبار اسٹیٹسمین مین سلب ہوا۔

علاوہ ازین سیرام پور مین ایک اور دلچسپ کھنڈر موجود ہے اس کا نام مارٹن پگوڈا ہے۔ مارٹن ایک انگریز مشہور پادری گذرا ہے جو پہلا ہندی بشپ بنایا گیا تھا۔ یہ شخص ۱۸۰۵ء مین ہندوستان مین آیا اس نے بہت سے لوگ عیسائی بنائے۔ جب یہ آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک بتکدہ ہندوون کا جسے پگوڈا بھی کہتے ہین وہان موجود ہے جس کے متعلق ایک روایت تھی یعنی یہ کہ ایک پتھر کی سل صوبہ دار بنگال کی کچہری مین ہوئی تھی

BAPTIST MISSIONERY SOCIETY

Marfat.com

جو ریاست قدیم گور کے دار الخلافہ مین واقعہ تھی۔ گورنر یعنی صوبہ دار مذکور کسی کو یہ سل اُٹھانے نہ دیتا تھا۔ آخر کار سل مین سے آنسو نکلے اور اس کو یقین ہوا کہ دیوتاون کا منشا ہی کہ اس مین سے کوئی بت بنایا جائے۔ چنانچہ وہ سل دیوتاؤن کی طاقتون سے دریا مین بہتے بہتے سیرام پور آپہونچی وہان اس سے ایک مورت بنائی گئی اور ایک مندر اس کے استہاپن کرنے کے لیے بنایا گیا۔ جب دریا کی یورش اس مندر کے رخ زیادہ ہونے لگی تو مورت وہان سے نکالی گئی اور ایک پاس کے مندر مین اُس کو جگہ دی گئی اور مندر سابقہ ویران ہوگیا۔

مارٹن پادری مذکور نے اس کو اس طریق سے آراستہ کیا کہ اُس کو گرجا گھر بنادیا۔ بہت عرصہ تک رونق پذیر رہ کر یہ گرجا بھی ویران ہوگیا۔ لارڈ کرزن نے ایک دفعہ اسکو ملاحظہ کیا چونکہ اُنکو تاریخی عمارت کے قیام کا شوق تھا۔ اُنھون نے اس پر ایک پتھر کی سل لگوادی اور اس پر انگریزی مین یہ الفاظ کندہ کرادیے "اس عمارت پر مارٹن پادری نے ۱۸۰۶ء مین قبضہ کیا" اس کے آس پاس کی زمین صاف کرادی اور سقف پر جو روئیدگی ہوگئی تھی وہ کٹوا ڈالی۔ اسوقت مندر کے سنگینی بیل بوٹے جو ہندو مندرون مین ہوتے ہین۔ بالکل معدوم ہین۔ محقق بیان کرتے ہین کہ ہندوستان مین صرف یہی ایک مندر تھا جو گرجا مین مبدل ہوا جو مورت یہان سے نکالکر پاس کے مندر مین رکھی گئی اس کی بھی کیفیت قابل ذکر ہے سلاڈ کلائیو کا منشی اور وارن ہیسٹنگس کا معتمد نب کشن اس مورت کو عاریتاً لے گیا تھا تاکہ اپنی والدہ کی رسوم کریا کرم کے متعلق اس سے کام لے۔ جسپر اس کا نو لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ نب کشن (جو بعدہٗ مہاراجہ کے لقب سے ملقب ہوا) اس کے واپس کرنے سے منحرف ہوگیا مندر کے پوجاریون نے اوسکی گھر پر دہرنا دیا اور بدعائین دینا شروع کین۔ عزیزون رشتہ دارون نے بہت سمجھایا بجھایا کہ مورت واپس کردو تاکہ خاندان پر کوئی آفت نازل نہو لیکن مہاراجہ نے واپس نہ کی آخر کار عدالت سپریم کورٹ مین مقدمہ ہوا۔ اور وہان سے نہ معلوم کیا فیصلہ ہوا انجام کار مہاراجہ نے پوجاریون کو کئی گانون معاوضہ مین جاگیر دیدیئے۔ اور گو یہ عطیہ بہت دیر سے ہوا تاہم پوجاری پھر خاموش ہوگئے۔

علاوہ عمارات بالا کے سیرام پور مین ولیم کیری کی قبر بھی موجود ہے جہان اُسکی بیوی بھی مدفون ہے جو فاتر العقل ہوگئی تھی۔ شائقین عمارات قدیم و تاریخ مذاہب کے لیے سیرام پور کی سیر نتیجہ خیز اور دلچسپ ہونی چاہیئے۔

شمیم

تحفۃ المجاہدین

اور اُس کا مصنّف

(از سید احمد اللہ قادری ایڈیٹر تاریخ "حیدرآباد دکن)

تحفۃ المجاہدین ملیبار کے مسلمانوں کی سب سے پہلی اور سب سے آخری مشہور و معروف عربی تاریخ ہے۔ اس میں پرتگیزوں کے حملوں اور اُن کے مظالم کو بیان کیا ہے۔ یہ اس قدر مستند ہے کہ فرشتہ جیسے محقق نے اس سے اپنی تاریخ کا گیارھواں مقالہ اخذ کیا تھا۔

تحفۃ المجاہدین کے مصنف حضرت شیخ زین الدین معبری ہیں، ان کے جدِ اعلیٰ علی بن احمد المعبری تھے۔ یہ معبر کے رہنے والے اور وہاں کے مشاہیر عظام سے تھے۔ اس خاندان میں یہ سب سے پہلے بزرگ ہوئے ہیں جنھوں نے معبر سے نقل مکان کرکے کوشن (کوچین) کو اپنا دارالقیام قرار دیا لیکن چند سال بعد اُنھوں نے یہاں کی بھی سکونت چھوڑ دی اور فونان میں جاکر بس گئے۔ ان کو اپنی زندگی میں فونان میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہوگیا تھا اور وہاں "مخاویم فونانیہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔

ان کے اہل خاندان بھی علم وفضل اور زہد واتقا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اس خاندان کے چند افراد نے ایک مدرسہ اور خانقاہ بھی تعمیر کی تھی، مگر ان کا مدرسہ ایک عرصہ تک اسلامی علوم و فنون کی احیا کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔

پرتگالیوں سے قبل ملیبار میں عرب وعجم کی کثیر جماعتیں آیا کرتی تھیں مگر وہ سب کی سب اسی خانقاہ میں فروکش ہوتی تھیں اور یہ مدرسہ بھی اس زمانہ میں ایک جامعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں عربی کے تمام شعبوں کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس کی شہرت اور اہمیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب امام الاساتذہ حضرت شیخ شہاب الدین ابن حجر المکی (ولادت ۹۰۹ھ / ۱۵۰۳ء وفات ۹۷۴ھ / ۱۵۶۶ء) ملیبار میں رونق افروز ہوئے تو ابتدا میں آپ نے اسی خانقاہ میں قیام فرمایا اور جب تک یہاں تشریف فرما رہے اس وقت

Marfat.com

تک آپ کا یہ دستور تھا کہ روزانہ مدرسہ میں قدم رنجہ فرما کر تفسیر و حدیث کا درس دیا کرتے۔

شیخ علی (ابن احمد المعصری) کے فرزند شیخ زین الدین ابو یحیٰی (المتولد ۱۳ شعبان ۹۲۶ھ / ۱۵۱۴) بھی بڑے عالم و فاضل بزرگ اور اپنے عصر کے امام حدیث مانے جاتے تھے، آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) تحفۃ الاحبار — اوفات پیغمبر میں

(۲) مرشد الطلاب — تصوف

(۳) سراج القلوب — تصوف

(۴) شمس الہدیٰ

(۵) ارشاد القاصدین — امام غزالی کی کتاب منہاج العابدین کا اختصار

(۶) شعب الایمان — علامہ سید نور الدین کی تصنیف شعب الایمان فارسی کا عربی ترجمہ

(۷) کتاب الصفا من الشفا۔ قاضی عیاس کی الشفا، کا اختصار

(۸) تسہیل الکافیہ — کافیہ از ابن حاجب کی شرح۔

(۹) کفایۃ الفرائض۔ — کتاب الکافی فی الفرائض از صبروفی کا مختصر

(۱۰) حاشیہ الفیہ ابن مالک

(۱۱) حاشیہ تحفہ ابن الوردی

(۱۲) حاشیہ ارشاد ابن المقری

آپ نے ایک کتاب قصص بھی لکھی ہے، اس میں حضرت آدم سے حضرت داؤد تک مشہور انبیا کے حالات ہیں۔

سیرۃ النبی پر ایک کتاب تالیف فرما رہے تھے لیکن افسوس کہ کتاب ختم ہونے سے پہلے آپ کا چراغ زندگی گل ہو گیا۔

آپ عربی کے شاعر بھی تھے آپ کی منظومات میں تین قصائد بہت مشہور ہیں۔

(۱) ہدایۃ الازکیا الی طریق الاولیار — تصوف

(۲) ارجوزہ — تصوف

(۳) تحریض اہل الایمان علی جہاد عبدۃ الصلبان — اس میں جہاد کے محاسن بیان کئے گئے ہیں اور پرتگیزوں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

Marfat.com

پہلا قصیدہ عرب و عجم میں بھی پسند کیا گیا ہے اس کی قبولیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکۂ معظمہ میں اس کی شرح لکھی گئی ہے۔ اس کا نام "کفایۃ الاتقیاء فی منہاج الاصفیاء" ہے۔ اسے شیخ عارف باللہ سید ابو بکر بن سید محمد شطاء الدمیاطی نے کیا ہے۔ یہ ۱۳۰۲ھ میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کی ایک اور شرح جاوہ میں بھی ہوئی تھی جس کا نام "سالم الفضلاء" ہے۔ اس کے مصنف محمد نووی الجاوی ہیں یہ ۱۳۰۱ھ میں بمقام قاہرہ چھپی ہے۔ اس کے علاوہ اور دو شرحیں خود شیخ کے فرزند شیخ عبد العزیز نے بھی کی ہیں، ایک طویل اور ایک مختصر۔

پہلی شرح یکم محرم ۹۹۲ھ کو فنان میں لکھی گئی اس کا نام مسلک الاتقیاء ہے، یہ ۱۲۹۲ھ میں بولاق میں چھپی ہے۔

دوسری شرح کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔

شیخ عبد العزیز کے فرزند شیخ زین الدین معبری ہیں، آپ ہی نے تحفۃ المجاہدین لکھی تھی۔ آپ کا سنہ ولادت کسی مقامی تاریخ سے معلوم نہیں ہوا البتہ تاریخ وفات کا علم ہوا۔ انھوں نے ۹۹۱ھ میں بمقام فونان انتقال فرمایا۔ ان کے زمانہ میں ابن حجر ملیبار تشریف لائے تھے شیخ زین الدین کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اور یہ شیخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں اب تک دو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں

(۱) فتح المعین (۲) تحفۃ المجاہدین۔

فتح المعین شیخ عبد اللہ الشنشوری خطیب جامع ازہر کی مشہور تصنیف قرۃ العین فی مہمات الدین کی شرح اور اس کے بعض مشکل مطالب کا حل ہے، اسے شیخ زین الدین نے ۹۸۲ھ میں تمام کیا ہے۔ اس پر متعدد علما نے حاشیے تحریر فرمائے ہیں جن میں سید احمد علوی سقاف اور شیخ عارف باللہ سید ابی بکر کا حاشیہ زیادہ مشہور ہے۔

پہلے حاشیہ کا نام ترشیح المستفیدین علی فتح المعین ہے جو ۱۲۹۵ھ میں تمام ہوا ہے۔

دوسرا حاشیہ اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ۲۳ شوال ۱۳۰۰ھ کو بمقام مکۂ معظمہ لکھا گیا تھا، اور مصر میں چھپ بھی گیا ہے۔

تحفۃ المجاہدین ابتداء ظہور اسلام سے شروع ہوئی ہے، اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات کو اس طرح دکھایا ہے کہ اس زمانہ کی معاشرت کا نقشہ نظر کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

۹۰۴ھ سے اس وقت سے جبکہ پرتگیزوں نے ملیبار پر تاخت و تاراج شروع کی کتاب کا آغاز کیا ہے، اور ۹۸۱ھ تک کے حالات نہایت وثوق اور صراحت سے بیان فرمائے ہیں۔ اس کا بہت بڑا حصہ مصنف

Marfat.com

کے چشم دید واقعات پر مبنی ہے اس لئے یہ بہت قابل قدر ہے، اِس میں اکثر واقعات ایسے بھی ہیں جن سے خود مصنف کو بھی واسطہ رہا ہوگا

کتاب کے شروع میں ایک باب خاص طور سے جہاد پر لکھا گیا ہے، اِس میں بتایا ہے کہ جہاد مسلمانوں پر فرض اور ان کی زندگی کا اہم ترین جزء ہے۔ اس پر عمل کئے بغیر وہ دنیا میں کبھی کامیاب نہیں رہ سکتے۔

تحفۃ المجاہدین اکبر کے زمانہ کی یادگار ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ دکن پر پانچ مختلف بادشاہ حکمران ہیں۔
۹۰۵ھ کے ضمن میں خود اس کے مصنف نے اکبر کا سرسری طور پر حال لکھا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ اکبر کو ہدایت دے کہ وہ پرتگیزوں کو اپنے حدود سے نکال دے لیکن مقام حسرت ہے کہ شیخ کی یہ التجا مستجاب نہیں ہوئی بلکہ یہ آرزو کتاب ہی کے اوراق میں بند رہ گئی۔

شیخ ابتدا ہی سے بڑا احساس اور دردمند دل لیکر آئے تھے، انھوں نے کتاب کے ہر صفحہ پر مسلمانوں کی تباہی اور اُن کی بے بسی کا دُکھڑا رویا ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ تمام مسلمان اُن کے ماتم میں شریک ہوں اور وہ پرتگالیوں سے اپنے بھائیوں کے خون کا اچھی طرح بدلہ لیں۔

غالباً اسی بناء پر تحفۃ المجاہدین کا دیباچہ بیجاپور کے مشہور و باہنر فرماں روا سلطان علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ ۱۵۵۵ء، ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء) کے نام پر لکھا گیا تھا لیکن کتاب ختم ہونے سے تین سال قبل خود بادشاہ کا (۹۸۸ھ میں) انتقال ہوگیا۔

تحفۃ المجاہدین یورپ میں بہت مشہور و مقبول ہوئی ہے اس کے ترجمے انگریزی اور پرتگیزی زبانوں میں بھی ہوئے ہیں۔ انگریزی ترجمہ میجر رولینڈسن (J. Rowlandson) نے کیا ہے جو ۱۸۳۳ء میں لندن میں چھپ گیا ہے۔ پرتگیزی ترجمہ ۱۸۹۸ء میں لزبن میں شائع ہوا ہے جسے پروفیسر ڈیوڈ لوپز (D. Lopes) نے کیا تھا، یہ ترجمہ صرف پرتگیزوں پر ہے، باقی اذکار مترجم نے نظر انداز کردیے ہیں۔

تاریخ فرشتہ کا گیارھواں مقالہ جو حکمرانانِ ملیبار پر ہے، وہ تحفۃ المجاہدین کا ناقص خلاصہ ہے، اسی نامکمل حصہ کو انڈرسن (Anderson.) نے چند حواشی کے ساتھ ترجمہ کرکے تذکرہ ملیبار کے نام سے ۱۸۶۰ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں شائع کرایا۔

تاریخ فرشتہ کا انگریزی ترجمہ جسے برگس (J. Briggs) نے کیا تھا اس میں بھی یہ حصہ موجود ہے

فرشتہ کے جو ترجمے نولکشور کانپور اور جامعہ عثمانیہ کی جانب سے شائع ہوئے ہیں ان میں بھی یہ پایا جاتا ہے

تحفۃ المجاہدین کا اصل عربی متن عرصہ سے بہت نایاب ہے اور بہت کم اصحاب اس کی حقیقت سے واقف ہونگے۔ ۱۹۲۷ء میں جناب مولوی حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی

Marfat.com

شرکت کے سلسلہ میں مدراس کا سفر فرمایا تھا۔ اس موقع پر ان کو تحفۃ المجاہدین کا ایک مخطوطہ مل گیا، اسی دوران میں معلوم ہوا ملیبار کے کسی خانگی کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ اور موجود ہے۔ انھوں نے اپنا مخطوطہ ملیبار بھیجکر اس سے اپنے مخطوطہ کا مقابلہ اور تصحیح کرائی۔ جب یہ منزل بھی ختم ہوگئی تو اپنے دوست خان بہادر مولوی ضیاء الدین صاحب کو (جو مدرسہ باقیات الصالحات ویلور کے چانسلر ہیں) نظر ثانی کے لئے دیا اس کے بعد اپنے ایک محققانہ مقدمہ کے ساتھ اصل کتاب شائع فرمادی۔ اس طرح سے علم دوست طبقہ کی ایک دیرینہ آرزو حکیم صاحب کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

حکیم صاحب نے اس کا اُردو میں بھی ترجمہ کیا ہے جس میں آپ نے بہت سے حاشیے اور تعلیقات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ یہ حصہ ان کے مشہور رسالہ "تاریخ" میں بالاقساط (جلد ۲ نمبر ۵-۶-۷، جلد ۳ نمبر ۹) شائع ہو چکا ہے۔ اور عنقریب کتابی شکل میں شائع ہونے والا ہے

مشہور مورخ اور اخبار الاندلس کے مترجم مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے اکتوبر ۱۹۳۲ء کے رسالہ "ہندستانی" میں تحفۃ المجاہدین کے اس ایڈیشن پر تبصرہ تحریر فرمایا ہے، اور کتاب کے خصوصیات اور اہمیت جتاتے ہوے لکھا کہ ظفر الوالہ کے مصنف نے اکثر معلومات تحفۃ المجاہدین سے اخذ کی ہیں اور بہت کچھ اسی پر انحصار کیا ہے لیکن واقعہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ظفر الوالہ کے مصنف نے تحفۃ المجاہدین اور اس کے مصنف کا "ظفر الوالہ" میں کسی جگہ حوالہ نہیں دیا اور نہ اس کے مصنف کا ذکر کیا ہے۔

مولانا کو حکیم صاحب موصوف کی اس عبارت سے اتفاق نہیں ہے۔

۱۷۔ شعبان ۹۲۸ھ کو مصنف کے جد اعلیٰ شیخ زین الدین ابو یحییٰ بن علی نے وفات پائی

واقعہ ایسا ہے کہ تحفۃ المجاہدین کے مصنف اور ان کے جد دونوں کے نام ایک ہی ہیں، غالباً اس اسمی توارد کے باعث تبصرہ نگار کو مغالطہ ہوا اور انھوں نے سہواً جد کو اصل مصنف خیال فرمایا۔

تحفۃ المجاہدین کی تاریخ تصنیف ۹۹۴ھ ہے لیکن مولانا خلیل الرحمٰن نے ۹۹۲ھ بتائی ہے حکیم صاحب نے ۹۹۴ھ لکھی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کے لئے کتاب کا اصل متن دیکھا جائے۔ اس سے واضح ہوگا کہ ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں پرتگالیوں نے ملیبار کی رعایا پر سختی شروع کی، دوسرے سال (یعنی ۹۹۳ھ میں) ملیبار کے سامری نے اہل پرتگال سے مصالحت کی اور (اس کے بعد) نئے سال (یعنی ۹۹۴ھ کے آغاز میں) پرتگیزوں کے نو وارد سردار اور سامری کے مابین پیمانِ مصالحت ہوا اس سے خود واضح ہوتا ہے کہ تحفۃ المجاہدین ۹۹۴ھ کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

خدا بخش لائبریری کی چند اہم مطبوعات

مطبوعات اردو ● **من موہن کی باتیں** (قرآن مجید کا ترجمہ): مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی۔ ۱۵ روپے ● **صراط مستقیم**: مولانا آزاد، مرتبہ پروفیسر
قمر الدین خاں۔ ۴۰ روپے ● مولانا ابوالکلام آزاد کا نادر اخبار **پیغام** (مکمل فائل)۔ ۱۰۰ روپے ● **تصوف برصغیر میں**: ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں تصوف
پر مخطوطات، نادر اور اہم غیر مطبوعہ مخطوطات پر تحقیقی مقالات کا مجموعہ۔ ۱۵۰ روپے ● **طب اسلامی**: ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں موجود مخطوطات طب پر
تحقیقی مقالات کا مجموعہ۔ ۷۵ روپے ● **قطعات دلدار**: (عہد میر و سودا کے صوفی شاعر شاہ دلدار کا کلام) ۱۵ روپے ● **یادگار روزگار**: (تذکرہ کاملان پٹنہ)
از سید بدر الحسن (۹ حصے ایک جلد میں)۔ ۲۰۰ روپے ● **قومی یکجہتی کی روایات**: بشمبھر ناتھ پانڈے۔ ۵ روپے ● **ہندستانی مسلمانوں کے مسائل**:
از سید حامد۔ ۳۰ روپے ● **اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر**: از اوم پرکاش پرشاد اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات کا مدلل اور
مفصل جواب۔ ۱۵ روپے ● **مغربی تعلیم کا تصور اور اس کا نفاذ علیگڑھ میں**: رشید احمد صدیقی۔ ۲۰ روپے ● **ایک نادر روزنامچہ**: از
مولوی مظہر علی سندیلوی، انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ربع اول تک تحقیق ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ ۳۰ روپے ● **داستاں میری**:
از ڈاکٹر اقبال حسین: بہار کے مسلمانوں کی پچھلے سو برسوں کی ادبی، تہذیبی، سماجی تاریخ۔ ۳۰ روپے ● **ہندستانی مسلمان عصری دستاویزات کی
روشنی میں**: (پہلی جلد) آزادی کے بعد علی گڑھ کی فضا۔ ۱۰۰ روپے ● **فارسی اور ہندستان**: از پروفیسر نذیر احمد۔ ۱۰ روپے ● **العصر لکھنؤ**: ۱۷-۱۹۱۳ء
(انتخاب و تعارف)۔ ۵۰ روپے ● **ادیب الٰہ آباد**: ۱۳-۱۹۱۰ء (انتخاب و تعارف)۔ ۵۰ روپے ● **صبح امید لکھنؤ**: ۲۱-۱۹۱۸ء (انتخاب و تعارف)
۵۰ روپے ● **معیار** قاضی عبدالودود کا رسالہ: (مکمل فائل) ۱۹۳۶ء۔ ۵۰ روپے ● **نگار** کا جدید غزل گو نمبر: ۱۹۴۰ء۔ ۲۵ روپے ● **زبان گجرات**:
۲۸-۱۹۲۶ء (مکمل فائل)، ۵ روپے ● پنڈت موتی لال نہرو کا ۱۹۰۷ء کا **خطبہ صدارت**: ۱۰ روپے ● **رقعات رشید صدیقی**: مرتبہ پروفیسر مسعود
حسین خاں۔ ۳۰ روپے ● **مقدمہ طلسم ہوشربا**: ۲۰ روپے ● **طلسم ہوشربا مع مقدمہ** (آٹھ جلدیں)۔ ۸۲۰ روپے ● **ہندو تیوہاروں کی دلچسپ
اصلیت**: منشی رام پرشاد ماتھر (علیگ)۔ ۳۰ روپے ● **جنید احمد کی آٹوگراف بک**: ۲۰ روپے ● **دیوان مصحفی**: منتخبہ امیر مینائی و اسیر۔ ۵۰ روپے
● **شخصیات و واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا**: جنید احمد۔ ۴۵ روپے ● **گیتا اور قرآن**: پنڈت سندر لال۔ ۲۵ روپے ● **تحفۃ السعداء**:
خواجہ کمال (م بعد ۱۰۱۶ھ)، پیشکش حکیم حسین خاں شفا۔ ۲۰ روپے ● **بہار اردو لغت**: یوسف الدین احمد بلخی۔ ۱۵ روپے ● **تواریخ نادر العصر**: منشی
نولکشور، تقدیم ڈاکٹر انوار الحسن۔ ۲۵ روپے ● **ہندستان کی آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ**: از ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین۔ ۱۰۰ روپے ● **سکوں پر اشعار**:
از سید نور محمد الکیلوی۔ ۱۲۵ روپے ● **ہندو دھرم اکبر کے عہد میں**: تصنیف ابوالفضل، ترجمہ فدا علی۔ ۱۰۰ روپے ● **اعمال نامہ**: ایک اہم آپ بیتی
از سر رضا علی۔ ۱۰۰ روپے ● **شریمد بھگوت گیتا مع گیتا بودھ**، از مہاتما گاندھی۔ ۲۰ روپے ● **لیلیٰ کے خطوط، مجنوں کی ڈائری**: از قاضی
عبدالغفار۔ ۴۰ روپے ● **حکایات اقبال**: از السیس نیلز۔ ۴۵ روپے ● میرا ادب: از نذیر علی رودولوی۔ ۲۰ روپے۔

مطبوعات فارسی ● **قطعات حسرت**: ۱۰ روپے ● **کنز تواریخ**: شاہ غلام کی عظیم آبادی کے تاریخی قطعات۔ ۱۰ روپے ● **مجمع النفائس**:
سراج الدین علی خاں آرزو۔ ۱۰ روپے ● **باغ معانی**: تذکرہ شعرائے فارسی (نقش علی)۔ ۱۰ روپے ● **صحف ابراہیم**: تذکرہ شعرائے فارسی، علی ابراہیم خاں
خلیل۔ ۱۰ روپے ● **فرہنگ زفان گویا**: پروفیسر نذیر احمد۔ ۵۰ روپے ● **دیوان حافظ**: (شاہان مغلیہ کے ذاتی نسخہ کی عکسی اشاعت)۔ ۲۰۰ روپے۔

مطبوعات ہندی ● **من موہن کی باتیں**: مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا ترجمہ قرآن۔ ۱۰ روپے ● **دلدار کے دوہے**:
۱۲ویں صدی ہجری کے صوفی شاعر کا کلام۔ ۱۰ روپے ● **اورنگ زیب: ایک نئی درشٹی**: ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد۔ ۱۵ روپے ● **بھارت میں
قومی ایکتا کی پرمپرائیں**: بی۔ان۔ پانڈے۔ ۵ روپے ● مولانا آزاد کی یاد میں: ۱۵ روپے ● **اقبال، ہندستان اور پاکستان**: پروفیسر
سید حسن احمد۔ ۱۵ روپے ● بہار تیر راشٹریہ آندولن اور مولانا ابوالکلام آزاد: ڈاکٹر اے ایم۔ ۴۰ روپے ● **سامپردائکتا اور دیش کی
ایکتا**: سامپردائکتا کیسے رد کیا جائے (قومی یکجہتی پر سیاسی سماجی دانشوروں کے مقالات کا مجموعہ)۔ ۱۵ روپے ● **خدا بخش لائبریری ایک
پریچے**: لائبریری کی ... ایک انگریزی ... سی اسکاٹ ادکو بارنے اب سے ساٹھ سال قبل لکھی جسے تازہ ترین زمانہ تک لے آیا گیا ہے۔ ۱۵ روپے

مطبوعات انگریزی ● **ایک مشرقی کتب خانہ**: ۵ روپے ● **اسلام اور ہندستانی تہذیب**: بی۔ان۔ پانڈے۔ ۱۵ روپے
● بہار سلطنت کے صوفی ادب کا جائزہ: بروس لارنس۔ ۱۰ روپے ● **صوفیا کے مکتوبات اور ملفوظات**: پروفیسر سید حسن عسکری۔
۱۰ روپے ● ملفوظ لٹریچر: ڈاکٹر ضیاء الدین احمد دیسائی۔ ۱۰ روپے ● **افکار اسلامی بدلتی دنیا میں**: پروفیسر سید وحید الدین۔ ۱۰ روپے
مجموعہ مقالات: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۱۰ روپے ● **بہار میں اسلام اور مسلمان بعہد وسطیٰ میں**: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۲۵ روپے
● بہار عہد سلاطین اور مغل دور میں: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۵ روپے ● **اسلامی تقویم کی تشکیل نو**: ڈاکٹر ہاشم امیر علی۔ ۱۰ روپے
● مشرق وسطیٰ: ... آصف علی اصغر فیضی۔ ۱۰ روپے ● **خدا بخش**: ۱۰ روپے ● **مغل آرٹ**: ۱۵ روپے ● **حضرت امیر خسرو**: پروفیسر
سید حسن عسکری۔ ۲۰۵ روپے ● **فارسی ادب میں ہندستان کا حصہ**: پروفیسر امیر حسن عابدی۔ ۱۰ روپے ● **وہابی تحریک اور دوسرے
مقالات**: از معین اشرف۔ ۱۵ روپے ● ٹیپو سلطان: حیدر علی، کشمیر: ڈاکٹر محب الحسن۔ ۱۵ روپے ● **خدا بخش لائبریری میں محفوظ
فارسی اور اردو مخطوطات کے توضیحی کیٹلاگ**: ۳۴ جلدیں، قیمت ہر جلد ۵۰ روپے۔

Marfat.com

Marfat.com

Selections from the Monthly
ZAMANA (Kanpur)
1903 - 42

(7)

INDIAN HISTORY

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
Patna

Marfat.com

دیا نرائن نگم

کے

رسالہ زمانہ کانپور (۱۹۰۳ء-۱۹۴۲ء) سے انتخاب

تاریخِ ہند

۵

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

Marfat.com